شرع لکم من الدین ما وصّی بہ ابراھیم

قائم کیا تمھارے لیے دین سے اُس چیز کو جسکی وصیت کی تھی ابراہیم کو ۔

ع ۔ شرع او ناسخ شرعہا است ۔

الحمد للہ و المنّۃ

کہ کتاب نایاب

مسمّے بہ

پرسنل لا آف دی محمڈنس یعنی مسلمانون کا قانون شخصی جسمین مسائل و احکام شرع محمدی متعلقہ میراث و نکاح و طلاق مع اُنکے تمام اقسام و شقوق کے اور مع اُن اختلافات جزئی کے جو فریقین مین یا اہل سنت کے چارون فرقون مین ہوے ہین نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے ہین ۔

ملقّب بہ

جامع الاحکام فی فقہ الاسلام

جلد اول

جسکو عالم المعی فاضل لوذعی جامع الفضائل والکمالات الخفی والجلی آنریبل مولوی سید امیر علی ایم اے بارسٹر ایٹ لا و ممبر کونسل واضع آئین و قوانین نے سنی اور شیعہ کی نہایت معتبر و مستند کتب فقہ سے بہ کمال تحقیق و تفتیش اور برعایت دقت نظر زبان انگریزی مین تالیف کیا اور مولوی سید ابو الحسن صاحب مترجم انجمن ہند اودھ نے واسطے فائدہ خاص و عام کے علی الخصوص بنظر افادہ شائقان علوم اسلامیہ و وکلاء عدالت العالیہ زبان اردو مین ترجمہ کیا

مطبع نامی منشی نول کشور واقع لکھنؤ مین چھپی

ماہ ستمبر سنہ ۱۸۸۷ع

التماس مترجم

سب شائقان علوم اسلامیہ کی خدمت مین عموماً اور وکلاء اور مختاران عدالت کی خدمت مین
خصوصاً التماس ہے کہ اسلامی علم فقہ ایک ایسا بحر ذخار ہے جسکی حد و پایان تیرہ سو برس
مین بھی کسی عالم و فقیہ کو نہین ملی اور جسکا مثل و مانند بقول اس کتاب کے مولف عالم کے وقت
قانون سازی کی تاریخ مین بہت کم نظر آتا ہے اور ہر چند علماء اسلام و فقہاء کرام و حافظان
شریعت حضرت خیر الانام کی تصنیفات علم فقہ مین اس کثرت سے ہین کہ انکی تعداد عالم الغیب ہی
جانتا ہے مگر تقریباً سب کتب فقہ عربی زبان مین ہین اور فارسی زبان مین بھی بہت کم کتابین
اس علم مین ہین — اور اردو زبان مین تو قسم کھانے کی جگہ ہے — رہی زبان انگریزی اسمین بعض
علماء انگریز نے مثل میکناٹن صاحب و بیلی صاحب و ہیملٹن صاحب کی بعض عربی کتابون کا
ترجمہ کیا ہے اسی پر سب عدالتون کا اور حضرات وکلاء کا بالفعل دار و مدار ہے — مگر اسلامی
علم فقہ ایک اجتہادی علم ہے جسمین ہزارہا بلکہ لاکھا اقوال اور اختلافات ہین اور شرع محمدی کے
جزئیات مسائل مین ایسی ایسی باریکیان او پیچیدگیان ہین کہ جب کوئی دقیق اور
پیچیدہ مسئلہ شرعیہ کسی عدالت مین پیش ہوتا ہے تو جج اور وکیل دونون صاحبون کو اسکے
حل کرنے مین دانتون پسینہ آتا ہے اور بمقتضاے بشریت یا بوجہ عدم واقفیت ایسے مقدمہ کے
فیصلے مین غلطی ہو جاتی ہے جس سے کسی نہ کسی فریق کی حق تلفی اور نقصان ہوتا ہے — یہ کتاب
جزئیات مسائل اور اختلافات پر ایسی حاوی ہے اور معتبر و مستند اقوال کو اس کثرت سے

نقل کیا ہے کہ شاید بلکہ یقیناً کوئی کتاب مسائل و احکام شرع محمدی مین زبان انگریزی مین بھی ایسی جامع و حاوی ابتک نہین تالیف ہوئی پھر اردو بیچاری کس قطار و شمار مین ہے -

چند ہی روز ہوے ہین کہ مترجم حقیر مصنف تحریر کی لائف آف محمد یعنی سوانح عمری حضرت خاتم الانبیاء علیہ التحیۃ والثنا کا ترجمہ اردو مین کرکے تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام کے نام سے اسکو چھپوا کر مشتہر کر چکا ہے اور بحمد اللہ وہ ترجمہ مقبول خاص و عام و مطبوع طبع شائقان حالات اسلام و بانی اسلام ہوا ہے - اب حسب فرمائش قدردان اہل کمال ذو المجد والافضال رئیس باذل امیر دریادل شائق علوم ناقد فنون و رسوم کنور ہرنام سنگھ صاحب بہادر اہلو والیہ دام اقبالہ منیجر ریاست کپورتھلہ و سکرٹری انجمن [illegible] اودھ اور باجازت جناب مصنف علامہ اس کتاب کا ترجمہ کرکے ہدیۂ ناظرین باتمکین کرتا ہون اور انشاء اللہ تعالی اسکی جلد ثانی جسمین مسائل و احکام وقف و وصیت کے بھی زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے ہین اسکا بھی ترجمہ کرکے [illegible] ہدیۂ ناظرین کرونگا - امید کہ یہ کتاب حضرات [illegible] و قانون دانون کو بہت [illegible] اور [illegible] کو بکلمۂ خیر یاد فرمائینگے

الراقم [illegible]

سید ابو الحسن مترجم [illegible] ۲۰ [illegible] ۱۳۱۵ [illegible] لکھنؤ

فہرست مضامین

جلد اول جامع الاحکام فی فقہ الاسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

"جو لوگ دائرۂ اسلام کے اندر نہین پیدا ہوے ہین اور جنھون نے اُس دائرہ کے اندر نہین
پرورش پائی ہے اُنکو شرع شریف یعنی قانونِ اسلام کے سمجھنے مین بڑی بڑی دقتین پیش
آتی ہین — بالفعل جو کتابین شرع محمدیؐ کی زبانِ انگریزی مین موجود ہین اُنکی تعداد قلیل ہے — البتہ
فرانسیسی زبان مین اس قسم کی کتابین بہت ہین — مگر اکثر عمدہ عمدہ کتابین متقدمین فقہاے
اسلام کی علم فقہ اور مسائل و احکام شرع مین اُس زبان (عربی) کی پیچیدگیون مین پیچیدہ پڑی
ہوئی ہین جسکا حاصل کرنا اُتنا ہی مشکل ہے جتنی وہ زبان وسیع و دقیق ہے —
ہندوستان کے تعلیم یافتہ مسلمانون مین بھی علم فقہ اگر متروک نہین ہو گیا ہے تو شاذ و نادر
تو ضرور ہے — بہت کم لوگ اُسکو علم سمجھکر حاصل کرتے ہین یا اُسکو قانونِ عام کا ایک شعبہ جانکر
اُسکی تحقیق و تفتیش کرتے ہین — جو لوگ علم فقہ کی تحصیل مین مصروف ہوتے ہین وہ چند احکام
میراث کے علم پر اکتفا کرتے ہین جس سے کچھ فائدہ نہین ہوتا — یہ نتیجہ اُس حکمت عملی کا ہے جو لارڈ
ولیم بنٹنک صاحب گورنر جنرل ہندوستان نے اختیار کی تھی — اُنکے عہد گورنری کے پیشتر
ہندوستان کے اہل اسلام رعایا کے سب فرقون پر شرف رکھتے تھے اور اُنکے علم فقہ اور علم ادب

کی ترغیب متواتر گورنران ہند دیتے رہے اور انکی روایات کا احترام کیا اور خود انسے ویسی
رعایت کرتے تھے جیسی اُس قوم سے کرنی چاہیے جو پہلے ہندوستان کے حاکم و فرمان روائی
مگر لارڈ ولیم بنٹنک صاحب کے عہد گورنری مین وہ سارا رنگ بدل گیا اور مسلمانان ہند
طاقِ نسیان پر رکھدیے گئے - اور انکے آئین و قوانین رفتہ رفتہ زائل ہو گئے اور قدیم قاضیون
اور مفتیون کے خاندان جو مارکوس آف ولزلی اور مارکوس آف ہیسٹنگس کے عہد گورنری
کی رونق و افتخار کا باعث تھے فنا و برباد ہو گئے - ایک طرف تو اہل فرانس الجیریا[1] مین کوشش
بلیغ اسلامی علم فقہ و فن ادب کی ترقی مین کر رہے تھے اور گورنمنٹ فرانس کی اعانت و امداد سے
تازہ ترغیب علوم اسلامیہ کی تحصیل کی دے رہے تھے - اور ویسی قوانین کو رعایا کی اصلاح
حال کی غرض سے کام مین لا رہے تھے - دوسری طرف انگریز ہندوستان مین علوم اسلامیہ کے
ہر ایک شعبہ کو ضایع کیے دیتے تھے - جو خرابیان اس غلط حکمت عملی سے پیدا ہوئی ہین اُنکے
اظہار مین جسقدر مبالغہ کیا جاے وہ کم ہے - اسلامی علم فقہ اور مسلمانون کے اطوار و عادات
اور رسوم و قوانین سے واقفیت تامہ نہ رکھنے کا نتیجہ اب بھی یہ ہوتا ہے کہ بعض مقدمات کا فیصلہ
سب سے اعلیٰ درجہ کی عدالتین ہر ایک اصول شرع شریف کے خلاف کرتے ہین - پس کچھ تعجب کا
مقام نہین ہے کہ جب کسی مقدمہ کے فیصلہ مین عدم واقفیت احکام شرع کی وجہ سے نا انصافی
ہوتی ہے تو وہ نا انصافی اُس طولانی فہرست الزامات مین شامل ہو جاتی ہے جو الزامات لوگون نے
گورنمنٹ انگلشیہ پر قائم کیے ہین - اب چند مدت سے بعض لوکل گورنمنٹون نے علی الخصوص
گورنمنٹ بنگالہ اور گورنمنٹ مدراس نے اُن خرابیون کی اصلاح کی خواہش ظاہر کی ہے جو
پچاس برس کی غفلت سے پیدا ہوئی ہین - مگر اسوقت تک کوئی قرار واقعی تدارک اسکا

---

[1] الجیریا یا الجیرس ایک صوبہ ممالک بربری میں ہے افریقہ کے شمال میں ہے جہان مدت مدید سے فرانسیس کی عملداری ہے اور وہانکے لوگ عرب ہین اور مالکی مذہب ہین اس ملک مین شرع محمدی امام مالک کے طریقہ کے موافق ابتک جاری ہے اور وہانکے قاضیون کے فتوے اور فیصلے اس کتاب مین اکثر مقامات پر بطور تنبیہ کے یا تمثیلاً نقل کیے گئے ہین - ۱۲ مترجم

نہین کیا گیا ہے کہ مسلمانون کے معاملات مین عدل و حق و انصاف کامل عمل مین آئے —
چونکہ مختلف اسلامی فرقون کے درمیان باہمی اختلافات عظیم واقع ہوئے ہین اسلئے اکثر [illegible]
شریعت اسلامیہ کا اسقدر مشکل ہو گیا ہے جسقدر وہ شعبہ ہے جو مسلمانون کی حیثیت شخصیہ سے
متعلق ہے — اس رسالہ کو اسلئے اس غرض سے تصنیف کیا ہے کہ جو دقتین مسائل شرعیہ
مین پیش آتی ہین [illegible] جو عدالتون اور مسلمانون کے ذاتی قانون مین ایک موجب
[illegible] کی ضرورت جو لاحق ہے وہ کسیقدر رفع ہو جائے — اس رسالہ مین تحقیق
[illegible] ان [illegible] کے جمع کرنے [illegible] ہین سے اس زمانہ مین بیان کی تحقیق [illegible]
[illegible] شرع شریف پر پیچیدہ کیا کرتا تھا — اور ایک فہرست فتاوی
[illegible] شامل کر دی ہے — اس رسالہ مین مینے
اس بات کی کوشش کی ہے کہ مسائل شرعیہ کی تحقیق فقہیون کے اقوال کو یکجا کر دین — ناظرین
بالکل خود انصاف کرینگے کہ اس کوشش مین مین کسقدر کامیاب ہوا ہون — مگر چونکہ یہ
رسالہ اتفاقاً تالیف ہوا ہے لہذا امید ہے کہ ناظرین اسکے عیوب سے فیاضانہ چشم پوشی
اور درگذر فرمائینگے — مینے مسائل شرعیہ کی تصدیق بڑی ہوشیاری سے کرکے انکے
نتائج کا استخراج کمال احتیاط کیا ہے تاکہ یہ رسالہ وکلاء عدالت اور طلبہ و شائقان علم
دونون کو مفید ہو — قبل اسکے کہ ان کتب فقہیہ کا ذکر کیا جائے جنکو مینے اس رسالہ مین
سند گردانا ہے کچھ کیفیت ان کتابون کی لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے جو شرع شریف پر
یورپ کی زبانون مین موجود ہین — امید کہ یہ کیفیت ناظرین کو دلچسپ معلوم ہوگی — بزبان
انگریزی مین جو کتابین شرع محمدی پر ذکر کرنے کے لائق ہین وہ یہ ہین — میکناٹن صاحب کے
اصول نظائر شرع محمدی — ہیملٹن صاحب کا ترجمہ ہدایہ جو فارسی ترجمہ سے انگریزی مین ترجمہ
کیا گیا ہے — بیلی صاحب کی شرع محمدی — شاما چرن سرکار کے لکچر شرع محمدی پر — اور
رمزی صاحب کا قانون میراث — چند ہی مدت گذری ہے کہ میکناٹن صاحب کی کتاب

شرع محمدی مین سب کتابون سے زیادہ معتبر سمجھی جاتی تھی مگر اب اس کتاب کی وقعت قانون نوات
او ججون کی نظر مین کم ہوگئی ہے۔ میکناٹن صاحب کی شرع حنفیہ اور شرع شیعہ اثنا عشریہ
مین اگرچہ بہت سے عیوب اور جا بجا غلطیان ہین مگر میرے نزدیک اس کتاب کو ایک
نہایت مفید ابتدائی رسالہ اُن طلبہ کے لیے سمجھنا چاہیئے جو سرکاری امتحانات پاس
کرنے کی کوشش کرتے ہین۔ ہیملٹن صاحب کا ترجمۂ ہدایہ اُن لوگون کو بہت مفید ہے جو
مختلف فرقہا سے اہل سنت کے مسائل مین فرق و امتیاز کرسکتے ہین۔ مگر جو دقت قانون
دانون کو ہیملٹن صاحب کے ترجمۂ ہدایہ سے اُن اصول کے دریافت کرنے مین پیش آتی ہے
جو فی الواقع حنفیہ مین جاری او معمول بہ ہین اُسکی وجہ سے اس کتاب کا فائدہ بہت کم ہوگیا ہے
بیلی صاحب کی شرع محمدی مین فتاوای عالمگیری اور شرایع الاسلام کے مضامین
بے تکلف نقل کردیے ہین۔ یہ کتاب مولف کی لیاقت پر دال ہے اور شائقان علم فقہ کو
اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ بیلی صاحب کے عالم متبحر ہونے مین کچھ کلام نہین تاہم اُنکی
کتاب مین غلطیان موجود ہین جنمین سے ایک فاحش غلطی مسمات اشلو کے مقدمہ مین
دریافت ہوئی۔ اگر بیلی صاحب کچھ زیادہ توجہ فرماکر ہر مسئلہ مین اُن کتب فقہیہ کا حوالہ
لکھدیتے جنسے اُنھون نے مضامین یا عبارات ترجمہ کیے ہین جیسا اُنھون نے بعض مسائل مین
کیا ہے کہ اسناد نقل کردیے ہین تو اُنکی کتاب بہت زیادہ فائدہ مند ہوجاتی۔
اس نقص کو بابو شاماچرن سرکار نے کسیقدر رفع کردیا ہے جنکے لکچر بعض اعتبارات سے
بیلی صاحب کی شرع محمدی سے تقول ہین۔ بابو صاحب موصوف نے جو تمہیدین اپنے
لکچرون مین لکھی ہین وہ اُن شائقان قانون کو غایت درجہ مفید ہین جو فقہ اسلام کو بدقت
نظر حاصل کرتے ہین۔ رمزی صاحب کا رسالہ ایک نہایت مفید اور حاوی مجموعہ مسائل
و احکام میراث حنفی کا ہے۔ فرانسیسی کتابین علم فقہ در شرع شریف مین ایسی عمدہ ہین جنکے
سامنے انگریزی کتابین بھی گرد ہین۔ ڈی اُوہسن صاحب کی کتاب مسمّٰی بہ ٹیبلو جنرل

ڈی الا امپاپرا وٹمان جو شاہ سویڈن کی دستگیری سے ۱۸۴۱ء مین مشتہر ہوئی تھی محققین یورپ کی
ذہانت وطباعی اور مشقت وجانکاہی کی دلیل بین ابد الآباد تک رہیگی — اس کتاب مین نہایت
مکمل وصحیح خلاصہ شرع حنفی کا لکھا ہے جو ممالک عثمانیہ مین جاری ہے یعنی احکام دیوانی وفوجداری
وملکی و اخلاقی موافق مسلک حنفی مجملًا او صحیح طور سے بیان کیے ہین — علاوہ ڈی اوہسن صاحب کے
پیروُن — سانٹرا — کوپیری — ساپیسی — لاپیل — ڈیٹی منزول — ڈی کارزای — ونسنت
اور اور علمای فرانسیس نے شرع محمدی پر فرانسیسی زبان مین عمدہ عمدہ کتابین تصنیف کرکے
اُس زبان کی وقعت کو بڑھا دیا ہے — اِن سب کی تصنیفات سے اِس رسالہ کی تالیف مین مجھکو
بڑی مدد ملی ہے اِس کتاب کے مقدمات تاریخی کا حصہ ابن الاثیر کی کتاب موسوم بہ الکامل پر مبنی ہے
اور اسکا جو دلیتل حصہ (یعنے وہ حصہ جسمین قضا اور فصل خصومات سے بحث کی ہے) امام فخرالدین
رازی کے المحصول اور مقدمات ابن خلدون اور شہرستانی کے ملل النحل اور ڈی اوہسن صاحب کے
ٹبلو جنرل سے ماخوذ ہے — اصول شیعہ اثنا عشریہ شرائع الاسلام اور مفاتیح اور ارشاد علامہ اور
جامع الشتات سے لیے گیے ہین — جامع الشتات ایک عمدہ رسالہ مسائل شیعہ مین ہے جسمین وہ
مسائل لکھے ہین جو شیعون مین اُسی قدر معتبر و مستند ہین جسقدر حنفیہ مین فتاوای عالمگیری کے
مسائل ہین — علاوہ ان کتب شیعہ کے مین نے نیل المرام اور جامع عباسی او مبسوط اور
تحریر الاحکام سے بھی استصواب کیا ہے اور احادیث شیعہ کو بحار الانوار سے نقل کیا ہے —
شرع حنفی مین مین نے فتاوای عالمگیری اور فتاوای قاضی خان اور کنز الدقائق (ترجمہٗ
فارسی) اور ہدایہ (ترجمہٗ انگریزی وفارسی) اور عنایہ اور کفایہ اور در المختار اور رد المختار ابراہیم
حلبی وغیرہ دیکھی ہین — شرع شافعی ومالکی مین کتاب الانوار — اور المحرز اور اختلافات الائمہ اور
پیرون صاحب کا ترجمہ سیدی خلیل وغیرہ دیکھے ہین — علاوہ کتب مذکورہ بالا کے مین نے
اور بہت سی کتابین بھی مطالعہ کی ہین اور اُنکے اسما کی تصریح حواشی مین کردی ہے — مین
اُن علما کا شکریہ ادا کرتا ہون جنھون نے اس رسالہ کی تالیف مین میری اعانت کی ہے علی الخصوص

ڈاکٹر پوسٹ صاحب اور مسٹر ای جے میکفرسن صاحب مشیر قانونی سکریٹری آف اسٹیٹ کا مشکور
ہوں کہ انہوں نے انڈیا آفس کے مشرقی اور قانونی کتب خانوں کو بلا قید میرے استعمال میں
دے دیا۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کے شخصی قوانین کی تحصیل کی ضرورت جسقدر بمبالغہ کے ساتھ بیان
کیجائے وہ کم ہے۔ میں خود اس گمنام فرقہ معتزلہ سے ہوں جو فلسفیت اور تشریح و تفقہ کے
اعتبار سے کسی فرقہ سے کم نہیں ہے لہذا مجھکو ایک عمدہ موقع اس ترقی خیالات کے مشاہدہ کرنے کا
حاصل ہے جو مسلمانان ہند کے اور فرقوں میں ہو رہی ہے اور میں صریحاً دیکھ رہا ہوں کہ چند عرصہ سے
مسلمانان ہند میں ترقی کی تحریک ہو رہی ہے۔ تہذیب و شائستگی کی ترقی اور تازہ خیالات کے پیدا
ہونے سے وہی تاثیر مسلمانان ہند پر ہوئی ہے جو اور قوموں اور فرقوں پر ہوئی ہے۔ اور نوجوان
و نو تعلیم یافتہ اہل اسلام معتزلہ کے اعتقادات کی طرف بے اختیار مائل ہوتے جاتے ہیں اور کہن سال
مسلمان اگر شیعہ ہیں تو اخباری ہوتے جاتے ہیں اور اگر سنی ہیں تو ان میں وہابیت آتی جاتی ہے
مگر یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ ترقی کی تحریک اس وجہ سے ہو رہی ہے کہ دین اسلام ضعیف ہو گیا ہے بلکہ
اسکا باعث یہ سمجھنا چاہیئے کہ مسلمان چاہتے ہیں کہ اسلام کی طہارت و نظافت اصلی کی طرف عود
کریں اور ان زوائد کو دور کر دیں جنسے اسلام کی عظمت و جلالت میں فرق آگیا ہے۔ مسلمانوں میں
ترقی خیالات کی دلیل قطعی یہ ہے کہ اب اکثر اہل اسلام کی رای تعدد ازدواج اور غلامی و
بندہ گری اور طلاق بلا اجازت قاضی کی نسبت بدل گئی ہے اور یہ مسلّم ہوتا جاتا ہے کہ
سوسائٹی یعنے تمدن کے ابتدا کے زمانہ میں چاہیئے کیسی ہی ضرورت شدیدہ تعدد ازدواج کی
لاحق رہی ہو لیکن اس زمانہ میں اس رسم کو نہایت قبیح و مذموم سمجھنا چاہیئے۔ ایسے خیالات
کی ترقی کی وجہ سے اور احکام قرآنی کے مصالح و معانی پر نظر کرنے سے مسلمانان ہند
عموماً تعدد ازدواج کو خلاف شرع سمجھتے ہیں۔ مجھکو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانان
ہند کے رسوم و آئین اور شخصی قوانین میں بڑے بڑے تغیرات ہونے والے ہیں۔ مگر یہ نہیں
کہہ سکتا کہ یہ تغیرات کیونکر اور کیسے ذرایعہ سے وقوع میں آئینگے۔ آیا علما و فقہاے اسلام کی

[illegible] کے ذریعہ سے یا دوسرے [illegible] ان کی کارروائی کے ذریعہ سے وقوع میں آئینگے —

آلغرض مسلمانان ہند میں ایک غیر محسوس دریا خیالات کا جاری ہے جو شاید غیرون کو نہین محسوس ہوتا ہے مگر اُن لوگون کو خوب محسوس ہو رہا ہے جو اسلام کے دائرہ کے اندر رہتے ہین — لہذا ضرور ہے کہ جو لوگ بالفعل ہندوستان کے حاکم و فرمان روا ہین وہ مسلمانون کے قوانین پر توجہ تام فرمائین کہ صرف یہی قوم اقوام ہندوستان مین من جمیع الوجوہ ہمجنس ہے — اگر یہ رسالہ مسلمانون کے شخصی قانون کا علم شایع کرنے مین کامیاب ہو تو مین سمجھونگا کہ میری محنت سوارت ہوئی اور جسقدر زمانہ تعطیل مین نے اسکی تالیف مین صرف کیا ہے بجا صرف کیا —

بمقام رفاہ عام کلب ۲۰ دسمبر [illegible]ع

مُقدّمہ

مختلف علوم فقہ مختلف زمانون مین مختلف قومون مین جاری رہے ہین اُن سب مین اسلامی علم فقہ ہمیشہ عزیز و ممتاز رہا ہے — جب اُن حالات کا لحاظ کیا جاتا ہے جن حالات مین اسلامی علم فقہ پیدا ہوا اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ کیسی کیسی دقتین ابتدا مین اسکو پیش آئین اور جس قوم مین اسکی تکمیل ہوئی وہ قوم کیسی تنزل و انحطاط کی حالت مین تھی تو اس علم کو یہ سمجھ سکتے ہین کہ ایک نہایت عظیم الشان اختراع عقل انسانی کا ہے — علاوہ اسکے وہ سلسلۂ قوانین جسکے بانی پیغمبر اسلام ہوے ایک خاص جلوہ اُن ارباب بصیرت و اہل خبرت کی نظر مین رکھتا ہے جنکو انسان کی ترقی مین جو قوانین تمدن سے ثابت ہوتی ہے فکر و غور کرنے کا ذوق و شوق ہے —— قوانین اسلامیہ بعض وجوہ و اعتبارات ضروری سے اُن رسوم و قوانین سے مشابہت رکھتے ہین جو زمانۂ جاہلیت مین یعنی قبل شیوع اسلام عرب مین جاری تھی اُس مشابہت کو غور و تامل سے دیکھنا چاہیئے کیونکہ اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم حالات تمدن مین جنکو اہل اسلام طعن کی راہ سے ایام جاہلیت کہتے ہین اور اُس اصلاح یافتہ نظام تمدن مین جو اسلام سے پیدا ہوا کن کن باتون مین الحاق و

اتصال رہا۔ اسی مشابہت نے بعض نکتہ چینان شرع شریف کو اسپر آمادہ کردیا ہے کہ انھون نے
شارع اسلام کو (العیاذ باللہ) سرقہ سے متہم کیا ہے مگر ہمارے نزدیک یہ تہمت اُس غلط خیال پر مبنی ہے
جو عرب کے نظام تمدن کی نسبت جس حیثیت سے وہ اُس زمانہ مین موجود تھا ان مخالفین اسلام کے
دل مین سمایا ہوا ہے۔ جس زمانہ مین قوانین اسلامیہ شایع ہوے اُس زمانہ مین منجملہ اُن قومون کے
جو جزیرہ نماے عرب مین بود و باش رکھتی تھین صرف ایک قوم یہود معین و منضبط آئین و قوانین
رکھتی تھی اور یہود کے قوی اور مضبوط گروہ بت پرستان عرب کے بیچ مین رہتے تھے مگر اپنے خاص
قوانین کی پابند تھے۔ خدا معلوم کتنے عرصہ سے عرب اور یہود مین تعلق تام چلا آتا تھا اور یہ
بات یقینی ہے کہ یہ دونون قومین ایک ہی نسل سے تھین اور ایک ہی جدِ اعلی[1] کی ذریات تھین
اسی وجہ سے اکثر یہود کے خیالات عرب کے رسوم و عادات مین شامل ہو گئے تھے۔ علی الخصوص
خانگی تعلقات مین یہود کے خیالات کا نہایت قوی اثر عرب پر پڑا تھا۔ پیغمبر اسلام صلعم نے مدت العمر
یہی کوشش کی کہ ایک پاک و پاکیزہ دین اور ایک صالح و لطیف نظام تمدن اپنی امت مین جاری
کرین مگر تمدنی ضرورتون اور ترقی انسان کے لوازم سے ایسی چشم پوشی نہین کی کہ اُس زمانہ مین
جو آئین و قوانین موجود تھے اُن سب کو باطل کر دیتے کیونکہ اگر شارع اسلام صلعم ایسا کرتے یعنی تمام رسوم
و دستورات جاہلیت کو کُلّاً و قاطبۃً حرام کر دیتے تو سخت پریشانی اور بد انتظامی اور ابتری ہو جاتی
شارع اسلام صلعم نے اُن رسوم و قوانین قدیم کو اصلاح پذیر سمجھکر اپنی شریعت مین جاری رکھا مگر اُنمین
ایسی اصلاحین کر دین کہ ایک ترقی پذیر نظام تمدن کے موافق و مناسب اُنکو کر دیا۔ لیکن اسمین
شک نہین کہ جو آثار و علامات رسوم عادات قدیم کے اسلامی علم فقہ مین پائے جاتے ہین وہ کم و بیش چند روزہ ہین
جو مشابہت مسلمانون کے قوانین شخصی عبرانیون کے قوانین ذاتی سے بعض امور مین رکھتے ہین اُسکی وجہ تو ظاہر ہے کہ یہود
عرب کے ساتھ مدتون رہے ہین مگر بعض امور مین جو قوانین اسلامیہ رومیون کے قوانین سے مشابہت رکھتے ہین
اُسکی علت دریافت کرنا آسان نہین ہے۔ ابن خلدون نے اُسکی وجہ یہ لکھی ہے کہ یہ اثر رومیون کے علوم کا عرب کے

---

[1] یعنے حضرت ابراہیم ۱۲ مترجم

خیالات پر ہوا - اسمین شک نہین کہ خلفاے عباسیہ کو اُن لوگون سے ہمیشہ صحبت رہی جو علوم و فنون
روم و یونان سے واقف تھے - پس یہ بات خلاف قیاس نہین ہے کہ اِن علما و حکما کا فیض قاضیون
او ر مفتیون تک پہونچا - اور یہ بھی ممکن ہے کہ علوم و فنون یونان جسقدر مصر اور شام مین باقی رہ گئے
تھے انکا اثر اُن لوگون کے فقہی خیالات پر پڑا جنھون نے دوسری اور تیسری صدی ہجری مین
سینیون کا علم فقہ قائم کیا - قانون شفعہ کے اصول اور جو باریک باریک فرق مختلف اقسام
عبدیت اور مشارکت فی الارث وغیرہ مین نکالے ہین اُنسے یہ گمان ہوتا ہے کہ اگرچہ شرع محمدی
کی بنا ملک حجاز مین قائم ہوئی مگر اُسمین باریکیان اُن مقامات مین نکالی گئین جہان غیر ملکون کے
خیالات عرب کے خیالات پر حاوی ہو گئے تھے - تاہم از روی تاریخ یہ کہنا مشکل ہے کہ اسلامی
علم فقہ پر کچھ بھی اثر رومیون کے قوانین کا ہوا تھا - بلکہ سلسلۂ قوانین اسلامیہ کی کیفیت یہ
معلوم ہوتی ہے کہ اکثر احکام جو رسوم خانگی سے متعلق ہین عبرانیون کے قوانین سے مشابہت تامہ
رکھتے ہین مگر جو اصول انتظام ملکیت سے متعلق ہین اُنکو عبرانی قوانین سے بہت کم تعلق ہے اور
بعض وجوہ سے جو انکو رومیون کے اصول قوانین سے مشابہت ہو گئی ہے اسکو اتفاقی سمجھنا
چاہیئے - قانون اسلام کا دار و مدار قرآن مجید پر ہے - اِس کتاب مقدس مین وہ اصول
ضروریہ موجود ہین جنپر مختلف تعلقات بشری کا انتظام موقوف ہے - یعنی احکام دین اور
قوانین دیوانی و فوجداری جنپر مجموع اسلام کا وجود و بقا موقوف ہے سب اِس کتاب مین موجود
ہین بلکہ علم سیاست مدن اور اصول تمدن کا مادہ بھی اسمین موجود ہے - مخالفین اسلام
بہت بڑا نقص اِس کتاب مین یہ نکالا ہے کہ اسکی ترتیب درست نہین ہے - اِسکا جواب یہ ہے کہ یہ کتاب پیغمبر اسلام کی
حیات مین تدریجًا اور وقتًا فوقتًا نازل ہوئی - یعنی وہ اصول اخلاق اور وہ احکام حلال و حرام جو اِس کتاب مین بیان
کیے ہین یکہی وقت مین ہیئت مجموعی نہین نازل ہوے بلکہ بمقتضای حوائج وقت اور بلحاظ خاص خاص ضرورتون کے
نازل ہوئی - اکثر مسائل اعتقادی و شرعی جنکی تصریح قرآن مجید مین نہین ہے اُنکا استنباط احادیث
نبوی اور سیرت مصطفوی سے کیا گیا ہے - احادیث سے مراد اقوال پیغمبر ہین جو وقتًا فوقتًا آپنے فرمائے تھے اور

سیرت سے مراد افعال پیغمبر ہین جنکی خبر بطور روات ثقات کے ذریعہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے پہونچی
چنانچہ وہ کمبخت اختلاف مذہبی جس سے مسلمانون کے دو بڑے فرقے پیدا ہوے ہین یعنی سنی اور شیعہ
اُسکا خاص باعث یہی ہوا ہے کہ مختلف احادیث کو روات کی استناد و عدم استناد کے لحاظ سے
طرح کیا ہے یا قبول کر لیا ہے۔ شارع اسلام کی وفات کے عرصۂ قلیل کے بعد بعض اصحاب نے
جو اُنکی حیات مین اُنکی دوستی کا دم بھرتے تھے مگر دل مین اُنکی اہل بیت سے عداوت رکھتے تھے
یہ قاعدہ مقرر کر لیا تھا کہ جو احادیث پیغمبر اُس دعوی برحق کے مُصدق و موئید تھے جو اُنکے
داماد اُنکی خلافت و وصایت کی نسبت رکھتے تھے اُنکو رد کر دیتے تھے۔ چنانچہ جو احادیث ابو ہریرہ رض
اور حضرت عایشہ رض وغیرہ سے مروی ہین اُنسے صاف ظاہر ہے کہ اہل بیت پیغمبر سے رشک و حسد
رکھتے تھے۔ لہذا پیروان اہل بیت نے ایسی احادیث کو رد کر دیا ہے۔

جب حضرت ابو بکر رض بعد وفات پیغمبر خلیفہ منتخب ہوے تو اُنھون حکم کیا کہ آیات قرانی جمع کر کے
ایک کتاب کر لیجاے تاکہ لوگ اُنکو بھول نہ جائین مگر اُنکی زندگی نے وفا نہ کی اور یہ کام ناتمام رہا
اور خلیفۂ ثالث کے عہد خلافت مین قرآن مجید کے آیات کو مرتب کر کے ایک کتاب کر لیا۔

سُنی اور شیعہ مین اصل امر متنازع فیہ امامت ہے اور امامت سے مراد گروہ اہل اسلام کی پیشوائی
امور دینی مین ہے۔ اِس اختلاف کا اثر بین فریقین کے مسائل فقہ مین موجود ہے۔ شیعہ حجیت
اجماع کے منکر ہین یعنی اُنکا یہ قول ہے کہ اجماع سے ایسا امام یا خلیفۂ رسول نہین منتخب ہو سکتا
جو اُن حضرات کے برحق دعوائے خلافت کو باطل کر دے جنکو خود پیغمبر اپنا خلیفہ نامزد کر چکے تھے
مگر سنی مسئلہ خلافت مین بھی اجماع کو حجت قطعی سمجھتے ہین خواہ وہ اجماع کسی طور سے منعقد ہوا ہو
جب آنحضرت صلعم نے انتقال فرمایا اُس وقت اس مسئلہ پر صحابہ رض مین بحث ہونے لگی کیونکہ کسی شخص کو
خلیفہ رسول اور پیشوائے امت مقرر کرنا ضرور تھا۔ اُسوقت بنی ہاشم یعنی اقربائے پیغمبر نے حجت کی
کہ منصب خلافت کے حقدار علی ہین کہ خود پیغمبر صلعم اُنکو اپنا خلیفہ بیان کر چکے ہین۔ مگر دیگر قریش نے
جو ہمیشہ سے بنی ہاشم کے عدو چلے آتے تھے کہا کہ خلیفہ بذریعہ انتخاب مقرر کیا جائے۔ ادھر تو بنی ہاشم

آنحضرت صلعم کی تجہیز و تکفین مین مصروف تھے اُدھر قریش نے کو ووٹ سے یعنی غلبہ آرا سے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ مقرر کر لیا۔ تین سال خلافت کر کے حضرت ابوبکرؓ نے انتقال کیا اور انکے بعد حضرت عمر ابن الخطابؓ خلیفہ ہوے۔ اس جلیل الشان خلیفہ کے عہد خلافت مین مسلمانون نے شام اور مصر اور فارس کو فتح کیا۔ انکی وفات کے بعد حضرت علیؑ کو خلافت اس شرط سے دیگئی کہ خلیفہ اول اور خلیفہ ثانی نے جو اصول قائم کر دیے تھے انکے موافق حکومت کرین۔ حضرت علیؑ نے اس شرط پر خلافت نہین قبول کی اور فرمایا کہ جن مقدمات مین کوئی قانون یا کوئی فیصلہ پیغمبر صلعم کا نہوگا جسکی پابندی فرض ہو انکا فیصلہ مین اپنی راے سے کرونگا۔ حضرت علیؑ کا یہ فرمانا دوسرا امر متنازع فیہ درمیان سُنی اور شیعہ کے ہے۔ تب خلافت حضرت عثمان ابن عفانؓ کو دیگئی جنھون نے انتخاب کنندہ جماعت کی شرائط کو منظور کر لیا۔ مسائل شرعیہ مین جو اختلاف سُنی اور شیعہ مین ہے وہ اسی زمانہ سے ہوا ہے۔ خلیفہ ثالث کے اس بات پر راضی ہوجانے سے کہ خلیفہ اول اور خلیفہ ثانی کی پیروی جملہ امور مین بلا حجت و تکرار کرینگے خواہ اُن دونون صاحبون کے احکام مصالح وقت اور حوائج بشری کے مناسب و موافق ہون خواہ نہون اہل سنت کے مسائل کی ایک خاص صورت پیدا ہوگئی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ ان دونوں صاحبون نے اپنے اپنے عہد خلافت مین مسائل شرعیہ کی تشریح جو حضرت علیؑ نے فرمائی اُسی کا لحاظ رکھا اور ہمیشہ فصل خصومات اُن معانی کے موافق کیا جو حضرت علیؑ نے احادیث کی بیان کیے۔ مگر حضرت عثمانؓ نے دوسری روش اختیار کی۔ یہ خلیفہ نیک نیت مگر ضعیف العقل تھے۔ اور اپنے عزیز قریب اور سکریٹری مروان بن الحکم کے بالکل تابع تھے۔ تھوڑی مدت خلافت کر کے اُس سپاہ غدار کے ہاتھ سے قتل ہوے جسکے سردار محمد ابن ابی بکر تھے۔ انکی وفات کے بعد حضرت علیؑ خلیفہ منتخب ہوے۔ اُنکے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی فریق مخالف نے دو شدید بغاوتین کین۔ ایک بغاوت جسمین سرگروہ حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ تھین بلا دقت فرو ہوگئی۔ مگر دوسری بغاوت کامیاب ہوئی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی حین حیات اپنے عزیز قریب معاویہ ابن ابی سفیان کو حاکم

شام مقرر کیا تھا۔ اِس طرح شخص نے قتل عثمان رضؓ کو اپنے دنیاوی عظمت و ثروت کا ذریعہ قرار دیکر خلیفۂ وقت سے بغاوت کی اور یہی بغاوتؔ اسلام میں بڑی بڑی خرابیوں کا باعث ہوئی معاویہ نے کئی متواتر لڑائیوں میں شکست کھا کر پنچایت کا پیام بھیجا اور حضرت علیؓ نے اِس خیال سے کہ مسلمانوں کی اور زیادہ خونریزی نہو پنچایت قبول کرلی۔ اہل بیت پیغمبرؐ کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری اور معاویہ کی جانب سے عمرو ابن العاص حَکَم مقرر ہوئے۔ عمرو ابن العاص نے ابوموسیٰ اشعری سے کہا کہ اِن دونوں خلیفوں کو معزول کرکے ایک تیسرا خلیفہ منتخب کرلو تاکہ جو صدمۂ عظیم مسلمانوں کو اِن دونوں کے باہمی تنازعات سے پہونچا ہے وہ دفع ہوجائے۔ ابوموسیٰ نے اس راے کو منظور کرلیا اور جب اِن دونوں حَکَموں کی رای سننے کو لوگ جمع ہوے تو اُنسنے علانیہ کہدیا کہ علیؓ اور معاویہ دونوں معزول کیے گئے۔ اُسکے بعد عمرو ابن العاص نے کہا کہ علیؓ کو معزول کرنے میں اتفاق راے کرتا ہون مگر معاویہ کو خلافت پر قائم رکھتا ہون۔ اِس مکاری اور حیلہ جوئی اور بیحیائی سے اُن لوگون کو یاس ہوگئی جو سمجھے تھے کہ اس پنچایت سے اسلام میں زیادہ خونریزی نہونے پائیگی۔ اور عمرو ابن العاص کی اِس حرکت سے بنی فاطمہ منغص ہوکر اُٹھ کھڑے ہوے اور فریقین نے حلف کرلیا کہ قیامت تک ایک دوسرے کے عدوے جان رہینگے۔ اِسکے تھوڑے عرصہ کے بعد حضرت علی رضؓ اثناے نماز میں مسجد کوفہ میں شہید ہوے۔ اور اُنکے شہید ہونے سے معاویہ کو شام اور حجاز میں اپنی حکومت کو مستحکم کرلینے کا موقع ملا۔

جبتک اِس شخص نے مسند خلافت پر قدم نہین رکھا جسکو خلفاے راشدینؓ کے زہد و تقوی نے مقدس و متبرک بنادیا تھا اُسوقت تک فریقین نے کوئی خاص لقب نہین اختیار کیا۔ بلکہ حضرت علیؓ کے طرفدار صرف بنی ہاشم کے لقب سے مشہور تھے۔ مگر معاویہ کے عہد خلافت مین پیروان اہل بیتؑ کو شیعہ کہنے لگے اور جس فریق نے اصول انتخاب یعنی اجماع کو خلافت موروثی پر ترجیح دیکر قائم رکھا تھا اُسنے اپنا نام اہل السنت والجماعت رکھ لیا۔ بنی فاطمہ نے اپنی علامت عمامۂ سبز رکھا

لہ بغاوت معاویہ یعنی جنگ صفین کی تاریخ ۱۱ صفر سنہ ۳۷ ہجری مطابق ۲۸ جولائی سنہ ۶۵۷ع ہے ۱۲ منہ

جو رنگ انکے جد امجد کو مرغوب تھا اور بنی امیہ نے اپنا علم لشکر سفید رکھا ۔ اسوقت تک توان دونون
فریقون مین تنازعات خاندانی وملکی ہی تھی کہ اب انمین اختلافات مذہبی وشرعی ایسے عظیم شدید
پیدا ہوئے جو آجتک موجود ہین ۔ شیعہ صرف اجماع ہی کو امر خلافت مین حجت نہین جانتے بلکہ جتنی
احادیث حضرت علیؓ اور انکی اولاد امجاد سے منقول نہین ہین جنہون نے پیغمبر صلعم کو دیکھا تھا اور
انکے ساتھ معاشرت کی تھی انکو باطل سمجھتے ہین ۔ شیعون کا اعتقاد یہ ہے کہ اقوال نبیؐ یعنے
احادیث فی نفسہ احکام قرآنی کے تابع ہین اور احادیث کی پابندی انکی اسقدر فرض ہے جسقدر
وہ احکام قرآنی کے موافق ہین ۔ لہذا جو روایات نصوص قرآنی کے خلاف ہین وہ مصنوعی
سمجھی جاتی ہین ۔ اور طرح روایات چند اصول مسلمہ کے موافق کیا جاتا ہے جو قواعد منطقی اور
امور واقعی پر مبنی ہین ۔ ان قواعد نے معتزلہ مین ایک خاص صورت حاصل کر لی ہے اور معتزلہ
نے ان احادیث کو حدیث صحیح کے دائرہ سے خارج کر دیا ہے جو ان احکام نبیؐ کے منافی ومخالف
ہین جنکو حکما وفقہاے خاندان رسالتؐ نے بیان کیا ہے ۔ برخلاف اسکے سُنی کہتے ہین کہ ہمارے
اعتقادات مسلّم ومجموع احادیث پر مبنی ہین اور جن مسائل مین خلفاے راشدینؓ نے اتفاق رائے
کیا ہے یا جنمین اجماع امت قائم ہوگیا ہے انکو احکام قرآنی اور اوامر ونواہی ربانی کا متمم اور تقریباً
اُسی قدر معتبر ومستند سمجھتے ہین ۔ اہل سنت کے اعتقاد مین احکام شرع کے ماخذ یا اصول مین بلحاظ
حیثیت الترتیب بہت کم اختلاف ہے گو احکام شرع کی تاویل وتفسیر مین بہت اختلاف ہے
سُنیون کے فقہ کے ماخذ ومبانی یہ ہین ۔ (۱) قرآن مجید ۔ (۲) سنت یعنی وہ احادیث جو
پیغمبر خدا سے منقول ہین ۔ (۳) اجماع امت ۔ (۴) قیاس ۔ حدیث (جمع احادیث) مین (الف)
تمام اقوال وارشادات اور احکام زبانی پیغمبر صلعم کے (ب) انکے افعال واعمال (ج) انکا سکوت جو
ضمناً اسپر دال ہے کہ انھون نے اصحابؓ کے کسی خاص فعل کو پسند فرمایا ۔ داخل ہین ۔ جو قواعد
ان اصول سے مستنبط کیے گئے ہین باعتبار مدارج اعتبار و استناد کے انمین اختلاف عظیم ہے
اگر وہ احادیث متواترہ ہین یعنی خوب مشہور وشایع ہو گئی ہین تو قطعی العدد اور صحیح السند سمجھی جاتی ہین ۔

اگر احادیث اکثر لوگوں میں مشہور ہیں مگر تواتر کی حد تک نہیں پہنچی ہیں تو وہ احادیث مشہورہ
کہلاتی ہیں اور اُنکا درجہ احادیث متواترہ کے بعد ہے ۔ اور اخبار آحاد جو خاص خاص اشخاص سے
منقول ہیں بہت کم وقعت و اعتبار رکھتے ہیں ۔ پس ہر ایک حدیث جو پیغمبر خدا کے معاصرین و اصحاب سے
منقول ہے خواہ وہ آنحضرت سے قرابت رکھتے ہوں خواہ نہ رکھتے ہوں صحیح و موثق سمجھی جاتی ہے بشرطیکہ
چند قیاسی شرائط جو شہادت شخصی کو جانچنے کے لیے بنائے گئے ہیں پورے ہو جائیں ۔ (۳) اجماع
امت سے عموماً مسلمانوں کا اتفاق مراد ہے ۔ اس لفظ میں تمام احکام اور بیانات اور تفسیرات
اور فیصلجات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علی الخصوص خلفای راشدین رض کے جو انھوں نے مقدمات
دینی اور دیوانی و فوجداری میں فرمائے تھے داخل ہیں ۔ (۴) قیاس کے باب میں اہل سنت کے
چاروں فرقوں میں بڑا اختلاف ہے ۔ شیعہ کسی حدیث کو معتبر نہیں مانتے جو اہل بیت سے نہیں
منقول ہے اور اہل بیت سے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین [illegible] مقصود ہیں اور اُن تمام
فیصلجات کے جواز کے منکر ہیں جو اُنکے ائمہ ہدی نے نہیں کیے ہیں ۔ اسی باب میں بھی انھوں نے
سنیوں سے اختلاف عظیم کیا ہے ۔ قبل اسکے کہ اہل سنت کے فرقوں کا حال لکھا جائے کہ کیونکر
پیدا ہوئے اور کیونکر ترقی کی کچھ مختصر کیفیت اُن انقلابات کی بیان کرنا ضرور ہے جو حضرت علی کے
خاندان میں ہوئے کیونکہ پیروان اہل بیت کے اعتقادات اکثر اعتبارات سے اہل بیت نبی علیہم
کی دنیاوی حالت سے پیدا ہوئے ہیں ۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد اُنکے بڑے بیٹے حسن ابن
علی عراق کے خلیفہ کیے گئے ۔ وہ آرام طلب اور خاموشی پسند تھے اور مسلمانوں کے مختلف
فرقوں کے خاندانی فسادات اور مذہبی عداوتوں کو دیکھکر اُنکا دل خلافت سے سیر ہو گیا تھا
پس اس منصب رفیع کو جلد ترک کرکے اُنھوں نے گوشہ نشینی اختیار کی ۔ مگر اُس زاویہ نشینی اور
عزلت گزینی کے عالم میں بھی بنی امیہ کی عداوت نے اُس جناب کو چین نہ لینے دیا اور یزید ابن
معاویہ کی تحریک سے حضرت امام حسن کو زہر دیکر شہید کیا ۔ اُس شقی (یزید) نے جسکو خاندان امیہ کا ڈامیشن[1]

[1] یہ ایک بت پرست قیصر روم تھا جسکا ظلم و جور اور فسق و فجور تاریخ میں ضرب المثل ہے ۔ ۱۲ مترجم

کہنا بجا ہے حضرت امام حسینؑ کو بلطائف الحیل بلا کر اپنے قابو مین کر لیا اور مع اہل بیت و اصحاب
میدانِ کربلا مین شہید کیا - اہل بیتؑ مین سے صرف ایک نوجوان بیمار اس قتل عام سے بچا -
اُن بزرگوار کا نام علی ابن الحسینؑ ہے اور صبر و شکیبائی اور زہد و تقوے کی وجہ سے انکا لقب
زین العابدین ہوگیا - اُنکے والد ماجد حسینؑ ابن علیؑ تھے اور مادر گرامی شہربانویہ بنتِ یزدجرد
پادشاہ عجم تھین جو آخری پادشاہ خاندان ساسانی سے تھا - اِنھین بزرگوار سے نسل پیغمبرؐ قائم رہی
اور ہمیشہ قائم رہیگی - اور ماں کی جانب سے یہ پادشاہان ساسانی کے حقدار اور سلطنت ایران کے
دعویدار تھے ـــــ اس زمانہ سے بنی امیہ نے ظلم شدید اولاد پیغمبرؐ پر کرنا شروع کیا اور اولاد
ابو سفیان کے حسد اور عداوت قلبی سے انکو کہین مفر نہ ملتا تھا - عمر ابن عبد العزیز کی خلافت مین
جو ساتوان خلیفہ بنی امیہ کا تھا بنی فاطمہؑ پر ظلم و ستم مین کچھ تخفیف ہوئی مگر اُسکے مرنے کے ساتھ پھر
وہی بیداد اُنپر ہونے لگی - ۱۳۲ھ مطابق ۷۴۹ء ہجری مین ابو العباس سفّاح نے بنی امیہ کو غارت
کر کے بنی عباس کی خلافت قائم کی ـــ بنی فاطمہؑ کا احترام لوگ اسقدر کرتے تھے اور اُنسے ایسی
محبت رکھتے تھے کہ بنی عباس کو ناگوار گذرتا تھا اور اس حیلہ سے وہ بنی فاطمہؑ کو ستائے رکھتے تھے اور انواع
واقسام کے ظلم اُنپر کرتے تھے - چنانچہ عبد اللہ المامون کے عہد خلافت تک یہی سلسلہ ظلم و جور کا
اولاد پیغمبرؐ پر جاری رہا - یہ خلیفہ خاندان عباسیہ مین گُل سر سبد تھا اور جب یہ تخت خلافت پر
متمکن ہوا تو اِسنے چاہا کہ بنی فاطمہؑ کو مسند خلافت پر بٹھائے - لہذا اسنے حضرت امام علیؑ ابن
موسی الرضا کو جو بنی فاطمہؑ مین آٹھوین امام تھے اپنا جانشین نامزد کیا اور اپنی بہن امّ الفضل کو
اُنکے حبالۂ عقد مین دیا - اِس خلیفہ نے سیاہ رنگ کو جو عباسیہ کا تمغہ تھا ترک کر کے سبز رنگ اختیار
کیا جو بنی فاطمہؑ کی علامت تھی ـــ مامون الرشید نے معتزلہ کے اعتقادات اختیار کیے کہ معقول پسند
فرقہ مسلمانون مین یہی ہے اور اُنکے اعتقادات کو تمام ممالک محروسہ مین جاری کرنا چاہا مگر رعایا کی
تعصب و نفسانیت سے اُسکا کچھ بس نہ چلا - امام علی ابن موسی الرضاؑ کو عباسیہ نے طیش
مین آکر زہر دیدیا اور سبز رنگ کو ترک کر کے پھر سیاہ رنگ اختیار کیا جو بنی عباس کی علامت تھی

المامون

مامون نے جو رعایت بنی فاطمہ سے کی تھی وہی سلوک اسکے بعد دو خلیفون نے یعنے معتصم باللہ اور واثق باللہ
نے اُنکے ساتھ کیا۔ مگر متوکّل علی اللہ کے خلیفہ ہونے کے ساتھ ہی بنی فاطمہ پر پھر ظلم شدید ہونے لگا اور
اُسکے تمام عہد خلافت مین پندرہ برس تک ظلم وجور اور فسق و فجور کا بازار گرم رہا۔ متوکل کے بعد
اُسکا بیٹا مستنصر باللہ خلیفہ ہوا جسنے بمجرد خلیفہ ہونے کے حضرت علیؑ اور حضرت امام حسینؑ کی قبر منور کو
جسے اُسکے باپ متوکل نے کھدوا ڈالا تھا دوبارہ تعمیر کرایا اور اُن مشاہد مقدسہ کے اعظام و احترام کو
دوبارہ قائم کیا۔ اِس خلیفہ کی عقل و دانش کا تتبع اِسکے بعد کے خلفا نے فی الجملہ کیا اور شیعون کے
کسیقدر رعایت کی۔ ۳۳۴ ہجری (۹۴۵ع) مین معزالدولہ دیلمی جو خاندان بُویہ سے تھا دارالخلافت
بغداد مین کوتوال مقرر ہوا وہ بڑا شیعہ غالی اور دوستدار بنی فاطمہؑ کا تھا اور اُسنے چاہا کہ مطیع اللہ
خلیفہ عباسی کو معزول کرکے کسی شخص کو اولاد علیؑ مین سے مسند خلافت پر بٹھلاے۔ مگر مصالح وقت کو
دیکھکر اِس ارادہ سے باز رہا۔ معزالدولہ نے یوم عاشورا بھی مقرر کیا یعنی وہ روز ماتم جس مین حضرت
امام حسینؑ مع اہل بیت و انصار میدان کربلا مین شہید ہوئے تھے۔ ۶۴۵ ہجری (۱۲۴۷ع)
مین بعہد خلافت معتصم باللہ شیعون پر پھر ظلم شدید شروع ہوا جسکے نتائج اسلامی تہذیب و شائستگی
کے حق مین سمّ قاتل ہوے اور مغربی ایشیا کے لوگ سب کے سب تباہ و برباد ہوگئے۔ اِس ضعیف العقل
خلیفہ نے اُن خوارج اور دشمنان اہل بیتؑ کے منافقانہ مشورہ پر عمل کرکے جو اُسکے دربار مین
حاضر رہتے تھے سب کے سب شیعہ مردون کے قتل عام کا حکم دیدیا۔ ایک ہولناک منشور سلطانی کے
ذریعہ سے جسکا مثل و نظیر مذہبی ظلم و تعدی کی تاریخ مین کہین نہین ہے اُسنے اہل حق کو اجازت دیدی
کہ شیعون کے مال و اسباب کو لوٹ لو اور اُنکے مکانات کو منہدم کرو اور اُنکی کھیتون کو غارت کردو
اور اُنکی عورتون اور بچون کو لونڈی اور غلام بنا ڈالو۔ معتصم کی اِس شقاوت کا انتقام چنگیز خان کے
پوتے ہلاکو قاآن نے لیا جو فوج کثیر لیکر بغداد پر چڑھ آیا اور تین روز تک اُس کمبخت شہر کو تاخت
و تاراج کیا۔ تیسرے دن یہ سینتیسوان خلیفہ خاندان عباسیہ سے بڑی ذلت و خواری سے
قتل کیا گیا اور خاندان عباسیہ کا کام تمام ہوا۔ چونکہ شیعون پر وقتاً فوقتاً ظلم و جور ہوتا رہا

اور انکے امام آخر الزمان بقدرت خدا سے غائب ہوگئے لہذا انکو یہ اعتقاد پیدا ہوا کہ اگرچہ امام زمان غائب ہین مگر ابتک زندہ ہین اور جلد ظہور فرما کر مظلومون کا انتقام ظالمون سے لینگے اور اہل حق اہل باطل پر غالب آئینگے۔ کچھ اس اعتقاد کی وجہ سے اور کچھ اس سبب سے کہ شیعون پر ہمیشہ اور ہر زمانہ مین تنگی اور سختی ہوئی ہے شیعون نے دنیاوی حکومت کو دینی حکومت سے بالکل علیحدہ کرلیا ہے اور شیعون کے ملک مین امور دین کا انتظام ملکی انتظامات سے بالکل جداگانہ ہے۔ اگرچہ شیعہ بادشاہ مجتہدین کے قول کو مانتا ہے مگر انکو مجتہد سمجھکر انکے حکم کو نہین مانتا بلکہ یہ جانکر تسلیم کرتا ہے کہ یہ نائب امام زمان ہین اسلیے انکی رائے کو دنیاوی معاملات مین مان لینا لازم ہے۔ جبتک سلاطین صفویہ نے مذہب شیعہ کو فروغ دیکر فارس مین علی العموم نہین جاری کردیا اُسوقت تک یہ مذہب ایک ظلم رسیدہ ستم دیدہ اور مقہور و مغلوب فرقہ کا دین رہا۔ اس حکومت دینی اور حکومت دنیوی کے علیحدہ علیحدہ ہوجانے کا نتیجہ مسئلۂ مال لاوارث سے خوب ظاہر ہے۔ شیعون کے نزدیک لاوارث کا مال بیت المال مین نہین جاسکتا۔ بیت المال [illegible] سے شیعہ بیزار ہین۔ جب کوئی شخص لاوارث مرجائے یعنے کوئی اُسکا وارث [illegible] اُسکا مال امام زمان کو ملیگا اور غیبت امام مین نائب امام یعنی مجتہد کو ملیگا۔ جو اُسکو اُس شہر کے غربا و مساکین پر تقسیم کردیگا جس شہر کا باشندہ وہ شخص تھا جو لاوارث اور بلا وصیت مرگیا ہے۔

شیعون کے کئی فرقے ہین۔ مثلاً اثناعشریہ یا امامیہ جو بارہ اماموں کو مانتے ہین۔ اسمعیلیہ یعنی پیروان اسمعیل ابن جعفر صادق امام ششم۔ زیدیہ یعنی پیروان زید شہید ابن علی ابن الحسین۔ باطنیہ وغیرہ۔ ان فرقون کے اعتقادات مین اختلاف ہے مسائل شرعی مین چندان اختلاف نہین ہے۔ فرقہ معتزلہ جسکو شہرستانی و دیگر مورخین نے ایک شعبہ فرقہ

لہ جامع الشتات کتاب الحوالت ملاحظہ ہو ۱۲ منہ سلہ سادات علوی اور سادات فاطمی کے مختلف شعبے بلقب امیر یا امام یا شریف یا خلیفہ مختلف ممالک اسلامیہ مین حکمران و فرمانروا رہے ہین۔ مثلاً مکہ معظمہ مین بنی زید وغیرہ

شیعہ کا قرار دیا ہے اپنی اصل ماخذ سے اہم مسائل مین اختلاف رکھتا ہے ۔ اس معقول پسند فرقہ کا پیدا ہونا تاریخ اسلام مین ایک نہایت دلچسپ واقعہ ہے ۔ یہ فرقہ اسطرح سے پیدا ہوا کہ واصل ابن عطا نے جو امام اعظم ابو حنیفہ کا ہمعصر تھا حسن بصری کے مسلک سے روگردانی کر کے ایک نیا طریقہ اختیار کیا ۔ حسن بصری خلاصۂ اہل بیتؑ کا تعلیم یافتہ اور تربیت کردہ تھا اور اُسکے آزادانہ خیالات سے اُس زمانہ کے تنگ و تاریک خیالات کو کچھ نسبت نہ تھی ۔ واصل ابن عطا بھی اُسی سرچشمۂ علم و فضل (یعنی اہل بیتؑ) سے سیراب ہوا تھا مگر اُسنے جبر و اختیار کے مسئلہ مین حسن بصری سے اختلاف کر کے اپنا ایک نیا فرقہ قائم کر لیا ۔ اُسکے پیروان خاص نے بایں وجہ کہ اُنکا مسلک مذہب عامۂ خلائق کے خلاف تھا اپنا نام معتزلہ یا اہل الاعتزال رکھ لیا جسکا ترجمہ انگریزی مین لفظ پراٹسٹنٹ سے ہو سکتا ہے ۔ واصل ابن عطا نے جلد ان اصول کو شائع کیا جنمین اُسنے دیگر فرق اسلامیہ سے اختلاف کیا تھا ۔ اُسکی درشت مزاجی اکثر اسکا باعث ہوئی کہ اُس زمانہ مین جو لوگون کی عقل پر ظلم ہو رہا تھا اُسکے دفع کرنے مین اُسنے جادہ اعتدال سے باہر قدم رکھا ۔ مگر اُسکا فلسفہ اور اُسکی فقہ چونکہ ہر قسم کے فلسفہ اور فقہ سے زیادہ تر موافق عقل سلیم تھی لہذا ذکیا اور اہل علم کا مجمع اُسکی طرف ہو گیا ۔ علامۂ زمخشری صاحب تفسیر کشاف ۔ امام ابو الحسن علی المسعودی جنکو ابن خلکان نے امام اور مورخ اور علامہ لکھا ہے ۔ اور روضۃ الصفا اور حبیب السیر کے مصنف ۔ یہ سب علما معتزلی ہین ۔ اسمین کچھ شک نہین ہے کہ معتدل الآرا معتزلہ کے اعتقادات حضرت علیؑ اور اہل بیت کے اعتقادات ہین کیونکہ بنی فاطمہ کا طریق

موسی و بنی قتادہ ۔ اور شمالی یمن مین بنی طباطبا ۔ اور جنوبی یمن مین بنی زیاد ۔ اور مراکش مین بنی ادریس اور مصر اور شمالی افریقہ مین بنی فاطمہ ۔ شیعون کے خلفای راشدین یعنی ائمہ اثنا عشر حسب ترتیب ذیل ہین ۔ (۱) علی ابن ابی طالب (امیر المومنین ۔ سنہ ۳۵ھ لغایۃ ۴۰ع) (۲) حسن ابن علی (المجتبی ۔ سنہ ۴۰ھ لغایۃ ۴۹ع) (۳) حسین ابن علی (الشہید بکربلا سنہ ۴۹ھ لغایۃ ۶۱ع) (۴) علی ابن الحسین ۔ (زین العابدین سنہ ۶۱ھ لغایۃ ۹۵ع) (۵) محمد ابن علی (الباقر سنہ ۹۵ھ لغایۃ ۱۱۴ع) (۶) جعفر ابن محمد (الصادق سنہ ۱۱۴ لغایۃ ۱۴۸ع) (۷) موسی ابن جعفر ۔ (الکاظم سنہ ۱۴۸ھ لغایۃ ۱۸۳ع) (۸) علی ابن موسی (الرضا سنہ ۱۸۳ھ لغایۃ ۲۰۳ع) (۹) محمد ابن علی (التقی سنہ ۲۰۳ھ لغایۃ ۲۲۰ع) (۱۰) علی ابن محمد (النقی سنہ ۲۲۰ھ لغایۃ ۲۵۴ع) (۱۱) حسن

مشابہت تامہ اُس مسلک سے رکھتا ہے جسکا بانی واصل ابن عطا ہوا اور جسکی اصلاح علامہ زمخشری
کی ۔ یہ بات مشہور ہے کہ سر آمد علماء معتزلہ یا خود بنی فاطمہ تھے یا بنی فاطمہ کے تعلیم یافتہ تھے[54]
معتزلہ کا قول یہ ہے کہ عدل انسان کے افعال کا محرک قوی ہے اور عدل اُسکا نام ہے کہ جن
باتون کا حکم عقل کرتی ہے اُنکو عمل مین لانا ۔ وہ یہ بھی کہتے ہین کہ انسان کے افعال کے باب مین
کوئی قانون ازلی اور غیر متغیر نہین ہے ۔ اور احکام ربانی جو انسان کے کردار سے متعلق ہین شخصی
یا مجموعی کمال نفسانی کا نتیجہ ہے اور اوامر و نواہی جو انسان پر صادر ہوے ہین اور وعدہ و
وعید جو انسان سے کیا گیا ہے ہمیشہ انسان کی ترقی کے موافق کیا گیا ہے اور قانون شرع ہمیشہ
کمال نفسانی کا ہمپلہ و ہمعنان رہا ہے[55] ۔ اہل الاعتزال کے اعتقادات کو مامون الرشید نے
بھی قبول کر لیا اور اُسکے بعد دو خلیفون نے فلسفۂ معتزلہ کو تمام ممالک اسلامیہ مین جاری کرنے کی
کوشش کی مگر اسلام کی بدنصیبی سے ان خلفائے عباسیہ کی کوشش بھی دین رائج کے مقابل مین
کارگر نہوئی اور متوکل علی اللہ کے عہد خلافت مین دین اسلاف نے ایسا غلبہ پکڑ لیا [illegible]
زوال و فناے خلافت کا باعث ہوا ۔

ہندوستان کے شیعہ اکثر اثنا عشریہ یا امامیہ ہین ۔ بمبئی مین خوجے اسمٰعیلیہ ہین مگر اُنکی
تعداد ایسی قلیل ہے کہ اُنکے مسائل کی تحقیق کرنا کچھ ضرور نہین ہے خصوصاً جب یہ دیکھا جاتا ہے
کہ مسائل شرعیہ مین وہ عموماً اثنا عشریہ سے متفق الرای ہین ۔ پھر اثنا عشریہ کے دو شعبے ہین
اصولی اور اخباری ۔ اصولی وہ ہین جو اجتہاد کے قائل ہین یعنے چند اصول تاویل کو [illegible]
جنکو مجتہدین نے مقرر کر دیا ہے ۔ اخباری وہ ہین جو مجتہدین کی تقلید نہین کرتے الا [illegible]

العسکری ۲۳۲ھ تا ۲۶۰ھ [illegible]) ۔ (۱۲) محمد ابن الحسن الحجۃ القائم المنتظر المہدی [illegible] ۔ ۱۲ [illegible]

۵۱ پہلا خطبہ نہج البلاغت کا باب خیر و اختیار بحار الانوار اور دیگر کتب احادیث شیعہ مین ملاحظہ
ہون ۱۲ منہ [56] شہرستانی کے ملل النحل صفحہ ۳۰ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ ۔ ۵۳ شہرستانی کے ملل النحل
اور تاریخ ابن خلدون ملاحظہ ہو ۱۲ منہ ۔

فتوے موافق عقل وقیاس ہو— اخباری[1] ہر ایک مسئلہ شرعی مین قیاس کے قائل ہین اور اِس اعتبار سے اہل سنت سے متفق ہین جیسا آیندہ عرض کیا جائیگا اور احکام شرعیہ کے استخراج واستنباط مین معتزلہ سے مشابہت تامہ رکھتے ہین —

شیعون کی فقہ ازروی تواریخ فقہ حنفی پر تقدم زمانی رکھتی ہے جیسا مابعد مین ثابت کیا گیا۔ اِسواسطے کہ سب سے پہلے فرقہ اہل سنت کے بانی امام اعظم ابوحنیفہ نعمان ابن ثابت رضہ ہوے (۶۹۹ع - ۷۶۷ع) یہ فقیہ جلیل سنہ ہجری مین بعہد خلافت عبدالملک ابن مروان پیدا ہوے تھے اور شیعون کی فقہ مین تعلیم پائی تھی یعنے حضرت امام جعفر صادق سے فقہ مسائل کی تعلیم (جو مشہور ترین علماے اہل بیت اور اثنا عشریہ کے چھٹے امام ہین) اور ابو عبداللہ ابن المبارک اور حماد ابن سلیمان سے علم حدیث سیکھا تھا— چنانچہ امام اعظم (ابوحنیفہ) اکثر شیعون کے امام (جعفر صادق ع) کے اقوال بکثرت نقل کرتے ہین— جب امام ابوحنیفہ نے اپنے وطن اصلی کوفہ مین مراجعت کی تو بعد ازان دوستدار اہل بیت اور طرفدار اولاد علی کے رہے مگر شیعون کی فقہ سے بالکل عدول کر کے ایک نئی فقہ اپنی بنائی اور اکثر اہم مسائل مین شیعون سے اختلاف کیا۔ تاہم اُنکے مسلک (مسلک حنفی) اور شیعون کے اقوال مین ایسی مشابہت تامہ ہے کہ اسمین مطلق شک وشبہہ کی گنجایش نہین ہے کہ اُنکے طریق کا ماخذ کیا تھا۔ استخراج مسائل شرعیہ مین قیاس کو اُنھون نے اسقدر دخل دیا ہے کہ اُنکے اقوال مین علماے اہل بیت کے احکام کا عکس معلوم ہوتا ہے—

امام ابوحنیفہ کے اقوال کو اچھی طرح سمجھنے سے شیعون کے مسائل بخوبی سمجھ مین آسکتے ہین امام اعظم نے سنہ ۱۵۰ ہجری مین وفات کی— جس مسلک کے وہ بانی ہوے اُسکو حنفی کہتے ہین— اور یہی مسلک اکثر مسلمانان ہند اور افاغنہ اور ترکمان اور تقریباً کل وسط ایشیا کے مسلمانون مین

---

[1] شاید یہ قول جناب مصنف کا صحیح نہین ہے کیونکہ اخباری قیاس کی بالکل منکر ہین البتہ اصولی اُسکے کچھ قائل ہین اور اگر مشابہت ہے تو اصولی اور حنفی مین ہے نہ یہ کہ اخباری اور حنفی مین ہو ۱۲ مترجم ۔

بلکہ ترکوں اور مصریوں میں بھی جاری ہے۔ بہ نسبت اور فرقوں کے احناف یعنی حنفی مذہب لوگ بکثرت ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے اقوال کی توضیح انکے دو شاگردوں امام ابویوسف اور امام محمد نے کی جو بعض اہل سنت کے نزدیک اپنے اُستاد سے زیادہ ذہین و ذکی تھے۔ جب یہ دونوں صاحب امام اعظم کے قول سے اختلاف کرتے ہیں تو انکی فتوے کو انکے استاد کے فتوے پر ترجیح دیجاتی ہے۔ یہ عجب بات ہے کہ اکثر مسائل میں جو انتقال ملکیت سے متعلق ہیں خواہ انتقال بالوصیت ہو خواہ دوسری قسم کا انتقال ہو امام ابویوسف کا قول دیگر شاگردان امام اعظم کے اقوال سے بلکہ کبھی کبھی خود امام اعظم کے قول سے زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح سے مسائل میراث میں امام محمد کا قول اوروں کے اقوال سے زیادہ مستند سمجھا جاتا ہے۔

دوسرے فرقہ اہل سنت کے بانی ابوعبداللہ مالک ابن انس ہوئے جنکا مسلک افریقیہ شمالی میں علی الخصوص مراکش اور الجیریا میں جاری ہے۔ اُنھوں نے ۱۷۹ھ ہجری میں بعہد ہارون الرشید وفات کی۔ تیسرے فرقہ اہل سنت کے بانی ابوعبداللہ محمد ابن ادریس الشافعی ہوئے وہ شہر غازہ واقع ملک شام میں اُسی سال پیدا ہوئے جس سال امام اعظم ابوحنیفہ نے انتقال کیا۔ اور ۲۰۴ھ ہجری (۸۱۹ء) میں بعہد مامون الرشید مصر میں وفات کی۔ وہ شیعوں کے امام ہشتم علی ابن موسیٰ الرضا کے ہمعصر تھے اور انکا مسلک افریقیہ شمالی میں اور بعض بلاد مصر میں اور عرب کے بلاد جنوبی میں اور جزیرہ نمائے ملایا میں اور جزیرہ سیلان یعنی سرندیپ میں جاری ہے احاطہ بمبئی کی بوروں میں بھی اُنکے مقلد موجود ہیں۔ چوتھے فرقہ اہل سنت کے بانی ابوعبداللہ احمد ابن حنبل الشیبانی ہوئے۔ انکا مسلک مامون الرشید اور معتصم باللہ کے عہد خلافت میں خوب چمکا۔ یہ دونوں خلیفہ معتزلی تھے۔ امام احمد ابن حنبل کے تعصب مذہبی نے اور انکی اس کوشش نے کہ عوام کالانعام کی آتش تعصب کو افروختہ کرکے

---

[۱] بہت بڑا تبرک جو امام مالک نے اپنے پیروان خاص کے لیے چھوڑا ہے وہ کتاب احادیث موطا ہے جو صحاح ستہ میں داخل ہے ۱۲ منہ۔

خلیفۂ وقت سے باغی کردین حاکم وقت کو اُنکے خلاف کردیا — اُنھون نے سنہ ۲۴۱ہجری مین انتقال کیا
اور بہت مقدس اور متبرک عالم مشہور ہوے — ماموں الرشید نے جو معتزلہ کے اعتقادات کو تمام
ممالک محروسہ مین جاری کرنے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہوا تو اِس ناکامی کے مواخذہ دار احمد
ابن حنبل رہے اور اُنکا مسلک رہا جسکی بنا ر تقلید اسلاف پر ہے اور اُس ظلم و تعدی مذہبی کے
ذمہ دار بھی وہی ہین جس سے ہزارہا مسلمانون کی خونریزی ہوئی —

پس اہل سنت مین بانیان مذاہب اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی
اور امام احمد ابن حنبل ہین — اصول عقائد و اعتقادات تو ان سب کے ایک ہین مگر قیاس کی حجت
شرعی ہونے کے باب مین اور قرآن مجید کی تفسیر مین اِن سب مین اختلاف ہے —

امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد ابن حنبل قیاس کو مسائل شرعیہ کے استخراج مین
بالکل دخل نہین دیتے بلکہ بالکل سنت کے تابع ہین — وہ نتائج قیاسی کے جواز کے قائل نہین ہین
اور نہ احکام شرع کے معنی ایسے لگاتے ہین کہ حکم شرع ہر ایک مقدمہ خاص کے حالات
مخصوصہ کے مناسب و موافق ہو جائے — اسی وجہ سے اُنکے مقلدین کو اہل الحدیث[۱] کہتے ہین
خود پیغمبر خدا نے قیاس پر عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اُنکی اولاد امجاد نے قیاس کی سخت
پابندی کی ہے اسی وجہ سے اہل بیت (بنی فاطمہ) کے احکام مین ایک آزادی اور تازگی پیدا
ہوگئی تھی جسکا اثر نیک امام ابوحنیفہ کے نفس پر ہوا — امام ابوحنیفہ رح اور اُنکے شاگردون نے
جو قیاس پر عمل کرنیکی تاکید فرمائی ہے وہ فتاوائے عالمگیری[۲] کی چند عبارتون سے ظاہر ہے —
امام ابوحنیفہ کے اتباع اہل الرائے والقیاس کہلاتے ہین —

مقدمہ

جو اصلاحین شارع اسلام نے فرمائین اُنسے ترقی نمایان عورتون کی حالت مین ہوئی —
عرب مین بھی اور اُن ہیود مین بھی جو جزیرہ نماے عرب مین سکونت پذیر تھے عورتون کی حالت بہت

[۱] شہرستانی کے ملل النحل و تاریخ ابن خلدون ملاحظہ ہو — ۱۲ منہ [۲] فتاوائے عالمگیری جلد ۳ — صفحہ ۳۶۳

ابتر تھی۔ عبرانی زن باکرہ اپنے باپ کے گھر مین کنیز کی حالت مین رہتی تھی اور اگر وہ نابالغ ہوتی تھی
تو اُسکے باپ کو اُسکے بیچ ڈالنے کا اختیار تھا۔ اُسکا باپ اور باپ کی وفات کی بعد اسکا بھائی جو چاہتا تھا
اُسکے ساتھ سلوک کرتا تھا۔ بجز کسی نہایت خاص صورت کے بیٹی بالکل محجوب الارث تھی۔
مشرکین عرب مین عورت صرف ایک جائداد منقولہ سمجھی جاتی تھی اور اپنے باپ یا شوہر کی ترکہ کا
ایک جزو اعظم تصور کیجاتی تھی۔ اور ہر شخص کی بیبیان مثل اور ترکہ کے اسکی بیٹی یا بیٹون کو بطور
ترکہ پدری کے ملتی تھین۔ اسی وجہ سے سوتیلی ماؤن کی شادی اکثر سوتیلے بیٹون کے ساتھ ہو جاتی
تھی۔ اور جب یہ رسم قبیح اسلام مین حرام کر دیا گیا تو اسکا نام لوگون نے نکاح المقت رکھا لیا یعنی
بیحیائی کا نکاح۔ زمانہ جاہلیت مین یعنی قبل شیوع اسلام عرب کی عورتون سے اسقدر نفرت
تھی کہ لڑکیون کو زندہ دفن کر دیتے تھے یہ ہولناک رسم قبیلہ قریش اور قبیلہ کندہ مین جاری تھا
اور اسکی بڑی سخت مذمت قرآن مجید[1] مین کی ہے اور یہ حرام کر دیا گیا اور اسکے واسطے سخت سزائین
مقرر کی گئین۔ اور اسکے ساتھی یہ رسم قبیح بھی حرام کر دیا گیا کہ عرب مثل اور قدیم قومون کے
بچون کی قربانیان اپنے معبودون پر چڑھاتے تھے۔

شرع محمدی کے بموجب عورت کی حیثیت انگلستان کی عورتون کی حالت سے بہتر درجہ ہے
جبتک وہ ناکتخدا رہتی ہے اپنے ماں باپ کے گھر مین رہتی ہے اور جبتک نابالغ رہتی ہے کسیقدر
اپنے باپ کے یا اُسکے قائم مقام کے اختیار مین رہتی ہے۔ جونہین وہ بالغ ہو جاتی ہے
تمام حقوق شرعی اسکو حاصل ہو جاتے ہین جو بالغ اور رشید انسان کیلئے چاہئیین۔ وہ اپنے
[illegible] عبارت ذیل محیط سے نقل کی ہے "اگر اصحاب رسول صلعم کا متفق علیہ قول ہم تک پہنچے مگر اُسکے
تابعین کو اتفاق رائے ہو تو قاضی کو ان اصول پر چلنا چاہیئے جنکی پابندی تابعین اصحاب نے کی ہے
لیکن اگر تابعین مین بھی اختلاف ہو تو قاضی کو چاہیئے کہ اُنکے دلائل کو جانچ کر جو قول راجح اُسکے
نزدیک ہو اُسکو اختیار کرے" اسی قسم کی اور عبارتین بھی اس کتاب مین موجود ہین جنسے
مذہب حنفی کے اعتقادات بخوبی واضح و لائح مین ۱۲ منہ مسئلہ تو ریث سفر العدد ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

[1] وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۱۲ قرآن مجید

بھائیون کے ساتھ مان باپ کے ترکہ مین حصہ پاتی ہے اور اگرچہ بیٹے اور بیٹی کے حصہ مین فرق ہے مگر یہ فرق بھائی اور بہن کے حالات کا منصفانہ لحاظ کرکے رکھا گیا ہے۔ شادی کے بعد بھی اُسکے تشخص مین کچھ فرق نہین آتا۔ اور وہ ایک جداگانہ ممبر یعنی شریک سوسائٹی کی باقی رہتی ہے اور اسکا وجود اُسکے شوہر کے وجود کے ساتھ آمیختہ نہین ہوجاتا (جیسا انگریزون کا مقولہ ہے) اُسکا مال اُسکے شوہر کا مال نہین ہوجاتا بلکہ اُسکا مال اُسی کا رہتا ہے اور وہ ایک ذاتی حق اپنی ملکیت مین رکھتی ہے۔ وہ اپنے قرضدارون پر علانیہ عدالت مین نالش کرسکتی ہے اور کسی ولی کو شریک کرنے یا اپنے شوہر کے نام سے نالش کرنے کی ضرورت نہین رکھتی۔ جب وہ اپنے باپ کے گھر سے اپنے شوہر کے مکان مین جاسکتی ہے تب بھی اُسکو سب حقوقِ شرعی وہی حاصل رہتے ہین جو مردون کو حاصل ہین۔ تمام مواجب و حقوق جو ایک عورت اور زوجہ کو حاصل ہونی چاہئین اُسکو صرف مروت و اخلاق کے رو سے نہین حاصل ہین جسکا کچھ اعتبار نہین ہے بلکہ نص قرآنی کے بموجب حاصل ہین۔ وہ اپنی جائداد کو بلا اجازت شوہر منتقل کرسکتی ہے اور وصیت کرسکتی ہے۔ وہ اورون کی جائداد کی منتظمہ اور وصیہ مقرر ہوسکتی ہے اور اوقاف کی متولیہ بھی مقرر ہوسکتی ہے۔

مسلمانون مین نکاح ایک معاہدہ ہے جسمین کسی مُلا کے ہونے یا کسی رسم مذہبی کے بجالانے کی ضرورت نہین ہے مگر معاہدۂ نکاح سے مرد کو عورت کی ذات پر اُس سے زیادہ اختیار نہین حاصل ہوجاتا جتنا شرع مین لکھا ہے اور اُسکے مال و اسباب پر تو مطلق اختیار نہین حاصل ہوتا۔ زوجہ مسلمہ اپنے شوہر کے گھر مین اُن سب حقوق پر قابض رہتی ہے جو شارع نے اُسکو بطور ایک ذمہ دار ممبر یعنی شریک سوسائٹی کے عطا فرمائے ہین۔ اُسپر جداگانہ اور بلا شرکت غیر نالش ہوسکتی ہے۔ وہ بلا واسطۂ امین یا ولی جائداد لے سکتی ہے اور ایک خاص حق اپنے شوہر کی جائداد مین رکھتی ہے جو قبل وقوع نکاح طے ہوجاتا ہے۔ اُسکے حقوق مادری کا تسلیم ہونا خاص خاص ججون یا قاضیون کی نازک مزاجی پر موقوف نہین ہے

وہ اپنے شوہر سے معاہدہ کرکے درصورت خلاف ورزی معاہدہ اُسپر نالش کرسکتی ہے — جو کچھ وہ اپنی ذاتی محنت و مشقت سے کماتی ہے اُسکو اُسکا فضول خرچ شوہر اُڑا نہین ڈال سکتا اور نہ کوئی بیرحم و سنگدل شوہر بلا خوف سزا اپنی زوجہ کو زدوکوب کرسکتا ہے — چنانچہ ایک مورخ حال کا قول ہے کہ "البتہ ممکن ہے کہ ایشیا مین بھی امریکا کی طرح پوشیدہ ظلم ہوتا ہو مگر مسلمان شوہر کو اپنی زوجہ پر زیادتی کرنے کا حکم شرع محمدی مین کہین نہین لکھا ہے — اگر وہ گناہ کرتا ہے تو اُسکو گناہ سمجھکر کرتا ہے اور اپنے دل مین عذاب آخرت سے ڈرتا رہتا ہے - جب کوئی شخص اپنے اہل حرم پر کوئی ظلم کرتا ہے گو وہ ظلم کیسا ہی خفیف ہو تو وہ خوب جانتا ہے کہ مظلومہ کا انتقام لینے کے لیے قاضی صاحب موجود ہین[۱]" یہی مورخ صاحب پھر فرماتے ہین کہ "ہمارے عام قانون کے بموجب زوجہ شوہر کے اختیار مین بالکل آجاتی ہے یہانتک کہ جو عورت شادی کے وقت گرجا مین نوجوان اور حسین اور متمول آئی تھی وہ عورت اپنے شوہر کی جور و جفا سے جسکی مکافات قانوناً کچھ نہین ہوسکتی چند سال کے بعد گرجا سے ذلیل و خوار نحیف و نزار اور مفلس ہوکر نکلتی ہے[۱]" کل تاریخ دین اسلام کی قیامت تک اُن لوگونکی تکذیب کو موجود ہے جو کہتے ہین کہ شرع محمدی مین عورتون پر نہایت سختی ہے

زمانہ قدیم مین تعدد ازدواج کا رسم سب قومون مین جاری تھا - اور جب بادشاہ وقت اس رسم کو عمل مین لاتا تھا اور بادشاہ ہر ملک مین ظل اللہ سمجھا جاتا تھا تو رعایا بھی اس رسم کو مقدس جانکر عمل مین لاتی تھی - ہنود مین تعدد ازدواج کی دونون قسمین[۲] قدیم الایام سے جاری چلی آتی ہین — زمانہ سلف مین قوم میڈ اور اہل بابل اور اہل عشرا اور اہل فارس مین کوئی تعداد ازدواج کی مقرر نہ تھی - اس زمانہ مین بھی برہمنون کو اجازت دیگئی ہے کہ جتنی بیبیان چاہین کرین — بنی اسرائیل مین تعدد ازدواج کا رسم حضرت موسیٰ کے زمانہ سے پیشتر جاری تھا اور حضرت موسیٰؑ نے اس رسم کو بعینہ قائم رکھا اور کوئی تعداد ازدواج کی بنی اسرائیل کے لیے نہین

[۱] ہیپورتھ ڈکسن صاحب کی تاریخ امریکا ملاحظہ ہو ۱۲ منہ [۲] یعنی ایک مرد کے متعدد بیبیان اور ایک عورت کے متعدد شوہر ۱۲ — مترجم

مقرر کی - اخیر زمانہ مین یہود کی تالمود - (کتاب حدیث و فقہ یہود) مین ازواج کی تعداد
شوہر کی استطاعت پر موقوف رکھی گئی ہے کہ جتنی بیبیون کو نان و نفقہ مناسب دینے کا مقدور[1]
رکھتا ہو کر سکتا ہے - اور اگرچہ ربانیین (علماے یہود) نے نصیحت کی ہے کہ ایک بی بی سے زیادہ نہ
کرنا چاہیے لیکن فرقہ قراطیہ نے اُنسے اختلاف راے کر کے ازواج کی تعداد مقرر کرنے کے جواز کو نہیں
تسلیم کیا ہے - زمانہ سلف مین اہل اتھنس[2] سے زیادہ تو کوئی قوم مہذب و شائستہ اور صاحب
عقل و ہنر نہ تھی اُنمین بھی زوجہ ایک مال تجارت قابل الانتقال و لائق بیع سمجھی جاتی تھی اور وصیت کے
ذریعہ سے بھی اُسکا انتقال ہو سکتا تھا - اور زوجہ ایک بلا سمجھی جاتی تھی جسکا ہونا انتظام خانہ داری
اور افزونی نسل کے لیے ضرور تھا - ہر باشندہ اتھنس اسکا مجاز تھا کہ جتنی بیبیان چاہے کرے یہانتک
کہ ڈماستھنیز مورخ جلیل یونانی نے بفخر و مباہات لکھا ہے کہ ہماری قوم مین تین قسم کی عورتین ہین
اُنمین سے بعض ہر قسم کی عورتین شرعی یا نیم شرعی بیبیان ہو سکتی ہین - رومیون مین بھی تعداد ازواج کا
رسم کم و بیش اُس زمانہ تک جاری رہا جبکہ قوانین جسٹنین - قیصر مین حرام کر دیا گیا - گو تعدد ازدواج قانون
دیوانی مین ممنوع کر دیا گیا مگر اس ممانعت کا اثر لوگون کے اخلاقی خیالات پر کچھ نہین ہوا اور یہ
رسم اُسوقت تک عمل مین لایا گیا جبتک کہ نظام جدید تمدن مین اُسکی ممانعت[3] کر دی گئی
بیاہتا بی بی کے سواے اور سب بیبیان بڑی خرابیون مین مبتلا رہتی تھین - وہ کچھ حقوق نہ
رکھتی تھین اور قانون مین اُنکا کچھ تحفظ نہین کیا گیا تھا بلکہ وہ اپنے متلون
مزاج شوہرون کی کنیزی کیا کرتی تھین - اُنکی اولاد حرامی کہلاتی تھی اور
ترکہ پدری سے بالکل محجوب سمجھی جاتی تھی اور بد قوم اور کم ذات تصور کیجاتی تھی - کم ذات عورتون سے
شادیان کرنا امرا و اہل دول پر منحصر نہ تھا بلکہ پادری لوگ بھی تجرد و رہبانیت کی قسم کو اکثر بالاے

سلہ کو ڈنبیک صفحہ ۵۴ - جلد ۱ - ملاحظہ ہو ۱۲ منہ سلہ ڈالنجر صاحب کی تاریخ یہود و مشرکین جلد ۲ - صفحہ ۲۳۳ - ۲۳۸ - اور ان سایکلوپیڈیا مین مضمون نکاح ملاحظہ ہو ۱۲ منہ سلہ یہ قدیم پاے تخت یونان کا نام ہے بڑا عظیم الشان اور نامی و گرامی شہر تھا ۱۲ مترجم سلہ گبن صاحب کی تاریخ زوال سلطنت روۃ الکبری جلد ۲ صفحہ ۲۰۶ - ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

طاق رکھکر ازدواج مشروع یا غیر شروع کر لیتے تھے۔ تواریخ سے بخوبی ثابت ہے کہ تھوڑا ہی عرصہ
گذرا ہے کہ تعدد ازدواج ایسا فعل قبیح نہ سمجھا جاتا تھا جیسا اب سمجھا جاتا ہے۔ خود سینٹ اگسٹائن
جنکو عیسائی بہت بڑا ولی اور پیشوائے دین سمجھتے ہین اور جنھون نے دین مسیحی انگلستان مین
جاری کیا تھا تعدد ازدواج کو فحش اور معصیت نہین قرار دیتے ہین اور فرماتے ہین کہ تعدد
ازدواج اُس ملک مین گناہ نہین ہے جہان وہ ایک آئین یا قانون ہوگیا ہو۔ اور ہالم صاحب
مورخ جلیل لکھتے ہین کہ مصلحان جرمنی سولھوین صدی عیسوی تک دوسری اور تیسری شادی کو پہلی
شادی کے ساتھی جائز جانتے تھے جس صورت مین کہ اولاد نہوئی ہو یا اور کوئی ایسا سبب ہوا ہو
اگلے زمانہ کے عرب اور یہود مین تعدد ازدواج کے علاوہ یہ رسم بھی جاری تھا کہ شرطیہ یا چند روزہ
نکاح کر لیتے تھے۔ ایسی ناملائم و ناجائز اخلاقی خیالات کا نہایت خراب اثر اُس نظام تمدن یعنی
طرز معاشرت پر ہوا جو جزیرہ نمائے عرب کے اندر جاری تھا اور عرب کی حدود کے باہر بھی اخلاقی
حالت ویسی ہی خراب تھی۔ سلطنت ایران اور سلطنت روم مین عورتین بہت ذلیل و خوار تھین
شدید التعصب پادری جنکو عیسائیان پاک اعتقاد نے چند عرصہ کے بعد اولیاء اللہ کے درجہ پر
پہونچا دیا غلبۂ نصرانیت سے مواعظ مین عورتون کی ہجو و مذمت کرتے تھے اور اُنکی شرارتین
بیان کیا کرتے تھے اور یہ بھول گئے تھے کہ جو عیوب ہمنے عورتون مین نکالے ہین وہ ہمارے ہی
نفاق باطنی اور خبث طینت کا عکس دکھاتے ہین۔ الغرض یہ وہ زمانہ تھا کہ نظام تمدن کی عمارت
عالیشان ہر طرف منہدم ہوتی جاتی تھی۔ اور جو باتین اُسکے ثبات و قیام کا باعث تھین
وہ زائل ہوتی جاتی تھین۔ اور یہ غل مچا ہوا تھا کہ قدیم طریقے تمدن کے تجربہ کی میزان مین تولے
گئے تو ناقص نکلے۔ ایسے زمانہ مین شارع اسلام نے قدیم نظام تمدن اور کہنہ طرق معاشرت
مین اصلاحین کین۔ شارع اسلامؐ نے حرمت نسوان یعنی عورتون کی عزت کرنے کے مسئلہ کو
احکام ضروریۂ اسلام مین داخل کرکے خود جاری فرمایا اور اُنکے پیروان پاک اعتقاد نے اُنکی دختر
نیک اختر کے فضائل و مناقب پر نظر کرکے اُنکا لقب خاتون جنت رکھا۔ جن قوانین کو رسول عربیؐ

نے شایع کیا انہین نکاح مشروط کو قطعاً حرام کردیا اور نکاح چند روزہ یعنی متعہ کی اجازت بحوکہ
ابتدا مین دی مگر تیسری سنہ ہجری مین اُسکو بھی حرام کردیا۔ شارع اسلام نے اپنی شریعت مین عورتون کو
وہ حقوق عطا فرمائے جو انکو کبھی نہ حاصل ہوئے تھے اور وہ اختیارات انکو دیے جنکی قدر جون جون
زمانہ ترقی کرتا جائیگا معلوم ہوتی جائیگی۔ اور تمام اختیارات اور [ستہ] خدمات شرعی کے بجالانے مین
عورتون کو مردون کا ہم پلہ بنا دیا۔ شارع اسلام نے ازواج کی ایک خاص تعداد مقرر کرکے
تعدد ازواج کو محدود کردیا اور چارون بیبیون کے ساتھ ہمہ وجوہ برابر برتاو کرنے کو شوہر پر فرض
عین کردیا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ جس آیت[ستہ] قرآنی مین چار ازواج کی اجازت دیگئی ہے
اُسکے آخر مین ایک فقرہ ایسا لکھدیا ہے جس سے پہلے فقرہ کا مضمون کٹ چھٹ کر ایک مقدار معتدل
مباح باقی رہگئی ہے۔ پہلے فقرہ مین لکھا ہے کہ "تم دو یا تین یا چار نکاح کرسکتے ہو اس سے زیادہ
نہین کرسکتے۔ دوسرے مین فرمایا ہے کہ "اگر تم سب سے عادلانہ اور منصفانہ برتاو نہ کرسکو تو ایک ہی
نکاح کرو"۔ محققین اسلام نے اس نہایت اہم و ضروری شرط سے چشم پوشی نہین کی ہے اور
آیات قرآنی مین لفظ "عدل" کے جو معنی لیے گئے ہین اُسکو خوب ملحوظ رکھا ہے۔ ابتدا اسلام
مین بھی یعنی تیسری صدی ہی مین بعہد خلافت مامون الرشید علماء معتزلہ نے یہ فرمایا ہے کہ احکام
قرآنی کو مجموعی و مسلم دیکھنے سے ایک زوجہ کرنے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ اور اگرچہ متوکل ظالم کے
ظلم و جور سے اُن علمائے عظام کے اقوال شایع نہونے پائے تاہم یہ یقین تمام تعلیم یافتہ
مسلمانون مین تدریجاً قوت پکڑتا جاتا ہے کہ تعدد ازواج شریعت غرا کے بھی اسی قدر خلاف ہے
جسقدر تہذیب و شائستگی اور علم و فضل کی ترقی کے منافی ہے۔ علی الخصوص یہ خیال مسلمانان
ہند مین اگر اعتقاد مذہبی نہین سمجھا جاتا تو ایک عمدہ نصیحت تو ضرور سمجھی جاتی ہے اور بہت سی

[ستہ] اگلے زمانہ مین عرب اپنی عورتون اور بچون کو جو قبائل عرب کی باہمی جنگ و جدل مین شریک نہ ہوسکتے تھے
والدین و شوہر کا ترکہ نہ لینے دیتے تھے ۱۲ منہ [ستہ] وہ آیت یہ ہے فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ
خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً ۔ یعنی پس نکاح کرو عورتون سے جیسا تمہارا جی چاہے دو دو اور تین تین اور چار چار کرکے اور اگر اندیشہ ہو کہ عدالت

اسباب خارجی اس خیال کے ساتھ شریک ہوکر تعدد ازواج کی رسم کی بیخکنی مسلمانون مین کر رہے ہین
اِس ملک مین اب یہ دستور ہوتا جاہے کہ ایک نکاح نامہ با ین مضمون شوہر یا نا کح سے لکھوا لیا
جاتا ہے کہ زوجہ اولی کی حین حیات کوئی حق یا شایبہ حق نکاح ثانی کا جو وہ رکھتا ہو یا جسکا وہ
مدعی ہو عمل مین نہ لائیگا۔ یہ دستور بانع توہی رسم تعدد ازواج کی نشو ونما پانے اور قائم ہنے کا ہے
ہندوستان مین فی الحال فیصدی ننانوے مسلمانون سے زیادہ خواہ اعتقاداً خواہ ضرورتاً
ایک ہی زوجہ پر قانع ہین۔ تعلیم یافتہ مسلمانون مین جو اپنے اسلاف کے تاریخی حالات سے
واقف ہین اور اپنے بزرگون کے حالات کا مقابلہ او رمقایسہ اور قومون کے احوال سے کر سکتے ہین
تعدد ازواج کا رسم ناپسند بلکہ مکروہ و متروک ہوتا جاتا ہے۔ اور کرنیل میک گریگر صاحب کے
بیان کے موافق ایران مین فیصدی صرف دو آدمی متعدد بیبیون کی مشکوک لذت اُٹھاتے
ہین۔ اُمید قوی ہے کہ آیندہ ایک جماعت علمائے اسلام باہم شورا کرکے یہ فتوے
دیگی کہ تعدد ازواج مثل غلامی و بندہ گری کی شریعت غرا کے سراسر خلاف ہے۔
اِسکا انکار نہین ہوسکتا کہ چند رسوم و قوانین جو مسلمانون نے زمانہ جاہلیت سے اخذ کیے
ہین اور جو صرف آثار و علامات سلف کے قبیل سے ہین مسلمان قومون کی ترقی کے مانع اور
سدراہ ہوے ہین۔ چنانچہ عورتون کی پردہ نشینی کا رسم بھی ایسا ہی ہے۔ قدیم زمانہ مین یہ رسم
بہت قومون مین جاری تھا۔ یہانتک کہ اہل اتھنس بھی اس دستور کی سخت پابندی کرتے تھے۔
ناشائستہ اور ناتربیت یافتہ قومون کی عافیت کے لحاظ سے اِس دستور سے بہت سے
فوائد ہین۔ شارع اسلام نے اِس رسم کو اپنے ہم عصر قومون مین جاری پایا اور اُسکے فوائد پر
نظر کرکے اِسکی پابندی اپنی امت پر فرض کردی۔ اس سوال کا جواب دینا غیر ممکن ہے کہ
آیا شارع اسلام کا منشا یہ تھا کہ یہ رسم ایک قانون اخلاقی کی قوت حاصل کرے یا ایسی سخت
پابندی اِسکی کیجائے جیسی اب کیجاتی ہے۔ تاہم یہ گمان کرنا غلط ہے کہ شرع شریف مین کوئی

نہ کر سکو گے تو ایک سے۔ ۱۲ مترجم

بات ایسی ہے جو اس دستور کے دوام و استمرار کا باعث ہے۔ شارع اسلام نے جو حکم عورتون کی پردہ نشینی کا فرمایا ہے اُسکی حقیقت اِس سے خوب ظاہر ہے کہ اُنکے اہل بیت[1] ہمیشہ اِس قید سے آزاد رہے۔ وہ فسق و فجور جسنے زمانہ جاہلیت مین عرب اور یہود اور نصاری کی طرز معاشرت و عنوان معیشت کو ازحد خراب کر رکھا تھا اسی کا مقتضی تھا کہ اصلاح اُسکی کیجائے۔ اسمین شک نہین ہے کہ شارع اسلام نے جو عورتون کے پردہ کا حکم فرمایا تو جو فسق و فجور کا دریا جوش مار رہا تھا وہ اِس سے رُک گیا اور یہ رسم قبیح جو مشرکین عرب مین جاری تھا کہ ایک عورت پوشیدہ طور سے متعدد شوہر کرتی تھی یہ بھی مسدود ہوگیا۔

ڈین ہیمر صاحب مورخ جرمنی کا قول ہے کہ مسلمانون مین حرم سراز وجہ و شوہر کے راحت کا گھر ہے۔ غیرون کو حرم مین جانے کی ممانعت اسوجہ سے نہین ہے کہ عورتون کا اعتبار نہین ہے بلکہ اِس سبب سے ہی کہ قدیم سے یہی دستور چلا آیا ہے۔ ایشیا کی اعلی قومون مین (یعنی مسلمانون مین) اور یورپ مین جو اعزاز و احترام عورتون کا کیا جاتا ہے اُسکا ثبوت بآسانی مل سکتا ہے۔ زوجہ و شوہر کی باہمی معاشرت اور بے تکلفی قائم رکھنے کے لیے پردہ کا رسم نکالا گیا ہے جسکو خود شوہر بھی نہین اُٹھا سکتا۔ لفظ حرم کے معنی عربی مین عورتون کا گھر یا مکان ہے جسکو اہل یورپ غلطی سے عورتون کا قیدخانہ سمجھے ہین۔ زنانہ (جسکو ایران مین اندرون کہتے ہین) کے مقدس حدود کے اندر اہلخانہ کی حکومت ہوتی ہے۔ اُس دائرہ کے اندر شوہر کی کچھ نہین چلتی بلکہ بغیر اجازت زوجہ کے وہ گھر کے اندر جانے بھی نہین پاتا۔ آگے چلکر ہم بیان کرینگے کہ زوجہ کے حقوق کا تحفظ شرع مین کیا گیا ہے۔ اِس

[1] حضرت عائشہ بنت ابی بکرؓ جنکا عقد رسول اللہؐ کے ساتھ حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد ہوا تھا خود بنفس نفیس لڑائی کا اہتمام کرتی تھین جو حضرت علیؑ سے ہوئی تھی (یعنے جنگ جمل) اور اپنی فوج کے کمان خود کرتی تھین۔ خود حضرت فاطمہؑ دختر پیغمبرؐ امر خلافت مین بحث کرنے کو تشریف لائی تھین۔ حضرت زینب بنت علیؑ اور خواہر امام حسینؑ نے جب اُنکے سب اعزا معرکہ کربلا مین شہید ہوگئے تو اپنے بیمار بھتیجے کو شر اعدا سے بچایا اور اُنکی جرات و ہمت سے عبید اللہ ابن زیاد جیسا خونخوار

مقام پر ہم صرف اُسکی حالت موجودہ کا ذکر کرتے ہیں مسلمانوں میں زوجہ کی حالت پر بالمجموع نظر کیجیے تو یورپ کی کسی عورت سے بدتر نہ پایئے گا یورپ کی عورتوں سے اُسکی پس ماندگی کا باعث یہ ہے کہ اہل اسلام میں عموماً تعلیم نسوان کا رواج نہیں ہے یہ سبب نہیں ہے کہ شرع میں کچھ خاص احکام ایسے ہیں جو عورتوں کو مضر ہیں۔ اُسکی قانونی حیثیت تو یقیناً یورپ کی عورتوں کی قانونی حالت سے بہتر و برتر ہے اُسکو ایسی آزادی حاصل ہے کہ جو حقوق و مواجب شرع نے اُسکو بخشے ہیں انکو وہ پورا پورا عمل میں لاسکتی ہے۔ تمام مقدمات میں جو اُسکی ذات خاص سے یا اُسکی جائداد سے متعلق ہیں وہ اپنے ذاتی حق سے اور بلا وساطت اپنے پدر و شوہر کے کارروائی کرسکتی ہے۔ وہ اپنا مختار خود مقرر کرتی ہے اور اپنے تمام اختیارات اُسکو دیدیتی ہے وہ اپنے شوہر اور اپنے کنبہ کے مردون سے مساوی درجہ پر معاہدہ کرتی ہے اگر اُسکا شوہر اُس سے بدسلوکی کرتا ہے تو اُسکو نکاح کے فسخ کرالینے کا حق حاصل ہے۔ وہ اپنے اور اپنے بچوں کے نان ونفقہ کے لیے اپنے شوہر کے نام سے قرض لے سکتی ہے۔ اگر اُسکا مذہب شوہر کے دین کے خلاف ہے تو وہ اپنے رسوم مذہبی کو آزادانہ اور بیباکانہ ادا کرنے کا دعوی کرسکتی ہے۔ اگر شوہر ذی مقدور ہے تو اُسپر فرض ہے کہ اپنی زوجہ غیر مسلمہ کو سواری مہیا کردے کہ وہ اپنی عبادت گاہ میں جاکر اپنے طریق کے موافق عبادت کرے۔ اور دین میں وہ ذرا بھی اپنی زوجہ کو نہیں ستاسکتا اور مسلمان ماں کی طرح وہ بھی اپنی اولاد کی حراست کی مستحق ہے۔ قبل نکاح جو مہر اُسکا قرار دیا گیا ہے وہ اُسکا مال ہے اُسکا جو جی چاہے اُسکو کرے۔ مہر سے متمتع ہونے کے لیے اُسکو درمیانی آدمیوں اور اسپنوں اور وکیلوں کی کچھ حاجت نہیں ہے جب شوہر سے اُسکو کچھ ایذا پہونچے تو وہ یہ حق رکھتی ہے کہ اپنی حیثیت شخصی سے شوہر پر نالش کرے۔ اُسکا مہر اُسکے شوہر کے تمام دیون پر مقدم ہے اور شوہر اُسکا قرضدار سمجھا جاتا ہے۔ جبتک لڑکی نابالغ رہتی ہے باپ کو اُسکی شادی کردینے کا حق اُسطرح

وجفاکار اور یزید جیسا ظالم سنگدل خائف وترسان ہوا۔ ۱۲ منہ

حاصل رہتا ہے جسطرح نابالغ لڑکے کا نکاح کر دینے کا ہوتا ہے ۔ مگر آئندہ بیان کیا جائیگا
کہ یہ اختیار باپ کا اسطرح محدود کر دیا گیا ہے کہ جب فریب کا گمان ہو یا یہ احتمال ہو کہ اس نکاح سے
لڑکی کو ضرر پہونچے گا تو باپ کے بعد جو ولی شرعی ہو وہ ایسے نکاح سے مانع ہو سکتا ہے ۔
اگر کسی نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح باپ کے سوائے کوئی اور ولی شرعی کر دے تو اُس لڑکی یا لڑکے کو
اختیار کامل حاصل ہے کہ بعد بلوغ اُس نکاح کو فسخ کرالے ۔ زن بالغہ و رشیدہ کا نکاح کسی
حالت مین بغیر اُسکی صریح رضامندی کے صحیح نہیں ہے ۔ اور کوئی نکاح صحیح نہیں ہے تاوقتیکہ
شوہر زوجہ کا مہر قبول کرلے ۔ فی الواقع مہر جواز و صحت نکاح پر مقدم ہے خواہ زوجہ مسلمہ ہو
خواہ غیر مسلمہ ۔ رومیون مین دستور تھا کہ زوجہ جہیز لاتی تھی اور اسی رسم کو بعض یورپ کی قومون نے
کچھ ترمیم کرکے اختیار کیا ہے ۔ ہندوستان کے مسلمانون مین بھی جہیز دینے کا دستور ہے یعنے
لڑکی کے ماں باپ زیور اور ظروف وغیرہ وداع کے وقت اُسکے ساتھ کر دیتے ہین مگر یہ سب جہیز
اُسی کا مال رہتا ہے ۔ بعض اوقات نقد روپیہ یا نوٹ جہیز مین دیتے ہین ۔

ہندوستان مین مہر کی مقدار بہت زیادہ رکھی جاتی ہے اور بعض اوقات شوہر کے
مقدور سے زیادہ مہر باندھا جاتا ہے تاکہ وہ طلاق نہ دے سکے ۔ چونکہ شرع شریف مین
نکاح ایک معاہدہ سمجھا جاتا ہے لہذا بعض حالات مین طرفین کو فسخ معاہدہ کا اختیار
دیا گیا ہے ۔ جن صورتون مین طلاق شوہر کی جانب سے ہوتا ہے یا اُسکے کسی کردار سے
طلاق کی ضرورت پیدا ہوتی ہے اُن صورتون مین شوہر کو کل مبلغ مہر دیدینا پڑتا ہے
تب وہ شرعًا طلاق دے سکتا ہے ۔ زوجہ کو مارنے پیٹنے کی ممانعت قطعی ہے اور جب
اُس سے ہمیشہ ایسی بدسلوکی کیجائے تو وہ طلاق لینے کا حق رکھتی ہے ۔ اور جب شوہر
اُسکو چھوڑ دے یا نان و نفقہ نہ دے تب بھی وہ طلاق لے سکتی ہے ۔ جب زوجہ و شوہر
مین کچھ نزاع یا نااتفاقی ہوتی ہے تو حاکم شرع کچھ معزز عورتون کو مصالحہ کرنے کے لیے
مقرر کر دیتا ہے یا خود جاکر مصالحہ کرا دیتا ہے ۔ جب ناموافقت مزاج کی وجہ سے یا اور کسی

سبب سے نااتفاقی پیدا ہوتی ہے اور کوئی کوشش مصالحہ کی کارگر نہین ہوتی صرف اُسوقت
طرفین کو اختیار ہے کہ طلاق یا خلع یا مبارات کے ذریعہ سے فسخ نکاح کرلین - جب نااتفاقی کا سبب
شوہر کا کردار ہوا اور جب شر اُسی کی طرف سے ہوا ہو یا جب طلاق کا خواہان فقط وہی ہو
تو اُسکو مہر ادا کردینا واجب ہے اور چونکہ ہندوستان مین مہر کی مقدار ایسی کثیر ہوتی ہے
کہ اُسکا ادا ہونا محال ہوتا ہے لہذا شوہر کو طلاق دینے کا جو اختیار ہے وہ کالعدم ہوجاتا ہے
جب نااتفاقی کا باعث خود زوجہ ہوتی ہے اور جب وہ بغیر کسی وجہ وجیہ کے خود طلاق کی
خواہان ہوتی ہے تو اُسکو مہر سے دست بردار ہونا پڑتا ہے تب طلاق ملتا ہے - بہر زوجہ
بہرکیف شوہر سے اچھی رہتی ہے - طلاق کے حق پر جو قیدین لگائی گئی ہین وہ آیندہ تفصیلاً
بیان کیجائینگی - مگر اِس مقام پر اتنا عرض کرنا بے محل نہوگا کہ معتزلہ نے اور فرقون نے
اُن شرائط مین اختلاف کیا ہے جن شرائط پر جواز طلاق موقوف ہے - بہت بڑا اختلاف
یہ ہے کہ معتزلہ کے نزدیک قاضی کا حکم بہرحال جواز طلاق کے لیے ضرور ہے - پس جو طلاق
شوہر یا زوجہ کی جانب سے ہو وہ ناجائز سمجھا جائیگا تاوقتیکہ حاکم شرع اُسکو نہ جائز رکھے
یا حاکم شرع کے سامنے اور اُسکے حکم اور منظوری سے طلاق نہوا ہو اسواسطے کہ معتزلہ کے
نزدیک زن و شوہر کی مرضی اور خواہش پر فسخ نکاح یعنی طلاق کو موقوف رکھنا جملہ اصول
رفاہ عام کے خلاف ہے - علاوہ اِسکے معتزلہ نے اور فرقون سے اِس مسئلہ مین بھی اختلاف
کیا ہے کہ وہ کہتے ہین کہ جو طلاق شوہر کی جانب سے ہو اُسکا کوئی سبب معقول ہونا ضرور ہے
صرف شوہر کی تلون مزاجی اُسکا سبب معقول نہین ہوسکتا - اور یہ بھی ضرور ہے کہ جب
مصالحہ کی کوئی کوشش کارگر نہو تو حاکم شرع سبب طلاق کو معقول و مناسب کہدے -
اِن قیود سے وہ اختیارات طلاق بہت محدود ہوگئے ہین جو بعض فرقون کے نزدیک
شرع مین شوہر و زوجہ کو دیے گئے ہین کہ جب کوئی سبب ایسا ہو کہ رشتہ زوجیت وبال جان ہوجائے
تو فسخ معاہدہ کرلین - ہندوستان مین طلاق کا رواج اعلیٰ درجہ کے مسلمانون مین

نہین ہے اور نتیجہ تو مومنین بھی طلاق ایسا شاذ و نادر وقوع مین آتا ہے کہ اُسکا اثر اخلاق عامہ پر
کچھ نہین محسوس ہوتا - اِسکے دو سبب معلوم ہوتے ہین - عالی خاندان لوگون مین خاندانی
عزت کا خیال مانع طلاق ہوتا ہے - اور نیز بار و ہملا کو وہ جرمانہ (مہر) جو طلاق مین دینا
پڑتا ہے طلاق سے باز رکھتا ہے - دیگر بلاد اسلام مین جہان خاندانی عزت کا ایسا پاس
نہین ہوتا ہے اور مہر کی مقدار بھی ایسی نہین ہوتی جیسی ہندوستان مین ہوتی ہے
مانع طلاق ایک اور مسئلہ شرعی ہوتا ہے جو سُنّی اور شیعہ دونون کا متفق علیہ ہے مگر معتزلہ کے
نزدیک مسلم نہین ہے - علماے یہود کے نزدیک یہ ہے کہ جب کوئی شوہر ایک مرتبہ اپنی
زوجہ کو طلاق دیدے تو پھر کسی حال مین اُس سے دوبارا عقد نہین کر سکتا - سنّی اور شیعہ
دونون کے نزدیک مطلقہ سے دوبارا عقد کرنا جائز ہے مگر اس شرط سے کہ مطلقہ دوسرے
شخص سے نکاح کر کے طلاق لے چکی ہو - یہ عجیب و غریب شرط معتزلہ کے نزدیک مسلّم
نہین ہے اور اسکا اثر یہ ہوا ہے کہ ناشائستہ و ناتربیت یافتہ قومین رشک و حسد کی وجہ سے
طلاق کو بلا قید او بیباکانہ عمل مین لانے سے باز رہتے ہین -

مقدمہ ۳

بعض اعتبارات سے غلامی کو تعدد ازواج سے مشابہت دینا بجا ہے - تعدد ازواج
کی طرح غلامی بھی سب قومون مین رائج رہی ہے مگر جب انسان کے خیالات مین ترقی ہوئی
اور عدل و انصاف کا خیال بھی پیدا ہوا تو یہ دونون رسم زائل ہو گئی - غلامی کا دستور
انسان کے وجود کا ہمعصر ہے (یعنے ابتداے خلقت انسان سے یہ دستور چلا آیا ہے) تواریخ
سے اس دستور کے آثار و علامات ہر زمانہ اور ہر قوم مین پائے جاتے ہین جسکا علم ہمکو ہوا ہے -
اِس دستور کا تخم سوسائٹی یعنے تمدّن کی وحشیانہ حالت مین جما اور غلامی اُس زمانہ مین بھی جاری
رہی جبکہ ترقی خیالات اور ترقی تہذیب و شائستگی کی وجہ سے ظاہراً اسکی کوئی ضرورت نہین

باقی رہی ۔ یہود اور یونانی اور رومی اور قدیم اہل جرمن انھیں قومون کے آئین و قوانین
اس زمانہ کے خیالات اور اس زمانہ کے رسوم و عادات پر زیادہ مؤثر ہوئے ہین ۔ ان سب
قومون مین دونون قسم کی غلامی مسلّم اور رائج تھی یعنی ایک وہ غلام جنسے کھیت جُتواتے تھے
اور ایک وہ غلام جنسے گھر کا کام لیتے تھے ۔ عبرانیون مین غیر بنی اسرائیل غلامون اور لونڈیون پر ہمیشہ
بڑی بڑی صعوبتین گذرتی تھین ۔ اُنسے کھیت جتوائے جاتے تھے یا گھر کا کام لیا جاتا تھا
اور بہت ذلیل و حقیر سمجھے جاتے تھے اور انکی بیرحم اور ناخدا ترس مالک ہمیشہ اُنسے مشقت
شاقہ لیتے تھے ۔ اخیر زمانہ مین جو قانون رومیون مین جاری ہوا اُسنے سزاے موت اور
سنگین سزاؤن کا اختیار جو قوانین بارہ دوازدگانہ نے مالکون کو بخشا تھا اُنسے لے لیا مگر جو مجموعہ
قوانین پادشاہ ۔ جسطینین قیصر کے عہد مین تالیف ہوا تھا اُسمین غلامی کو ایک قانون
منجملہ قوانین قدرت قرار دیدیا اور غلامون کی قیمت اُن پیشون کے موافق مقرر کی جو پیشے کرانا
اُنسے منظور ہوتا تھا ۔ قبل شیوع اسلام مشرکین عرب کا دستور تھا کہ اسیران جنگ کو غلام بنا ڈالتے
یا قتل کر ڈالتے تھے ۔ احکام قرآنی کے روسے اسیران جنگ کو قتل کرنا حرام ہوگیا اور یہ حکم ہوا کہ
جبتک دیت یعنی خون بہا نہ دین اُسوقت تک غلامی کی حالت مین رہین ۔ فی الواقع قرآن
مجید مین صرف ایک قسم کی غلامی کی اجازت دیگئی ہے یعنی اُن لوگون کی غلامی جو جہاد شرعی
مین گرفتار کیے جائین ۔ قرآن مجید مین ہر جگہ غلامون کو یہ لکھا ہے کہ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ یعنی
وہ لوگ جنپر تمھارے دہنے ہاتھ قابض ہوئے ۔ حضرت امام جعفر صادق ؑ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلعم نے
بردہ فروش کو خارج از انسانیت فرمایا ہے اور بندہ گری اور بردہ فروشی دونون کی ممانعت
قطعی فرمائی ہے ۔ اور عتق رقبات یعنی بردہ آزاد کرنے کو بڑا کار ثواب فرمایا ہے ۔ اور مسلمانون کے
غلام بنانے کو حرام مطلق گردانا ہے ۔ اور مالکون کو ممانعت فرمائی ہے کہ منصفانہ اور مناسب
مقدار سے زیادہ کام غلامون سے نہ لیا کرین اور اسیران جنگ کو جب لونڈی غلام بنائین
تو اُنکو اسطرح کپڑا پہنائین اور کھانا کھلائین اور مکان مین رکھین کہ گویا وہ اُنکے دوست

آشنا اور مہمان ہین اور اُنکے حیثیت موجودہ کا خیال نہ کرین — اس سبب سے یہ حکم فرمایا ہے
کہ ماں بیٹے سے اور بھائی بھائی سے اور شوہر زوجہ سے اور عزیز عزیز سے ہرگز نہ جدا کیا
جائے "۔ احکام قرآنی کے رو سے لونڈی غلام رکھنا اس شرط سے مشروط ہے کہ اُس جہاد مین
گرفتار کیئے گئے ہون جو دفاعی ہو یعنی جو حفاظت نفس کے لیے مشرکین سے کیا گیا ہو اور غلامون کی جان
کی حفاظت کیجائے۔ غیر مہذب و ناشائستہ قومون کو قوت لاہوت بدقت میسر آتا ہے لہذا
اسیران جنگ کی جان بخشی وہ اس غرض سے کردیتے ہین کہ اُنکی محنت و مشقت سے خود منتفع ہون۔
شارع اسلام نے غلامی کی رسم کو مشرکین عرب مین موجود دیکھکر اُسکی فروغ کو بہت کم کر دیا اور
ساتھی اسکے ایسے قواعد مقرر کردیئے کہ اگر مسلمانون کی نیت مین فساد آجاتا تو غلامی کا رسم اُسی
زمانہ مین موقوف ہو جاتا جبکہ وہ لڑائیان موقوف ہوگئین جنمین مسلمان مبتلا ہو گئے تھے۔
شارع اسلام نے انسان کے اعضا کو قطع یا پامال کرنے کی رسم کو بھی حرام مطلق کر دیا حالانکہ یہ رسم
قبیح سلطنت ایران اور سلطنت روم دونون مین جاری تھا۔ لونڈی غلام کو خریدنا پہلے چار
خلیفون کے عہد خلافت مین جنکو اہل سنت خلفاے راشدین کہتے ہین کوئی جانتا بھی نہ تھا
کوئی معتبر کتاب ایسی نہین ہے جس سے ثابت ہوتا ہو کہ خلفاے راشدین کے عہد مین لونڈی
لونڈی غلام خریدا گیا تھا۔ مگر غاصبین خلافت یعنی خلفاے بنی امیہ نے جب اپنا قدم تخت
مسند خلافت پر رکھا بس اُسی وقت سے اسلام کا رنگ بدل گیا۔ معاویہ پہلا وہ خلیفہ ہے
جسنے مسلمانون مین لونڈی غلام خریدنے کا رسم جاری کیا۔ اور پہلے اُسی نے بادشاہان روم کی
تقلید کرکے محلات مین خواجہ سراؤن کو مقرر کیا۔ اوائل عہد خلفاے عباسیہ مین حضرت امام
جعفر صادق نے غلامی کی مذمت مجالس و محافل مین فرمائی — اور معتزلہ اور باطنیہ نے آپکے قول کو
قبول کیا۔ قرمطی جو نوین صدی عیسوی مین پیدا ہوا تھا (سنہ ۸۹۹ع۔ سنہ ۲۸۶ھ) اور جسکو اُس گروہ نے
جو اپنے تئین فرقہ محقہ کہتا ہے حق یا ناحق بدنام کردیا ہے فرقہ باطنیہ سے تھا اور اسکا یہ قول تھا کہ
مثل مذاہب قدیم کے دین اسلام کی بھی دو پہلو ہین — ظاہر شریعت اور باطن شریعت —

فوطلس نے غلامی کی اسقدر خدمت کی کہ اکثر اہل اسلام نے اُس بیچارے کو ملعون بنا دیا —

شرع شریف مین جو کتاب تالیف کیجائے اُسکا مقدمہ ناتمام رہیگا تاوقتیکہ اُن عیوب شرعی کا مختصر ذکر نہ کیا جائے جو بعض اشخاص کو بعض حقوق حاصل کرنے سے مانع ہین — یہ عیوب شرعی فی نفسہ ملکی ہین یعنی مصالح ملکی پر مبنی ہین — اختلاف مذہب سے جسکو اہل اسلام کی اصطلاح مین کفر کہتے ہین ابتدا مین مراد سلطنت اسلامیہ سے عداوت قطعی تھی اور ارتداد ایک جرم سلطنت کا سمجھا جاتا تھا — لہذا سنی اور شیعہ دونون نے بالاتفاق غیر مسلم اور مرتد دونون کو مسلمان عزیزون کے ترکہ سے اسوجہ سے محجوب کردیا ہے کہ مخالفین و منافقین گروہ اہل اسلام مین نہ داخل ہونے پائین — ایکٹ ۲۱ ۱۸۵۰ع نے اُن موانع ارث کو دفع کردیا ہے جو ازروی شرع محمدی مرتد کو یعنی اُس شخص کو جسنے دین اسلام ترک کردیا ہو ترکہ پانے سے مانع تھے — مگر یہ ایکٹ مرتدین سے متعلق ہے کفار فطری سے متعلق نہین ہے جنکو اہل اسلام نے محجوب الارث قرار دیا ہے — جب کبھی سلطنتون مین باہم موافقت نہو تو ایک سلطنت کا رعایا ہونا اور دوسرے کی رعایا نہونا بھی اہل سنت کے نزدیک موانع شرعیات مین سے ہے گو شیعون نے اس مسئلہ مین اُنسے اختلاف کیا ہے — غلامی اور قتل انسان بھی آدمی کو حقوق دنیوی کو عمل مین لانے سے مانع ہوتے ہین فقط —

پہلا باب

سنّی اور شیعہ کے قانون وراثت و جانشینی کے بیان مین

قبل اسکے کہ سنّی اور شیعہ کے قانونِ وراثت و جانشینی کے اختلافات بیان کیے جائین جن اصول مین فریقین نے اتفاق کیا ہے اُنکو بیان کرنا ضرور ہے —

واضح ہو کہ سنّی اور شیعہ دونون مین قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ قانونِ وراثت انتقال بلاوصیت فرض کر لینے پر مبنی ہے — ہر مسلمان کو اپنے حینِ حیات اپنی جائداد پر اختیارِ کلی حاصل ہے خواہ وہ جائداد موروثی ہو خواہ مکسوبہ خواہ منقولہ ہو خواہ غیر منقولہ اُسکا جو جی چاہے اپنی جائداد کو کر سکتا ہے — مگر جو انتقال وہ اپنی جائداد کا کرے وہ انتقال جائز و موثر جبھی ہوگا کہ جب اُسکا نفاذ مالک کے حینِ حیات ہو جائے — مثلاً اگر ہبہ کیا جائے تو جائداد موہوبہ واہب کی زندگی مین موہوب لہٗ کو دیدی جائے اور واہب اپنے تمام حقوق ملکیت سے جو اُس جائداد مین وہ رکھتا ہے دست بردار ہو کر موہوب لہٗ کا قبضہ اُسپر کرا دے اگر ہبہ کا نفاذ واہب کی وفات پر موقوف رکھا جائے تو ہبہ ناجائز ہو جائیگا — یہی حال اُس جائداد کا بھی ہے جو مذہبی یا خیراتی مقاصد کے لیے وقف کیجائے — کسی نیک کام کے لیے جائداد کو وقف کرنا جبھی جائز و مؤثر ہوگا جب کہ حقوق مالکانہ اُس سے سلب کر لیے جائین — دوسرا یہ کہ باب مین موصی کا اختیار ثلث جائداد پر محدود ہے بشرطیکہ وصیت اُس شخص کے حق مین نہ کیجائے جو ترکہ مین حصہ پانے کا مستحق ہو — مثلاً مالک اپنی جائداد کے ایک ثلث کو بذریعہ وصیت غیر شخص کو دے سکتا ہے لیکن اگر ایک ثلث سے زیادہ کی نسبت یا کسی اور وارث شرعی کے باب مین وصیت کرے تو ایسی وصیت ناجائز ہو گی —

مسلمانون کے اختیارات وصیت مین یہ قید جو لگا دی گئی ہے جسکی مثال بعض قوانین یورپ مین بھی موجود ہے تو اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ جہانتک ایک جزو کثیر مال اور اسباب متوفی کا متعلق ہے وہانتک تقسیم جائداد اسطرح ہوتی ہے کہ گویا اُسنے بلا وصیت انتقال کیا ہے

لہذا مسلمانون مین انتقال بلا وصیت ایک عام اصول ہے اور چونکہ تقریبًا ہر صورت مین ایک سے زیادہ وارث متوفی کی جائداد مین حصہ پانے کے مستحق ہوتے ہین لہذا یہ یاد رکھنا ضرور ہے کہ سُنّی اور شیعہ مین کن کن باتون مین اتفاق اور کن امور مین اختلاف ہے —

جو امور فریقین مین متفق علیہ ہین انکی نسبت عرض کیا جاتا ہے کہ سُنّی اور شیعہ اُس اصول پر متفق ہین جس اصول سے وہ اشخاص جو متوفی کی جائداد مین حصہ پانے کے مستحق ہین اُن اشخاص سے تمیز ہو سکتے ہین جو کوئی حق نہین رکھتے — مثلًا کوئی مسلمان اپنے مرنے کے بعد ایک بڑا بھاری گروہ اعزا و اقربا کا چھوڑ جائے — تو اس صورت مین اگر کوئی محدود و معین قاعدہ نہو تا تو وارث اور غیر وارث مین فرق و امتیاز کرنا بہت دشوار ہو جاتا پس اس وقت کو رفع کرنے کے لیے اور اقربا مستحق و محجوب مین بآسانی فرق و امتیاز کرنے کی غرض سے فریقین نے بالاتفاق یہ قاعدہ کلیہ قرار دیا ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے مرنے کے بعد عزیزون کو چھوڑ جائے جنمین سے ایک عزیز دوسرے عزیز کے ذریعہ سے متوفی کا قرابت دار ہو تو عزیز بالواسطہ درصورت موجود ہونے عزیز بلا واسطہ کے محجوب الارث ہوگا — مثلًا اگر کوئی مسلمان اپنے مرنے کے بعد ایک بیٹا اور ایک پوتا چھوڑ جاے — تو پوتا اپنے دادا کا وارث نہوگا تاوقتیکہ اُسکا باپ زندہ ہے — ایک اور قاعدہ بھی متوفی کے ورثہ شرعی کو دریافت کرنے کا بنایا گیا ہے جسکو فریقین نے کسیقدر ترمیم کرکے اختیار کیا ہے — مثلًا اقربا ذکور پدری مین سُنّی اعزا سے قریب کو قرابت داران بعید پر ترجیح دیتے ہین مگر شیعہ قرابت قریبہ و بعیدہ کا قاعدہ سب صورتون مین بلا امتیاز ذکور و اناث جاری کرتے ہین — پس اگر کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایک بھتیجا اور ایک بھتیجے کا بیٹا اور ایک نواسا چھوڑ جائے تو سنیون مین چونکہ بھتیجا اقربا ذکور پدری مین سے ہے اور بھتیجے کے بیٹے کی بہ نسبت قرابت مین متوفی سے قریب تر ہے لہذا وہ بترجیح دیگر اقربا ورثہ پائیگا مگر شیعون مین چونکہ نواسا نسبتًا قریب تر ہے لہذا دیگر اقربا کو محجوب الارث کر دیگا — پس معلوم ہوا کہ حق وراثت اُن اقربا کا جو کسی شخص کی

وفات کے بعد زندہ رہین باختلاف حالات مختلف ہوتا ہے - بعض اقربا اصول مصرحہ بالا کے موجب بالکل محجوب الارث ہوجاتے ہین اور بعض اعزا کے سہام شرعیہ اس وجہ سے کم ہوجاتے ہین کہ بعض اور عزیز موجود ہوتے ہین خواہ وہ شریک وراثت ہون خواہ نہون - مگر سنی اور شیعہ دونون مین ایک قسم کے ورثہ ایسے ہین کہ جو کبھی محجوب الارث نہین ہوتے گو انکے حصص شرعیہ مین کیسا ہی اختلاف ہو - اس قسم کے ورثہ مین مان اور باپ اور بیٹے اور شوہر و زوجہ داخل ہین - سنی اور شیعہ دونون کے نزدیک قائم مقامی کا اصول مسلم نہین ہے - اور گو اسمعیلیہ اور ظاہر امعتزلہ نے بھی اس مسئلہ مین فریقین سے اختلاف کیا ہے مگر انکے مسائل محدود طور سے کہین نہین بیان کیے گئے ہین - مثلاً زید کے دو بیٹے تھے انمین سے ایک بیٹا اپنی اولاد چھوڑکر زید کی زندگی مین مر گیا تو یہ اولاد زید کی وفات کے بعد اسکے جانشین اور قائم مقام نہونگے بلکہ انکا چچا انکو محجوب الارث کر دیگا -

یہانتک تو فریقین مین اتفاق ہے مگر تقسیم ورثہ کے باب مین دونون مین اختلاف عظیم ہے - سنی تین قسم کے ورثہ قرار دیتے ہین

(۱) ذوی الفروض یعنی وہ ورثہ جنکے حصص کی تصریح قرآن مجید مین موجود ہے -

(۲) عصبات یعنی اقرباے پدری -

(۳) ذوی الارحام

ذوی الفروض کے باب مین سنی اور شیعہ مین کچھ اختلاف نہین ہے -

مگر شیعہ ورثہ کو عصبات اور ذوی الارحام مین بلا دلیل منقسم کرنے پر سخت اعتراض کرتے ہین اور ان دونون قسم کے ورثہ مین کچھ فرق نہین سمجھتے -

وہ شیعہ سب ورثہ کو ایک قسم کا قرار دیکر متوفی سے قربت اور بعد قرابت کے اعتبار سے انکو مستحق وراثت سمجھتے ہین جیسا آیندہ بیان کیا جائیگا -

مگر سنیون نے ذوی الارحام کو سب کے بعد رکھا ہے یعنی جب ذوی الفروض اور عصبات نہین ہوتے تب ذوی الارحام کو حصہ ملتا ہے - پہلے ذوی الفروض اپنے سہام شرعیہ سے

لے لیتے ہین تب مابقی عصبات مین تقسیم کیا جاتا ہے۔ اگر ذوی الفروض اور عصبات دونون موجود نہون تو جائداد متوفی ذوی الارحام پر تقسیم کردی جاتی ہے —

ذوی الفروض کی تعداد بارہ ہے۔ اُنکے حصے باختلاف حالات مختلف ہوتے ہین اور اُنمین سے بعض اُن اصول کی وجہ سے جنکا ذکر سابق مین کیا گیا محجوب الارث بھی ہو جاتے ہین —

اُنمین سے چار مرد اور آٹھ عورتین ہین — چار مرد یہ ہین (۱) باپ (۲) دادا یا اجداد مین سے کوئی شخص (جب محجوب الارث نہو) (۳) برادر اخیافی یعنی وہ بھائی جسکی ایک ماں اور دو باپ ہون (۴) شوہر — علمانے باپ کی تین حیثیتین قرار دی ہین — (۱) خالی سہم یا حصہ دار کی حیثیت جب متوفی کی اولاد ذکور مین سے کوئی موجود ہو۔ (۲) خالی عصبہ کی حیثیت جب اُسکے ساتھ کوئی شخص ذوی الفروض مین سے بھی موجود ہو۔ مثلاً شوہر یا ماں یا دادی۔ اِس صورت مین جائداد متوفی مین سے ایک حصہ یا کبھی حصے دے کر باقی باپ کو دیا جاتا ہے — (۳) ذوی الفروض اور عصبہ دونون کی حیثیت جب باپ کے ساتھ کوئی بیٹی یا بیٹیان موجود ہون۔ اِس صورت مین اُسکو اپنا خاص حصہ ملتا ہے اور بیٹی یا بیٹیون کے حصہ دینے کے بعد جو کچھ بچ رہے وہ بھی اُسکو ملتا ہے — آخر الذکر دو صورتون مین آسانی کی غرض سے اسکو یہ کہہ سکتے ہین کہ صرف بطور عصبہ کی پاتا ہے —

(۱) باپ کا حصہ بیٹے یا پوتے یا اور کسی اولاد ذکور کے ساتھ جیسے پر پوتا سرپوتا وغیرہ ۱/۶ یعنی ایک سدس ہے

(۲) جد حقیقی[۱] یا اجداد مین سے کوئی شخص (جو محجوب الارث نہو) اُسکا حصہ ۱/۶ یعنی ایک سُدس ہے —

(۳) برادر اخیافی (جب اکیلا ہو اور کوئی اولاد یا اولاد کی اولاد یا باپ یا جد حقیقی نہو) اُسکا حصہ ۱/۶ یعنی ایک سدس ہے —

جب دو یا اس سے زیادہ برادران اخیافی ہون اور کوئی اولاد یا اولاد کی اولاد یا باپ یا دادا نہو تو اُنکا حصہ ۱/۳ یعنی ایک ثلث ہے —

---

[۱] اجداد حقیقی اہل سنت کی اصطلاح مین اون اجداد کو کہتے ہین جنکے سلسلہ قرابت متوفی مین کوئی عورت داخل نہو مثلاً دادا جد حقیقی ہے نانا جد حقیقی نہین ہے — ۱۲ منہ

(۴) شوہر کا حصہ (جب کوئی اولاد یا اولاد کی اولاد ہو چاہے کیسی ہی بعید درجہ کی ہو) $\frac{1}{4}$ یعنی ایک ربع —

〃 〃 (جب انمین سے کوئی نہو تو) .... $\frac{1}{2}$ یعنی ایک نصف

(۵) زوجہ کا حصہ (جب کوئی اولاد یا اولاد کی اولاد ہو چاہے وہ کیسی ہی بعید درجہ کی ہو) $\frac{1}{4}$ یعنی ایک ربع —

〃 〃 (جب انمین سے کوئی ہو) .... $\frac{1}{8}$ یعنی ایک ثمن

(۶) دختر کا حصہ (جب اکیلی ہو اور کوئی پسر نہو جو اسکو عصبہ بناوے) $\frac{1}{2}$ یعنی ایک نصف

〃 〃 (دو یا زائد دختر ہون کا حصہ جب کوئی پسر نہو —) $\frac{2}{3}$ یعنی دو ثلث

(۷) پوتی یا پروتی یا سروتی وغیرہ کا حصہ جب وہ اکیلی ہو اور کوئی اولاد یا بیٹی کی اولاد نہو تو $\frac{1}{2}$ یعنی نصف

〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 جب دو یا زیادہ ہون اور کوئی اولاد یا پوتا نہو تو $\frac{2}{3}$ یعنی دو ثلث

〃 جب ایک بیٹی ہو اور کوئی بیٹا یا پوتا نہو تو $(\frac{2}{3} - \frac{1}{2}) = \frac{1}{6}$ یعنی ایک سدس

(۸) ماں کا حصہ (جب کوئی اولاد یا اولاد کی اولاد ہو چاہے وہ کیسی ہی بعید درجہ کی ہو یا دو یا کئی بھائی یا بہنین علاتی یا اخیافی ہون تو) .... $\frac{1}{6}$ یعنی ایک سدس

〃 〃 (جب انمین سے کوئی نہو تو) .... $\frac{1}{3}$ یعنی ایک ثلث

لکن باپ کے ساتھ $\frac{1}{3}$ باقی ماندہ جائداد کا بعد وضع کرنے حصہ شوہر و زوجہ کے اور دادا کے ساتھ $\frac{1}{3}$ کل جائداد کا پائیگی —

(۹) جدۂ[1] حقیقی کا حصہ (چاہے کیسی ہی بعید درجہ کی ہو اگر محجوب الارث نہو تو) $\frac{1}{6}$ یعنی ایک سدس —

(۱۰) بہن کا حصہ (جب اکیلی ہو اور کوئی اولا یا اولاد کی اولاد نہو چاہے وہ کیسی ہی بعید درجہ کی ہو اور باپ اور جد حقیقی اور دختر اور پسر دختر نہو تو) $\frac{1}{2}$ یعنی ایک نصف —

〃 〃 〃 جب دو یا زیادہ بہنین ہون اور کوئی ایسا حاجب نہو تو $\frac{2}{3}$ یعنی دو ثلث —

(۱۱) خواہر علاتی[2] کا حصہ (جب اکیلی ہو اور کوئی حاجب جو حاجب مذکورہ مین ہے یا خواہر عینی نہو تو) $\frac{1}{2}$ یعنی ایک نصف

〃 〃 〃 (جب دو یا زیادہ علاتی بہنین ہون اور کوئی ایسا حاجب نہو تو) $\frac{2}{3}$ یعنی دو ثلث

---

[1] یعنی جدۂ پدری یا مادری ۱۲ — [2] یعنی وہ بہن جسکی دو مائین اور ایک باپ ہو ۱۲ —

(۱۲) خواہر اخیافی مانند برادر اخیافی کے حصہ پاتی ہے۔

بس ذوی الفروض ہیں جنکے حصص قران مجید مین بالتصریح لکھے ہین اور جنکے باب مین سُنی اور شیعہ مین بہت کم اختلاف ہے۔ اس باب کے آخر مین ایک نقشہ یا فہرست لکھی ہے اُس سے اچھی طرح معلوم ہو جائیگا کہ اس مسئلہ مین فریقین مین موارد اختلاف کیا ہین یعنی کن کن باتون مین اختلاف ہے۔ اس مقام پر ہم اُس طریقہ کو بیان کرتے ہین جس طریقہ سے حنفیہ نے ورثا کی تقسیم کی ہے اور بعد از آن اُسمین اور شیعون کی تقسیم مین فرق بیان کرینگے۔

جیسا سابق مین بیان کیا گیا سب فقہائے اہل سنت کے تین قسم یا تین طبقہ کے ورثہ کے قائل ہین یعنی ذوی الفروض۔ عصبات۔ ذوی الارحام۔ ذوی الفروض کا ذکر ہو چکا ہے۔

عصبات تین طبقون پر منقسم ہین۔ (۱) عصبات بنفسہ یعنی اپنے ذاتی حق سے۔ (۲) عصبات بغیرہ دوسرے شخص کے حق سے۔ (۳) عصبات مع غیرہ دوسرے شخص کے ساتھ۔

پہلے طبقہ مین وہ سب اشخاص داخل ہین جنکے سلسلہ قرابت متوفی مین کوئی عورت نہ داخل ہو۔ (اسواسطے کہ اگر کوئی عورت داخل ہو جائے تو مرد عصبہ نہ باقی رہیگا۔ مثلاً برادر اخیافی یعنی ماں کا بیٹا عصبہ نہیں ہے بلکہ ذوی الفروض مین داخل ہے)۔ انکو عصبات بنفسہ کہتے ہین۔

عصبات بنفسہ کی چار قسمین ہین

(۱) متوفی کی اولاد

(۲) اُسکے اجداد

(۳) اُسکے باپ کی اولاد یعنی بھائی اور بھائیون کی اولاد۔

(۴) اُسکے جد پدری (دادا) کی اولاد چاہے کیسی ہی بعید درجہ کا دادا ہو۔

یہ بیان کرنا ضرور ہے کہ عصبات بنفسہ کی وراثت مین یہ شرط ہے کہ جب ایک ہی درجہ کے اقربا ہون تو قرابت داران نسبی کو ترجیح دیجاتی ہے۔ مثلاً جب متوفی کا فقط ایک برادر عینی اور

سلہ درالمختار صفحہ ۸۶۴ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ

اور ایک برادر علاتی ہو تو اگرچہ نسباً دونون برابر ہین مگر چونکہ برادر عینی بہ نسبت برادر علاتی کے قریب تر ہے لہٰذا برادر عینی کو ترجیح دیجائیگی علیٰ ہذا القیاس خواہر عینی جو ایک مان باپ سے ہو (جب اُسکے ساتھ کوئی بیٹی بھی موجود ہو) برادر علاتی پر ترجیح رکھتی ہے اور برادر عینی کا بیٹا برادر علاتی کے بیٹے پر ترجیح رکھتا ہے! صاحب درالمختار نے اِس حدیث پیغمبرسے کہ بدرتحقیق وہ اولاد جو ایک مان باپ سے ہو اس اولاد سے بیشتر ورثہ پائیگی جو ایک باپ سے ہو[1] یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جب اقربا نسباً برابر ہون تو قرابت قریبہ کا لحاظ کیا جائیگا۔

عصبات بغیرہ وہ اناث ہین جو صرف اسوقت عصبات ہوجاتے ہین جب اُنکے ساتھ کچھ ذکور بھی موجود ہون یعنی جب اُنکے ساتھ ایک ہی درجہ کے ذکور ہون یا جو درجہ قرابت مین بعید ہون مگر ایک ہی درجہ کے ذکور کے طور پر حصہ پائین۔

ایسے عصبات چار ہین

(۱) بیٹیان (بیٹون کے ساتھ)

(۲) پوتیان (پوتے یا پروتے یا سرپوتے وغیرہ کے ساتھ)

(۳) خواہر عینی (اپنے برادر عینی کے ساتھ)

(۴) خواہر علاتی جو ایک باپ سے ہو (اپنے بھائی کے ساتھ)

مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر اقربا ذکور بعض حالات مین عصبات ہوجاتی ہین گو اس سے نہین لازم آتا کہ سب صورتون مین انکی بہنین بھی اُنکے ساتھ عصبات ہوجائین۔

عورت عصبہ صرف اُسوقت ہوجاتی ہے کہ جب وہ ذوی الفروض مین سے ہوتی ہے اور جب اُسکے ساتھ کوئی عصبہ ذکور مین سے بھی موجود ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی مسلمان اپنے مرنے کے بعد ایک زوجہ اور ایک چچا اور ایک پھوپھی چھوڑ جائے خواہ وہ پھوپھی اُسکے باپ کی خواہر عینی ہو خواہ خواہر علاتی چونکہ وہ ذوی الفروض مین سے نہین ہے لہٰذا وہ اپنے بھتیجے کے متروکہ مین شرعاً حصہ پانے کی مستحق نہین ہے اور زوجہ کا حصہ دے کر کل جائداد متوفی

[1] درالمختار صفحہ ۸۶۴ سنہ ۱۲۸۶ھ — منہ

چچا یعنی پھوپھی کے بھائی کو ملیگی —

عصبات مع[1] غیرہ وہ عورتین ہین جو اسوقت عصبات ہو جاتی ہین جب اُنکے ساتھ اور عورتین بھی موجود ہوتی ہین — (۱) بہنین بیٹیون یا پوتیون کے ساتھ —

جب کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد چند اقربا چھوڑ جائے جو اقسام مذکورہ بالا مین سے کسی قسم کے عصبات ہو سکتے ہون تو متوفّی سے قرابت قریبہ کو ترجیح دیجائیگی یعنی عصبہ مع غیرہ جب عصبہ بنفسہ کی بنسبت متوفّی سے قرابت قریبہ رکھتا ہو تو ترجیح اُسی کو (عصبہ مع غیرہ کو) دیجائیگی[2] —

مثلاً جب کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایک دختر اور ایک خواہر عینی اور پسر برادر علاتی چھوڑ جائے تو نصف متروکہ اُس دختر کو دیا جائیگا اور نصف خواہر کو جو دختر کے ساتھ عصبہ ہے اور بہ نسبت پسر برادر علاتی کے متوفّی سے قریب[3] تر ہے — علی ہذا القیاس جب بھتیجی کے ساتھ ایک چچا بھی ہو تو چچا کا کوئی حق متروکہ مین نہین ہے — اسی طرح سے جب پھوپھی بھتیجی کے ایک برادر علاتی ہو تو وہ برادر علاتی کچھ نہ پائیگا —

ذوی الارحام

جب ذوی الفروض اور عصبات نہون تو ذوی الارحام اپنے قسم اور اپنے اپنے حقوق کے موافق متوفّی کا ترکہ پاتے ہین —

بعض[4] مولفین نے یہ گمان کیا ہے کہ شوہر یا ازواج بھی ذوی الارحام کو محجوب الارث کر دیتے ہین — یہ غلط ہے — ذوی الارحام جب شوہر یا زوجہ کے ساتھ جمع ہون تو ہمیشہ مورث کی جائداد مین حصہ پائینگے —

ذوی الارحام کی چار قسمین ہین

(۱) بیٹیون کی اولاد یا بیٹے کی بیٹیان یعنے پوتیان —

---

[1] سراجیہ صفحہ ۱۹ — [2] درالمختار صفحہ ۸۶۵ — ۱۲ منہ [3] شاما چرن کی لکچر شرع محمدی پر جلد — ۱ صفحہ ۱۳۵ — ۱۲ منہ
[3] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۹ — ۱۲ منہ [4] شاما چرن کی لکچر شرع محمدی پر جلد — ۱ صفحہ ۱۳۹ — منہ —

(۲) جد[۱] مادری اور جدہ مادری یعنی نانا اور نانی۔

(۳) برادران عینی اور برادران علاتی کی بیٹیاں[۲] و برادران اخیافی کی اولاد اور بہنوں کی اولاد۔

(۴) باپ کے برادران و خواہران اخیافی اور انکی اولاد۔ متوفی[۳] کی پھوپھیاں اور انکی اولاد۔ اسکے ماموں اور خالائیں اور انکی اولاد۔ عینی اور علاتی چچاؤنکی بیٹیاں۔

ذوی الارحام اپنے اقسام کے موافق علی الترتیب ترکہ پائینگے یعنی پہلے قسم کے ذوی الارحام دوسرے اور تیسرے اور چوتھے قسم پر مقدم رہینگے وقس علی ہذا۔

مختلف اقسام کے ذوی الارحام متوفی[۴] کی قرابت کے اعتبار سے ترکہ پائینگے۔ اگر ذوی الارحام درجہ قرابت اور سمت قرابت میں برابر ہوں تو وارث شرعی کی اولاد کو ترجیح دیجائیگی۔ لیکن اگر سمت قرابت میں فرق ہو تو باپ کی طرف کے اقربا ماں کی جانب کے اعزا کے حصہ کا دوچند[۵] حصہ پائینگے۔ اقربائے بعید میں جو اقرب ہوگا وہ اوروں پر ترجیح رکھکر ترکہ پانے کا مستحق ہوگا۔ یعنی مثلاً نواسی بیٹی کی پوتی یعنی پروتی پر[۶] مقدم ہوکر حصہ پائیگی۔

اگر ذوی الارحام درجہ قرابت میں برابر ہوں یعنی سب متوفی سے دوسرے یا تیسرے یا چوتھے درجہ کی قرابت رکھتی ہوں تو وارث شرعی کی اولاد قرابت دار بعید کی اولاد پر ترجیح رکھیگی یعنی ذوی الفروض اور عصبات کی اولاد ذوی الارحام کی اولاد پر ترجیح رکھتی ہے۔ مثلاً بیٹے کی نواسی بیٹی کی نواسی پر ترجیح رکھتی ہے۔ اگر ذوی الارحام درجہ اور سمت قرابت دونوں میں برابر ہوں تو وارث شرعی کی اولاد ترجیح رکھیگی خواہ وہ وارث ذوی الفروض میں سے ہو خواہ عصبات میں سے۔ لکن اگر سمت قرابت میں تفاوت ہو تو باپ کی طرف کا قرابت دار دو حصے[۷] اور ماں کی طرف کا قرابت دار ایک حصہ[۸] پائیگا۔ لکن اگر وہ درجہ قرابت میں برابر ہوں اور انمیں کسی وارث شرعی کی اولاد نہو یا اگر وہ سب بواسطہ کسی وارث شرعی کی قرابت رکھتے ہوں تو امام محمد (جنکے مقلد ہندوستان کے سنی ہیں) کا قول یہ ہے کہ سہام شرعیہ موافق تعداد

[۱] درالمختار صفحہ ۸۷۳–۱۲ [۲] منہ [۳] درالمختار صفحہ ۸۷۰–۱۲ [۴] منہ [۵] فتاوای عالمگیری صفحہ ۶۳۷–۱۲ [۶] منہ [۷] درالمختار صفحہ ۸۷۰–۱۲ [۸] منہ

اور تذکیر و تانیث اُن اشخاص کے مقرر کیے جائینگے جو متروکہ کی تقسیم ہونے کے وقت موجود ہون بشرطیکہ وہ اشخاص جنکے واسطہ سے دعویداران میراث متوفی سے قرابت رکھتے ہین ایک ہی نوع سے ہون یعنی ذکور ہون یا اُناث یا جیسا کہ فقہا کی اصطلاح مین کہا جاتا ہے کہ "وہ بطنکے اصول متحد النوع ہون" (یہانتک تو امام ابو یوسف امام محمد سے متفق ہین)

لکن اگر "اصول مختلف النوع ہوں" یعنی اگر وہ اشخاص جنکے واسطہ سے دعویدار ان میراث متوفی سے قرابت رکھتے ہین مختلف النوع یعنی ذکور و اُناث دونون ہون تو امام محمد کے قول کے موافق جنکی تقلید اس مسئلہ مین ہندوستان کے اہل سنت کرتے ہین سہام شرعیہ دعویداران کے تعداد اور نوع کے موافق نہین مقرر ہوتی بلکہ "اصول" کی تعداد اور نوع کے موافق مقرر ہوتی ہین — امام ابو یوسف کے قاعدہ کے موافق جو زیادہ تر آسان اور معقول ہے اور جسکی پابندی تمام مغربی ایشیا مین کیجاتی ہے جس صورت مین دعویدار درجہ قرابت مین برابر ہون اور انمین کسی وارث شرعی کی اولاد نہو تو جائداد کی تقسیم بلحاظ تعداد اور نوع دعویدارون کے کیجاتی ہے —

علاوہ ورثہ مصرحۂ بالا کے سنیون کے نزدیک حق وراثت بوجہ ولا بھی معتبر ہے[1] — ولا حنفیہ کے نزدیک دو قسم کی ہے — ولاء العتق یعنی حق وراثت جو آزاد کرنے سے حاصل ہوتا ہے — اور ولاء الموالات یعنی حق وراثت جو ولایت سے حاصل ہوتا ہے —

شیعون کے نزدیک تین قسم کی ولا معتبر ہے جنمین سے دو قسمین اُن اقسام کے مشابہ ہین جو سنیون کے نزدیک مسلم ہین — مگر فریقین مین اس مسئلہ مین اتنا اختلاف ہے کہ شیعہ آزاد کنندہ کے حق وراثت کو اسوقت تک ملتوی رکھتے ہین جبتک سب اقربائے نسبی ختم ہوجائین اور سنی آزاد کنندہ کے حق وراثت کو ذوی الارحام کی وراثت پر ترجیح دیتے ہین —

---

[1] سراجیہ صفحہ ۴۰ سے ۱۳۱ تک اور بیلی صاحب کی شرع محمدی صفحہ ۷۰۶ اور فتاوائے عالمگیری صفحہ ۶۳۸ — اور حاشیہ متعلقہ باب ہذا ملاحظہ ہو — ۱۲ منہ ۞ ہدایہ مین لکھا ہے کہ ولا کے لغوی معنی ہوتی

مثلاً اگر کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کردے اور وہ غلام اپنے مرنے کے بعد ذوی الارحام کی قسم سے کچھ ورثہ چھوڑ جائے تو سنیون کے نزدیک آزاد کنندہ ذوی الارحام کو محجوب الارث کردیگا۔ چنانچہ ہدایہ مین لکھا ہے کہ وہ ولاء العتق سے عصوبت پیدا ہوتی ہے یعنی جب کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کرے تو وہ ایسے غلام کا عصبہ ہوجاتا ہے اور اُسکی توریث کا مستحق بترجیح اُسکے ماموں اور پھوپھی اور دیگر ذوی الارحام کے ہوتا ہے [1] پس سنیون مین آزاد کنندہ کو عصبہ بسبب الخاص کہتے ہین۔ جب عاتق یعنے آزاد کنندہ موجود نہو تو اُسکے عصبات ذکور عتیق متوفی کے وارث ہوتے ہین عصبات اُناث وارث نہین ہوتے۔ مگر اناث جب اُسکے وارث ہوتے ہین کہ جب خود انھون نے اُس غلام کو آزاد کیا ہو۔ اگر عتیق متوفی نے کوئی وارث ذوی الفروض مین سے یا عصبہ النسبی نہ چھوڑا ہو تو اُسکی کل جائداد عصبہ بالولا کو ملیگی یعنی آزاد کنندہ کو یا اُسکے عصبات ذکور کو۔ اور اُسکے ذوی الارحام بالکل محجوب الارث رہینگے۔ اگر اُسنے کوئی وارث ذوی الفروض مین سے چھوڑا ہو تو عصبہ بالولا کو کچھ نہ ملیگا۔

شیعون کے نزدیک ارث بالولا اُن صورتون سے مخصوص ہے جنھین مالک نے غلام کو برضا ورغبت خود یا بہ نیت ثواب آزاد کیا ہو مگر حنفیہ کے نزدیک یہ خصوصیت معتبر نہین ہے۔ مثلاً شرایع مین جسکو بابو شاما چرن سرکار نے اپنے لکچر مین سند گردانا ہے لکھا ہے کہ وہ عاتق عتیق کا وارث عموماً ہوتا ہے خواہ اُسنے خدا کی راہ مین خواہ شیطان کی راہ مین غلام آزاد کیا ہو یا اِس شرط سے آزاد کیا ہو کہ وہ عاتق کے اختیار مین رہیگا یا اس شرط سے کہ اُسکی ولا کو نہ لیگا

---

[1] وہ فی لواقع ولا سے مراد وہ خاص اور مصنوعی قرابت ہے جو ایسی حالت مین جیسے عرب کی تمدنی حالت تھی اُسوقت پیدا ہوجاتی تھی جبکہ آقا اپنے غلام کو آزاد کرتا تھا یا جب ایک شخص دوسرے شخص کا موکل بنتا تھا۔ اِن دونون صورتون مین فریقین پر ایک دوسرے کی اعانت کرنا فرض تھا اور ایک صورت مین آقا اور دوسری صورت مین ولی آزاد کردہ غلام یا موکل کی دیت یعنے خون بہا کا ذمہ دار رہتا تھا۔ اور امداد کے ہین مگر اصطلاح فقہا مین اِس سے وہ اعانت مراد ہے جو سبب توریث ہوتی ہے ۱۲ منہ

یا اس شرط سے کہ وہ کوئی جائداد دیگا یا نہ دیگا یا بطور مکاتب کے یا اور اسباب سے ما ما پس خواہ عتیق امور بد خواہ امور نیک کے لیے عمل مین آیا ہو اور خواہ آزادی آزاد کردہ کے ہاتھ بیچ ڈالی ہو خواہ بلاقیمت بخشندی ہو بہرکیف عاتق ہمیشہ عتیق کی توریث کا مستحق ہو گا جس صورت مین کہ عتیق اپنے مرنے کے بعد عصبات نسبی نہ چھوڑ گیا ہو۔ اگر آزاد کرنے کے وقت حق الولا بالتصریح بخشدیا گیا ہو تو بھی یہ امر عاتق کے حق وراثت مین مخل نہ ہو گا۔

مالکیہ کا یہ قول ہے کہ جب کسی برے کام کے لیے غلام آزاد کیا جائے یا جب آزاد کنندہ اپنے حق الولا سے دست بردار ہو جائے، تو وہ عتیق متوفی کی توریث کا مستحق نہین ہے۔

عتیق یعنے آزاد کردہ غلام یا کنیز کسی حال مین عاتق یعنی آزاد کنندہ کی توریث کا مستحق نہین ہے مگر عاتق اور اُسکے عصبات ذکور کی توریث عتیق مین اہل سنت نے ترتیب وراثت مین کچھ تغیر و تبدل کر دیا ہے۔ مثلاً عام مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایک بیٹا اور باپ چھوڑ جائے تو باپ کو اُسکا ایک سہم شرعی یعنی ایک سدس ملیگا اور باقی بیٹے کو ملیگا لیکن اگر کوئی غلام عتیق اپنے مرنے کے بعد کوئی عصبہ نسبی نہ چھوڑے بلکہ صرف اپنے عاتق کے باپ اور بیٹے کو چھوڑ جائے تو عاتق کا بیٹا عتیق متوفی کی کل جائداد پائیگا اور عاتق کے باپ کو کچھ نہ ملیگا۔ یہی جب بھی ہو گا کہ جب عاتق کے بیٹے کے ساتھ اُسکا دادا بھی موجود ہو۔ عام اصول یہ ہے کہ عصبات بسبب الخاص کے توریث مین عصبۂ قریب کل جائداد بہ ترجیح عصبۂ بعید پاتا ہے۔ پس سُنیون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی عتیق اپنے مرنے کے بعد ایک زوجہ اور ایک نواسا اور اپنے عاتق کا بیٹا چھوڑ جائے تو زوجہ اپنا سہم شرعی پائیگی اور باقی عاتق کے بیٹے کو بطور عصبہ بسبب الخاص ملیگا اور عتیق مذکور کا نواسا بالکل محروم رہیگا۔

مگر حق اُن اشخاص کا جو ولاء الموالات کی وجہ سے مستحق توریث ہون اُسوقت تک ملتوی رکھا جائیگا جبتک اور سب ورثہ ختم ہو جائین۔ پس ولاء الموالات سے ذوی الارحام محجوب الارث

سلہ ہدایہ کتاب ۴۳ ۔ ۱۲ ۔ منہ

نہین ہوجاتے جیسا ولاء العتق مین ہوتا ہے - شافعیہ اس قسم کی ولا کو ایک قسم کا فریب
بیت المال سے سمجھکر ناجائز اور حرام جانتے ہین -

یہانتک تو وہ طریقہ تقسیم اور وہ اصول وراثت جو اہل سنت مین جاری ہین بیان کیے گیے
جس سے ناظرین کو یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ سنیون کے قواعد میراث نہایت پیچیدہ ہین - مگر بخلاف
اسکے شیعون کا قانون میراث نہایت ہی آسان ہے اور اسمین کوئی بحث عصبات اور ذوی
الارحام کے حقوق مین نہین کرنی پڑتی - شیعہ اور سنی کے قانون میراث مین سبت بڑا اختلاف
مسئلہ تعصیب مین ہے - شیعہ تعصیب کے بالکل منکر ہین اور انکے نزدیک اقرباے پدری
جنکو فقہ حنفی مین عصبات حقیقی کہتے ہین کوئی خاص حق نہین رکھتی ہین نہ اقرباے مادری پر
کچھ ترجیح رکھتی ہین - جو طریقہ تقسیم ورثہ کا سنیون نے اختیار کیا ہے اسکو شیعہ انسان کی
طبیعی مروت کے سراسر خلاف جانتے ہین -

مثلاً شیعہ اسکو بالکل خلاف انصاف سمجھتے ہین کہ بیٹی کی اولاد بھائی کی اولاد کے سامنے
صرف اسوجہ رکیک سے محجوب الارث کردیجاے کہ بھائی کی اولاد متوفی کے اقرباے پدری
مین سے ہے - شیعون کے نزدیک اسباب توریث دو ہین - (۱) نسب یعنی خون کا شریک
ہونا - (۲) سبب - نسب سے صرف مشارکت خون مراد ہے - پس تمام اقرباے نسبی
متوفی کے اسکے ترکہ مین حصہ پانے کے مستحق ہین الا اسکہ وہ قواعد مانع توریث ہون جنکا ذکر
آئندہ کیا جائیگا -

اقرباے نسبی یعنی وہ لوگ جو مشارکت خون کی وجہ سے متوفی کے وارث قرار دیے گئے ہین
تین طبقون پر منقسم ہین اور ہر طبقہ کے دو دو جزو ہین - مثلاً -

(الف) طبقۂ اولی کے ورثہ مین جو ازروی نسب مستحق توریث ہین یہ لوگ داخل ہین -
(۱) آباے علوی پہلے درجہ کے یعنی والدین - (۲) - اولاد سفلی یعنی اولاد اور اولاد کی اولاد
اِنہین تمام اولاد احفاد متوفی کی داخل ہے -

(ب) طبقۂ ثانیہ میں یہ لوگ داخل ہیں۔ (۱) سب درجوں کے آبائے علوی یعنی اجداد جیسے دادا پردادا وغیرہ (۲) بھائی اور بہنیں اور انکی اولاد۔

(ج) طبقۂ ثالثہ میں۔ (۱) چچا اور پھوپھیاں (۲) ماموں اور خالائیں اور انکی اولاد داخل ہے۔ اگر طبقۂ اولی کا ایک وارث بھی موجود ہو تو وہ طبقۂ ثانیہ اور طبقۂ ثالثہ کے ورثہ کو بالکل محجوب الارث کردیگا۔ علی ہذا القیاس اگر طبقۂ ثانیہ کے ورثہ کے ساتھ طبقۂ ثالثہ کے ورثہ موجود ہوں تو طبقۂ ثالثہ والوں کو کچھ نہ ملیگا۔ مگر ہر طبقہ کے دونوں جزوں کے ورثہ یکجا وارث ہوتے ہیں۔ مثلاً والدین متوفی کی اولاد کے ساتھ اسکی متروکہ میں حصہ پاتے ہیں اور دادا دادی بھائی بہنوں کے ساتھ پاتے ہیں اور ماموں اور خالائیں چچا اور پھوپھیوں کے ساتھ پاتے ہیں۔ اولاد اور اولاد کی اولاد بھائی بہنوں اور انکی اولاد کو محجوب الارث کردیتی ہے۔ مگر وہ اجداد یعنی دادا پردادا وغیرہ کے ساتھ حصہ پاتے ہیں۔

اگر کوئی سنی مسلمان اپنے مرنے کے بعد ایک نواسی اور ایک بھتیجا چھوڑ جائے تو بھتیجا بطور عصبہ کے اسکی کل جائداد پائیگا اور نواسی کو ایک حبہ نہ ملیگا۔

مگر شیعوں میں متوفی کی نواسی چونکہ اسکی اولاد کی اولاد ہے لہذا کل جائداد کی وارث ہوگی اور بھتیجے کو کچھ نہ ملیگا۔

اگر کوئی سنی اپنے مرنے کے بعد ایک بیٹی اور ایک بھائی چھوڑ جائے تو بیٹی کو نصف سہم شرعی ملیگا اور باقی بھائی کو بطور عصبہ کے دیا جائیگا۔ مگر شیعوں میں بیٹی کو کل جائداد ملیگی یعنی نصف جائداد اسکا سہم شرعی ہوگا اور نصف مسئلہ رد کے رو سے اسکو ملیگا۔

حق وراثت جو کسی سبب خاص پر مبنی ہو دو قسموں پر منقسم ہے

(۱) وراثت بسبب زوجیت۔

(۲) وراثت بسبب ولا یا قرابت مخصوصہ۔

حق وراثت بسبب زوجیت جملہ حالات میں شخص خاص سے متعلق ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے شوہر یا زوجہ کبھی محجوب الارث نہین ہوتے۔ اگر متوفی ایک زوجہ اور ایک اولاد چھوڑ جائے تو زوجہ کو اسکا سہم شرعی ملیگا اور باقی اولاد کو رداً ملیگا۔ اسی طرح سے جب زوجہ کے ساتھ متوفی کے والدین یا جدین یا بھائی اور بہنین موجود ہون تو زوجہ کا سہم شرعی دیدیا جائیگا بعد اُسکے جائداد اُن ورثہ پر تقسیم ہوگی جو از روی نسب مستحق وراثت ہین۔

(۲) میراث بالولا کی ایک خاص صورت شیعون مین پیدا ہوگئی ہے اور اُسکی وجہ یہ ہے کہ ابتدا مین شیعہ ہمیشہ ایک محکومی کی حالت مین رہے ہے۔

یہ حق تین قسم پر منقسم کیا گیا ہے

(۱) میراث ولی العتق یعنی غلام آزاد کرنے والے کا حق وراثت۔

(۲) ولاء ضامن الجریرہ یعنی حق وراثت جو متوفی کے ضمانتون پر مبنی ہو۔

(۳) ولاء الامام یعنی حق وراثت جو امام زمان کو اِسوجہ سے حاصل ہے کہ وہ ہادی و رہنمای خلق ہے۔ قسم اوّل یعنی ولاء العتق کی ٹھیک نظیر سنیون مین موجود ہے مگر جو حق اِس سے پیدا ہوتا ہے اُسکو فریقین مختلف قسم کا سمجھے ہین۔ مثلاً سنیون کا قول یہ ہے کہ اگر کوئی غلام اپنے آزادی کو خرید لے تو اِس سے اُسکے آزاد کنندہ کی حق وراثت مین کچھ خلل نہ واقع ہوگا اور اگر وہ غلام بعد آزاد ہونے کے مرجائے اور کوئی عصبہ نسبی اپنا نہ چھوڑے تو آزاد کنندہ کو اُسکی کل جائداد ملیگی اور اُس آزاد کردہ غلام کے ذوی الارحام کو کچھ نہ ملیگا۔ مگر شیعون کے نزدیک عاتق عتیق کا وارث صرف چند شرائط معینہ سے ہوتا ہے یعنی۔ (۱) جب عتق عاتق نے بہ رضا و رغبت خود اور بلا اکراہ و اجبار کیا ہو۔ مگر جب دیت لیکر غلام کو آزاد کیا ہو یا جب کوئی نذر ادا کرنے کے لیے اُسکو آزاد کیا ہو یا خوشنودی خدا کے واسطے آزاد کیا ہو یا جب اُسکو حکم شرع سے آزاد کیا ہو تو اِن سب صورتون مین عاتق کوئی حق وراثت نہین رکھتا ہے۔

(۲) عاتق عتیق کا وارث صرف اُسوقت ہوسکتا ہے کہ جب عتیق کے اقربا نسبی مین سے کوئی موجود نہو

(۳) جب آزاد کرنے کے بعد مالک آزاد کردہ غلام کی ضمانتوں کا ذمہ دار رہے تب بھی اسکا وارث ہوگا۔ اگر عاتق کی ذمہ داری حکم شرع سے یا کسی خاص معاہدہ کے رو سے جو آزاد کرنے کے وقت ہوگیا ہو جاتی رہی ہو تو عاتق کا کوئی حق عتیق کی جائداد مین نہ باقی رہیگا جبکہ عتیق کے اقربائے نسبی موجود ہون۔

ولاء ضامن الجریرہ بعض اعتبارات سے حنفیہ کے ولاء الموالات سے مشابہ ہے اور شیعوں کے نزدیک تو ایسا کوئی حق ہی نہین ہے۔ مسئلہ ولاء ضامن الجریرہ کی اصل حقیقت از روے تواریخ دیکھی جائے تو بخوبی معلوم ہوجائیگا کہ زمانہ سابق مین مسلمانون کے اطوار و تمدنی حالات کی کیا کیفیت تھی۔ بعض حالات تمدن مین یہ دستور ہوتا ہے کہ جب کوئی مسافر کسی غیر شہر مین وارد ہوتا ہے تو اسکو اپنے چال چلن کی ضمانت دینی پڑتی ہے۔ چنانچہ قرن اوسط یعنی زمانہ جاہلیت مین یورپ کے شہرون مین بھی یہ دستور جاری تھا اور اسمین کچھ شک نہین ہے کہ ایسا ہی کوئی دستور ممالک ایشیا مین بھی جاری تھا جس سے مسئلہ ولاء ضامن الجریرہ پیدا ہوا ہے یعنی حق وراثت جو ضمانت پر مبنی ہو یہ دستور خلفائے عباسیہ کے عہد خلافت مین بخوبی معین و مشخص ہوگیا تھا کہ جو مسافر ملک خراسان سے شہر بغداد مین وارد ہوتے تھے اُنسے خلفاے مذکورین نیک چال چلن کی ضمانت ضرور لے لیتے تھے۔ اور جو لوگ اُنکی ضمانت کرتے تھے وہ حاکم وقت سے اُس جرم کے ذمہ دار و جواب دہ رہتے تھے جو اُنسے صادر ہوتا تھا اور اُسکے معاوضہ مین اُن مسافرون کے وارث قرار پاتے تھے اگر وہ لاوارث مرجاتے تھے۔ مگر یہ حق باہمی نہ تھا نہ ایک سے دوسرے کو اور دوسرے سے تیسرے کو ملنے کے قابل تھا۔

جب ولی العتق اور ضامن الجریرہ نہ موجود ہون تو شیعون مین امام زمان مستحق وراثت

لے مامون الرشید کے عہد خلافت مین حضرت امام موسی رضا سب شیعون کے ضامن ہوتے تھے اسی وجہ سے انکو امام ضامن کہتے ہین۔ اور اسی زمانہ سے یہ دستور ہوگیا ہے کہ جو شخص اپنے وطن سے جاتا ہے یا کوئی دور دراز سفر کا عزم کرتا ہے اُسکے بازو پر امام ضامن کا روپیہ وغیرہ باندھکر امام ضامن علیہ السلام کے سپرد کر دیتے ہین۔ ۱۲ منہ

ہوتا ہے کیونکہ شیعون کے نزدیک بیت المال کوئی چیز نہین ہے جسمین لاوارث کی جائداد ضبط ہو کر
داخل کیجائے۔ امام زمان کا حق وراثت اُس قسم کا نہین ہے کہ کہا جائے کہ لاوارث کی جائداد
ضبط ہو کر حاکم وقت کو دیدیگئی ہے۔ بلکہ وہ جائداد اُسکو اس حیثیت سے دیجاتی ہے کہ وہ
شیعون کے نزدیک خلیفہ رسول صلعم اور امام زمان ہے اور اُس جائداد کو وہ اُس مقام کے غربا و
مساکین پر تقسیم کر دیتا ہے جہان وہ لاوارث شخص سکونت رکھتا تھا یا جہان وہ پیدا ہوا تھا
غیبت امام کی زمانہ مین جیسا یہ زمانہ ہے کہ شیعون کے اعتقاد مین بارھوین امام قدرت
خدا سے کوہ کے قریب غائب ہو گئے ہین لاوارث کی جائداد نائب امام یعنی مجتہد العصر کو ملیگی جو حاکم
شرع ہوتا ہے اور وہ اُسکو اُس مقام کے غربا و مساکین پر تقسیم کر دیگا جہان اُس لاوارث کی بود
و باش تھی یا اُسکی وصیت کے موافق اُس جائداد کو کسی کار خیر یا کسی مذہبی کام مین لائیگا۔

پس حق امام زمان حق حاکم وقت نہین ہے بلکہ حق خلیفہ رسول صلعم پیشوائے خلق ہے لہذا معمولی
حد سماعت اُسمین عارض ہو سکتی ہے۔ ہندوستان مین جب کوئی شیعہ بالکل لاوارث مرجاتا ہے
یعنی طبقہ ہائے مذکورہ بالا مین سے کسی طبقہ کا وارث اُسکا نہین پایا جاتا تو اُسکی جائداد اُسکے
مولد و مسکن کے قریب ترشہر کے مجتہد کو بحیثیت نائب امام ملتی ہے۔ لکن فرض کیجیے کہ لاوارث
کی وفات سے بارہ سال کی میعاد کے اندر کسی نے اُسکے حق کا دعویٰ نہین کیا یا اُسکی پیروی
نہین کی تو اس صورت مین قانون حد سماعت جو اور اشخاص کے دعاوی سے متعلق ہے
وہی اُس سے بھی متعلق کیا جائیگا۔

اِس مسئلہ مین ایران کے ایک مجتہد کا فتویٰ جو جامع الشتات مین لکھا ہے بیان کرنے کے قابل ہے
سوال۔ جو شخص غیبت امام مین لاوارث مرجائے اُسکا مال کیا کیا جائے۔ آیا وہ مال
اُس مقام کے غربا و مساکین پر تقسیم کر دیا جائے جہان وہ پیدا ہوا تھا یا جہان اُسنے وفات
کی تھی یا جہان وہ مال واقع ہے۔ یا وہ مال عموماً غربا کو دیدیا جاوے یا خاص کامون مین
صرف کیا جائے یا تا ظہور امام محفوظ رکھا جائے۔ اگر وہ غربا کو دیدیا جائے تو ایک شخص کو

دیدیا جائے درآن حالیکہ اور غربا بھی موجود ہون یا بہت سے اشخاص پر تقسیم کردیا جائے۔ اور
آیا وہ مال بعینہٖ غربا کو دیدیا جائے یا اسکو فروخت کرکے اسکی قیمت تقسیم کردیجائے۔

جواب ۹۵ لاوارث کا مال بیت المال مین نہین جائیگا — وہ امام زمانؑ کا مال ہے خواہ وہ غائب ہون خواہ ظاہر۔ اگر متوفی کا کوئی بھی وارث موجود ہوتی کہ ضامن الجریرہ تو امام اسکا وارث نہوگا۔ اگر امام غائب ہو تو متوفی کا مال اسکے وطن کے غربا و مساکین پر تقسیم کردیا جائے اگر مجتہد کے نزدیک مناسب ہو تو اسکو فروخت کرنا جائز ہے علی الخصوص جب وہ غربا کے کام کا نہو۔ جب بہت سے غربا ہون تو ایک کو دینا مکروہ ہے گو شرعاً حرام نہین ہے۔ ایسی صورتون مین تقسیم حاکم کے حکم کے موافق ہونی چاہیئے کہ وہ نائب امام ہے۔ کفایہ مین بھی لکھا ہے با
جواب مذکور مین حاکم کے لفظ سے ظاہر ہے کہ لاوارث کی جائداد کے انتظام مین مجتہد قاضی کا کام کرتا ہے۔ اُن ممالک شیعہ مین جہان کسی غیر قوم کی حکومت نہین ہے مجتہد یا حاکم شرع کو اکثر قاضی کے اختیارات بھی دیدیے جاتے ہین۔ جہان یہ ہوتا ہے وہان شیعون کی شرع کے اصول کو جاری کرنا کچھ مشکل نہین ہوتا۔ مگر ہندوستان مین ایک غیر مسلم قوم کی حکومت ہے پس یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس شخص کی ہدایت سے لاوارث کا مال شیعون کی شرع کے موافق تقسیم کیا جائے۔ ہمارے نزدیک اس سوال کا جواب اُس فتوے مین موجود ہے جو جامع الشتات سے نقل کیا گیا ہے۔ عدالت دیوانی وہ حاکم نجابیگی جسکا ذکر اس فتوے مین ہے اور اُس جائداد کو لیکر مجتہد کو (اگر کوئی ہو) حوالہ کردیگی یا عدالت مذکورہ کے خاص اختیار اور نگرانی مین لاوارث کے وطن کے غربا و مساکین پر تقسیم کردیجائیگی تاکہ اسمین کچھ شک و شبہہ نہ باقی رہے کہ وہ جائداد اسی خاص کام مین صرف کی گئی۔ اگر کوئی مجتہد موجود ہو تو کوئی شیعہ عہدہ دار گورنمنٹ مقرر کردیا جائے کہ اُس جائداد کو تقسیم کردے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ شرع کا منشا یہ نہین ہے کہ اُس جائداد کا محاصل صرف بطور خیرات کے تقسیم کردیا جائے۔ شرع کا منشا صرف غربا و مساکین کی نفع رسانی ہے۔

پس اگر یہ مقصد کسی مدرسہ وغیرہ کے قائم کرنے سے بر آئے جس سے غربا کو ایک مستقل فائدہ پہونچے تو یہ بھی جائز ہے —

شیعون کے نزدیک ورثہ چاہے کسی طبقۂ اقربا ، نسبی سے ہون باعتبار اُس حق کے جس سے وہ متوفی کی جائداد مین حصہ پانے کے مستحق ہوتے ہین تین قسم پر منقسم ہین —

(۱) وہ ورثہ جنکا حق وراثت بُعہ سہام شرعیہ کے سبب سے حاصل ہوتا ہے جو انکو کلام اللہ مین دیے گئے ہین — اسی وجہ سے اُنکو ذو فرض کہتے ہین —

(۲) وہ ورثہ جو بعض اوقات بطور ذو فرض کے اور بعض اوقات اُس قرابت کی وجہ سے جو وہ متوفی کے ساتھ رکھتے ہین ترکہ پاتے ہین —

(۳) وہ ورثہ جو صرف قرابت کی وجہ سے مستحق توریث ہوتے ہین لہذا انکو ذو القرابت اور اُنکے حصون کو سہام القرابت کہتے ہین —

ورثہ ذو فرض جو سہام شرعیہ کے مستحق ہین یہ ہین

(۱) بیٹے یا بیٹیان جب متوفی کا باپ موجود نہو اور متوفی کا برادر عینی یا برادران عینی —

(۲) عینی بہن یا بہنین یا علاتی بہن یا بہنین جب دادا اور بھائی یا اُس طبقے کے بھائی جس طبقہ کے وہ خود ہون موجود نہون —

(۳) باپ جب متوفی کی ایک یا کئی اولاد موجود ہون —

(۴) مان —

(۵) شوہر یا زوجہ

سلہ مثلاً اقربائے نسبی مین سے مان وہ وارث ہے جو اپنا سہم شرعی پاتی ہے اور درصورت نہونے دیگر ورثہ کے باقی جائداد بھی پاتی ہے — شوہر اور زوجہ بھی اس قسم کے وارث ہین اور ہر حال استثناءً ذو فرض صورتون کے اپنے سہام شرعیہ ہمیشہ موافق نص قرانی پاتے ہین — ۱۲ منہ سلہ مثلاً باپ اور بیٹے یا بیٹیان اور ایک یا کئی عینی بہنین اور اخیافی بھائی اور بہنین — ۱۲ منہ

(۷) اخیافی بھائی یا بہنیں جنکے ایک ماں اور کئی باپ ہوں۔

جب ایک ہی وارث ہو خواہ وہ ذو فرض ہو خواہ ذو قرابت خواہ خاص قرابت سببی کی وجہ سے مستحق وراثت ہو تو کل ترکہ اُسی کو ملیگا۔ جب وارث ذو فرض ہو تو مرد ہو یا عورت اپنا سہم شرعی پائیگا بعد اُسکے ما بقی اُسکو ردًّا ملیگا۔ جب وارث ذو قرابت ہو تو قرابت نسبی کی وجہ سے کل ترکہ اُسکو ملیگا اور جب قرابت کسی سبب سے پیدا ہوئی ہو تب بھی ایسا ہی ہوگا۔ مثلاً اکلوتی بیٹی کو اسکا سہم شرعی یعنی نصف ملیگا اور باقی ماندہ بھی اُسکو ردًّا ملیگا۔ اکلوتا بیٹا حق قرابت کی وجہ سے کل ترکہ پائیگا کیونکہ شرع میں کوئی خاص حصہ اُسکو نہیں دیا گیا ہے۔ جب متوفی عورت ہو اور کوئی عزیز نہ چھوڑ جائے سوائے شوہر کے جو سبب زوجیت سے اُسکی توریث کا مستحق ہے تو شوہر کل ترکہ پائیگا۔ پہلے اپنا خاص حصہ اور پھر ما بقی ردًّا۔ جب دو یا زیادہ ورثہ ذو فرض نہوں بلکہ ورثہ قرابتی یا سببی ہوں تو وہ اپنے اپنے حقوق کے موافق ترکہ پائینگے۔ مثلاً جب دو بیٹے ہوں تو وہ جائداد کو برابر نصف نصف تقسیم کر لینگے۔ جب ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو بیٹے کو دو ثلث اور بیٹی کو ایک ثلث ملیگا۔ جب متعدد ورثہ ہوں اور بعض اُنمیں سے اقربائے پدری اور بعض اقربائے مادری ہوں تو ہر ایک وارث اُس شخص کا حصہ پائیگا جسکے واسطہ سے وہ متوفی کا قرابت دار ہے۔ مثلاً جب چچا اور پھوپھیاں اور ماموں اور خالائیں دونوں موجود ہوں تو اقربائے پدری دو ثلث اور اقربائے مادری ایک ثلث پائینگے۔ جب ذوی الارحام خود مختلف اقسام کے ہوں تو ہر قسم کے ذوی الارحام کو اُنکی نوع یا حقوق شخصی کے موافق حصہ ملیگا۔ مثلاً اگر متوفی کئی چچا اور پھوپھیاں چھوڑ گیا ہو تو دو ثلث اُن سب کو بالمجموع ملیگا۔ مگر وہ دو ثلث اُنپر اُس نسبت سے تقسیم کیا جائیگا جو دو کو ایک سے ہے تاکہ ذکور کو اناث کا دوچند حصہ ملے۔ ورثۂ نسبی کی اولاد اگر محجوب الارث نہو گئی ہو تو اپنے والدین متوفی یا محجوب کے قائم مقام ہو کر اُنکا حصہ پائیگی۔ مثلاً کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد بیٹے کی اولاد اور بیٹی کی اولاد چھوڑ جائے

تو بیٹے کی اولاد دو ثلث [1] لیکر اپنے حصون کے موافق تقسیم کریگی اور بیٹی کی اولاد ایک ثلث یعنی اپنی ماں کا حصہ لیکر اسی طرح تقسیم کریگی — جب دو یا زیادہ ورثہ ہون اور انمین سے بعض ذو فرض اور بعض ذو قرابت ہون تو ذو فروض اپنا اپنا حصہ لے لینگے تب باقی ذو قرابت پر تقسیم کردیا جائیگا — جب چند اقرباے کامل القرابت [1] اور چند ناقص القرابت [2] ہون تو اقرباے مادری ایک ثلث لیکر بلا لحاظ نوع یعنی ذکور و اناث باہم برابر تقسیم کرلینگے (اگر ایک ہی قرابت دار مادری ہو تو ایک سدس کل پائیگا خواہ مرد ہو خواہ عورت) اور باقی اقرباے کامل القرابت مین بتعداد رؤس تقسیم کیا جائیگا اور اقرباے پدری بالکل محجوب الارث رہینگے —

مثلاً اگر متوفی نے چند برادران و خواہران عینی اور چند برادران و خواہران علاتی یا اخیافی چھوڑے ہین تو برادران و خواہران اخیافی ایک ثلث لیکر بلا امتیاز تذکیر و تانیث باہم برابر تقسیم کرلینگے — اگر صرف ایک ہی برادر اخیافی یا ایک ہی خواہر اخیافی ہو تو اسکو ایک سدس ملیگا — اور باقی برادران و خواہران عینی پر دو اور ایک کی نسبت سے تقسیم کیا جائیگا اور برادران علاتی محجوب الارث رہینگے — اقرباے پدری جبھی ترکہ پاتے ہین جبکہ اقرباے کامل القرابت موجود نہین ہوتے —

مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایک برادر علاتی اور ایک خواہر عینی چھوڑ جاے تو خواہر عینی برادر علاتی کو بالکل محجوب الارث کردیگی — یہ قاعدہ سب صورتون جاری ہوگا —

شوہر اور زوجہ کبھی محجوب الارث نہین ہوتے گو زوجہ کو کبھی رد نہین ملتا مگر شوہر کو رد ملتا ہے —

جب ورثہ ذکور و اناث ایک ہی درجہ قرابت کے اور ایک ہی طبقہ کی قرابت نسبی مین سب برابر ہون تو بیٹے کو دو چند بیٹی کا ملیگا — یعنی بیٹا بیٹی کا دو چند اور پوتا پوتی کا دو چند پائیگا وقس علی ہذا — مگر اقرباے مادری اس قاعدہ کلیہ سے مستثنی ہین — یعنی برادران و خواہران اخیافی ایک ثلث جو انکو ملیگا اسکو بلا امتیاز ذکور و اناث برابر آپسمین تقسیم کرلینگے —

جب چند اقرباے پدری اور چند اقرباے مادری ہون اور دونون قسم کے اقربا درجہ قرابت

---

[1] یعنی ماں باپ دونون کی طرف سے ۱۲ — [2] یعنے صرف ماں یا فقط باپ کی جانب سے ۱۲ —

اور طبقۂ وراثت مین برابر ہون تو دونون قسم کے اقربا اپنے اپنے حصے لیکر باقی کو باہم رسدی تقسیم کر لینگے۔ مثلاً اگر متوفی نے ایک خواہر علاتی اور ایک خواہر اخیافی چھوڑی ہے تو دونون بہنین اپنا اپنا حصہ پائینگی یعنی ایک نصف اور ایک سدس اور باقی ایک ثلث ان کے حصون کی نسبت سے اُنپر تقسیم کر دیا جائیگا۔

جہانتک سہام شرعیہ متعلق ہین چھ حصے ہین۔ یعنی نصف ½ ۔ ربع ¼ ۔ ثمن ⅛ ۔ ثلث ⅓ ۔ دو ثلث ⅔ ۔ اور ایک سدس ⅙ ۔

نصف ½ ورثہ ذیل کو ملتا ہے۔

(۱) (الف) شوہر کو جب اولاد نہو۔

(ب) خواہر عینی کو جب اور ورثہ نہون۔

(ج) دختر کو جب ایک ہی ہو

(۲) ربع ¼ ورثہ ذیل کو ملتا ہے۔

(الف) شوہر کو جب اولاد ہو۔

(ب) زوجہ کو جب کوئی اولاد نہو۔

(۳) ثمن ⅛ زوجہ یا ازواج کو ملتا ہے جب اولاد یا اولاد کی اولاد ہو چاہے سلسلہ جہانتک چلا جائے۔

(۴) ثلث ⅓ ورثہ ذیل کو ملتا ہے۔

(الف) برادران و خواہران اخیافی کو جب دو یا زیادہ ہون۔

(ب) مان کو جب متوفی نے کوئی اولاد نہ چھوڑی ہو یا دو یا زیادہ[۱] بھائی یا ایک بھائی اور دو بہنین نہ چھوڑی ہون۔

---

[۱] اگر اولاد ہو یا دو یا زیادہ بھائی یا ایک بھائی کئی بہنین ہون تو مان کا حصہ ⅙ رہجاتا ہے گو بھائیون اور بہنون کو کچھ نہین ملتا۔

(۵) دو ثلث ⅔ ورثۂ ذیل کو ملتے ہین —

(الف) دو یا زیادہ بیٹیون کو جب کوئی بیٹا یا بیٹے نہون —

(ب) دو یا زیادہ عینی بہنون کو جب برادران عینی یا برادران علاتی نہون —

(۶) ایک سدس ⅙ ورثۂ ذیل کو ملتا ہے —

(الف) باپ اور ماں کو جب متوفی کی اولاد صلبی[1] موجود ہو —

(ب) مان کو جب دو یا زیادہ برادران عینی یا ایک اور عینی اور کئی خواہران عینی موجود ہون (یا ایک برادر علاتی اور کئی خواہران علاتی موجود ہون اور خود باپ بھی زندہ ہو)

(ج) ایک ہی اولاد کو جو ایک ہی مان سے ہو خواہ وہ اولاد ذکور ہو خواہ اناث یعنی ایک برادر اخیافی یا ایک خواہر اخیافی ہو —

میراث الانساب یعنی توریث اقربائے نسبی کی

۱ — وہ ورثہ جو نسب کی وجہ سے مستحق وراثت ہین اور جنکا ذکر سابق مین ہو چکا ہے تین طبقون پر منقسم ہین —

۲ — طبقۂ اولی کے درثہ مین متوفی کی اولاد حقیقی اور اولاد صلبی داخل ہے —

۳ — جب باپ اکیلا ہوتا ہے تو سارا ترکہ اُسی کو ملتا ہے —

۴ — جب مان اکیلی ہوتی ہے تو سارا ترکہ پاتی ہے — یعنی ایک ثلث اپنا سہم شرعی اور باقی ردًا — (سنیون کا قول بھی یہی ہے)

۵ — جب باپ اور مان دونون موجود ہون تو مان کو ایک ثلث اور باقی ماندہ باپ کو ملیگا — (سنیون کے نزدیک بھی یہی ہے)

۶ — جب متوفی کے مرنے کے بعد باپ اور مان اور دو بھائی ہون[2] تو مان کو ایک سدس اور باپ کو باقی ملیگا اور بھائیون کو کچھ نہ ملیگا —

---

[1] اس لفظ مین اولاد کی اولاد اور اُسکی اولاد بھی داخل سمجھنی چاہیئے ۱۲ [2] یا ایک بھائی اور دو بہنین یا چار بہنین ۱۲ منہ

(سنیون کے مذہب مین بھی یہی ہے)

۷ — جب ماں اور باپ کے ساتھ اولاد بھی موجود ہو تو ایک سدس ماں کو اور ایک سدس باپ کو ملیگا —

(یہی سنیون کے مذہب مین بھی ہے)

۸ — جب ایک بیٹا ہو تو وہ کل ترکہ پائیگا — اگر کئی بیٹے ہوں تو وہ ترکہ کو آپسمین برابر تقسیم کرینگے —

(یہی سنیون کے مذہب مین بھی ہے)

[شیعون کے مذہب مین ترجیح اولاد اکبر کا اصول کسیقدر معتبر ہے اور انکا یہ قول ہے کہ سب سے بڑا بیٹا اپنے پدر متوفی کی تلوار اور قرآن اور لباس فاخرہ اور اور لباس پانے کا مستحق ہے — اِسکو انکی اصطلاح مین حبوہ کہتے ہین]

۹ — جب ایک ہی بیٹی ہو تو وہ کل ترکہ پائیگی — نصف سہم شرعی کے طور پر اور نصف ردًّا — جب دو یا زیادہ بیٹیاں ہوں تو اُنمین متروکہ برابر تقسیم ہوگا یعنی دو دو ثلث بطور سہم شرعی اور ایک ایک ثلث ردًّا

(سنیون کے مذہب مین کل متروکہ اُنکو جبھی ملیگا کہ جب اور ورثہ نہ ہون)

۱۰ — جب والدین یا اُنمین سے ایک اولاد کے ساتھ جمع ہو تو ہر ایک کو والدین مین سے ایک سُدس ملیگا — اور باقی برابر تقسیم ہوگا بشرطیکہ وہ سب ذکور ہون لکن اگر اُنمین ایک یا کئی اناث ہون تو ہر مرد کو عورت کا دوچند ملیگا —

(یہی سنیون کے مذہب مین بھی ہے)

۱۱ — جب متوفی کا شوہر یا زوجہ اُسکے والدین اور اولاد کے ساتھ جمع ہو تو شوہر یا زوجہ کا حصہ کم ہو کر $\frac{1}{4}$ اور $\frac{1}{8}$ رہجائیگا اور والدین کو اُنکا پورا حصہ ملیگا اور باقی اولاد پائیگی —

(یہی سنیون کے مذہب مین بھی ہے)

۱۲ — جب والدین کے ساتھ ایک بیٹی موجود ہو تو ہر ایک کو والدین مین سے ایک سُدس ملیگا اور بیٹی کو ایک نصف ملیگا اور باقی اُنمین رسدی تقسیم کیا جائیگا یعنی والدین کو $\frac{1}{5}$ اور بیٹی کو $\frac{3}{5}$ ملیگا —

(سینوں کے مذہب میں مابقی کل باپ ہی کو ملیگا)

۱۳۔ جب والدین کے ساتھ ایک دختر یا برادران حقیقی متوفی کے جمع ہوں تو ہر ایک کو والدین میں سے ایک سدس اور بیٹی کو ایک نصف ملیگا اور باقی متوفی کے باپ اور بیٹی کے درمیان ایک اور تین کے نسبت سے تقسیم ہو جائیگا۔

(سینوں کے مذہب میں مابقی کل باپ ہی کو ملیگا)

۱۴۔ جب والدین ایک دختر اور شوہر کے ساتھ جمع ہوں تو والدین اور شوہر کے حصے سے کم ہو کر ملینگے اور مابقی دختر کو ملیگا۔ اور شوہر کو ایک ربع اور ہر ایک کو والدین میں سے ایک سدس اور مابقی ۵/۱۲ دختر کو ملیگا۔ لیکن اگر متوفی مرد ہو اور ایک زوجہ اور ایک دختر اور والدین چھوڑ جائے تو وہ سب اپنے اپنے حصے پائینگے یعنی ایک ثمن اور ایک نصف اور دو سدس اور مابقی والدین اور دختر میں رسدی تقسیم ہو جائیگا۔

(سینوں کے مذہب میں پہلی صورت میں سب ورثہ کے حصص میں بالنسبت کمی ہو جائیگی اور وہ کمی صرف دختر ہی پر نہ عائد ہوگی۔ اور دوسری صورت میں مابقی کل باپ ہی کو ملیگا)۔

۱۵۔ صورت مذکورہ بالا میں اگر بھائی[1] ورثہ مذکورہ کے ساتھ جمع ہوں تو مابقی صرف پدر و دختر میں تقسیم ہو جائیگا۔

۱۶۔ جب دو یا کئی بیٹیاں اور ماں باپ میں سے ایک ہو تو ماں یا باپ کو اسکا سہم شرعی ایک سدس ملیگا اور بیٹیوں کو انکا سہم شرعی دو ثلث ملیگا اور باقی انکو چار اور ایک کی نسبت سے رداً ملیگا۔

۱۷۔ اگر متوفیہ کے بعد اسکا شوہر اور والدین زندہ رہیں تو شوہر نصف پائیگا اور ماں ایک ثلث اصل متروکہ کا پائیگی اور باقی باپ کو ملیگا۔

(سینوں کے مذہب میں باپ کا حصہ دے کر جو کچھ باقی رہیگا اسکا ایک ثلث ماں کو ملیگا) جب متوفی ایک زوجہ چھوڑ جائے تب بھی یہی ہوگا۔

---

[1] یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار بہنیں ہوں ۱۲۔ منہ

قائم مقامی اولادین لیجاتی ہے یعنی اگر اولاد حقیقی نہو تو تقسیم جائداد متوفی مین اولاد کی اولاد اپنے والدین کی قائم مقام ہو کر متوفی کے والدین کے ساتھ ترکہ پاتی ہے —

۱۸ — اولاد صلبی اُن سب کو محجوب الارث کر دیتی ہے جو اُسکے واسطے سے متوفی سے قرابت رکھتے ہون اور اُن اشخاص کو بھی محجوب الارث کر دیتی ہے جو متوفی کے والدین کے واسطے سے اُسکے قرابت دار ہون مگر اُسکے والدین کو نہین محجوب الارث کرتی — مثلاً متوفی کی اولاد اُسکے بھائیون اور اُنکی اولاد کو اور اُسکے اجداد اور اُنکے بزرگون کو اور اُسکے چچا اور مامون اور پھوپھی اور خالہ اور اُنکی اولاد کو محجوب الارث کر دیتی ہے —

دسنیون کے مذہب مین صرف اولاد ذکور صلبی نہ والدین کے قائم مقام توریث مین نہین ہے)

۱۹ — اولاد قریب اولاد بعید کو محجوب الارث کر دیتی ہے — مثلاً جب متوفی ایک دختر اور ایک بٹیا اُس بیٹے یا بیٹی کا چھوڑ جائے جو اُسکی حیات مین مرگیا ہو تو متوفی کی دختر اُسکا کل متروکہ پائیگی اور اولاد قریب و بعید کے اصول کی پابندی سے اُسکا پوتا یا پوتی یا نواسا یا نواسی کچھ نہ پائیگی —

اِس مسئلہ مین سنیون کا قول نہایت پیچیدہ ہے اور شیعون کے مذہب سے اختلاف عظیم رکھتا ہے — سنیون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر متوفی ایک دختر اور ایک بٹیا اس بیٹے کا چھوڑ جائے جو اُسکی حیات مین مرگیا ہو تو دختر نصف پائیگی اور باقی پوتے کو ملیگا — لکن اگر پوتے کے بدلے پوتیان ہون تو اُنکو ایک ایک سدس ملیگا — اگر دو یا زیادہ بیٹیان ہون تو پوتیان کچھ نہ پائینگی لکن اگر پوتیون کے ساتھ ایک پوتا بھی ہو تو بیٹیون کو دو ثلث ملیگا اور باقی ایک ثلث پوتے اور پوتیون مین اِسطرح تقسیم ہوگا کہ پوتا دو پائیگا اور پوتی ایک پائیگی — مگر بیٹا اُس بیٹے کے بیٹون اور بیٹیون کو بالکل محجوب الارث کر دیتا ہے جو باپ کی زندگی مین مرگیا ہو —

۲۰ — ہر اولاد اُس شخص کا حصہ پاتی ہے جسکے قائم مقام وہ ہے — مثلاً اگر متوفی ایک نواسا یا نواسی چھوڑ جائے تو وہ نواسا یا نواسی اپنی ماں کا حصہ پائیگی خواہ اکیلی ہو خواہ متوفی کے

والدین کے ساتھ جمع ہو - اور سہام شرعیہ نکالکر باقی اُس نواسی یا نواسے کو اُسی طرح ملیگا جسطرح اُسکی ماں کو ملتا اگر وہ زندہ ہوتی - پوتا یا پوتی وہی حصہ پاتی ہے جو اُسکے باپ کو ملتا یعنی کل متروکہ اگر وہ اکیلی ہو یا مابقی اگر اُسکے ساتھ متوفی کے والدین یا شوہر یا زوجہ جمع ہون -

سنیون کے مذہب مین نواسی ذوی الارحام مین داخل ہے لہذا کچھ میراث نہ پائیگی تاوقتیکہ سب عصبات نہ ختم ہو جائین - مثلاً شرع حنفی مین متوفی کا باپ اُسکی نواسی کو بالکل محجوب الارث کر دیتا ہے - مگر شیعہ کے مذہب مین باپ اپنا حصہ ایک سدس پائیگا اور نواسی ایک نصف یعنی اپنی ماں کا حصہ پائیگی اور مابقی تین اور ایک کی نسبت سے اُنمین تقسیم ہو جائیگا -

۲۱ - جب بیٹی کی اولاد بیٹے کی اولاد کے ساتھ جمع ہو تو بیٹے کی اولاد دو ثلث حصہ اپنے باپ کا پائیگی اور بیٹی کی اولاد ایک ثلث حصہ اپنی ماں کا پائیگی -

(سنیون کے مذہب مین بیٹی کی اولاد ذوی الارحام مین داخل ہے لہذا اُسوقت تک ملتوی رکھی جائیگی جبتک ذوی الفروض اور عصبات ختم ہو جائین ———————)

۲۲ - جب بیٹے یا بیٹی کی اولاد کے ساتھ شوہر یا زوجہ بھی موجود ہو تو شوہر یا زوجہ کا حصہ کم ہو کر اُسکو ملیگا یعنی ایک ربع یا ایک ثمن اور باقی بیٹے یا بیٹی کی اولاد پر تقسیم ہو جائیگا - یعنی بیٹے کی اولاد دو ثلث مابقی کا اور بیٹی کی اولاد ایک ثلث لیگی -

بیٹی کی اولاد اپنے حصہ کو باہم اسطرح تقسیم کریگی کہ مرد کو عورت کا دو چند ملیگا -

۲۳ - دادا اور دادی کو کچھ ترکہ نہ ملیگا در آنحالیکہ متوفی کی کوئی اولاد یا اُسکے والدین مین سے کوئی موجود ہو

طبقہ ثانیہ کے ورثہ کی وراثت

۲۴ - اقربائے نسبی کے دوسرے طبقہ مین وہ اجداد داخل ہین جو والدین کے اوپر ہون یعنی (۱) دادا دادی اور اُنکے آباء اور (۲) بھائی بہنین اور اُنکی اولاد -

۲۵ - اگر ایک ہی برادر عینی ہو تو کل ترکہ وہی پائیگا - جب کئی برادر عینی ہون تو متروکہ علی السویہ باہم تقسیم کرینگے -

(یہی سینون کا بھی مذہب ہے)

(۲۶) — اگر بھائی اور بہنین ہون تو بھائی بہنون کا دوچند پائینگے —

(یہی قول سینون کا بھی ہے)

(۲۷) — جب برادران عینی اور خواہران عینی نہ ہون تو برادران علاتی اور خواہران علاتی وارث ہوتے ہین اور ترکہ اُسی طور سے تقسیم ہوتا ہے جسطرح برادران و خواہران عینی مین تقسیم ہوتا ہے

(۲۸) — جب برادران و خواہران عینی برادران و خواہران علاتی کے ساتھ جمع ہون تو برادران و خواہران علاتی کو کچھ نہ ملیگا —

(۲۹) — جب متوفی کے مرنے کے بعد ایک برادر اخیافی یا ایک خواہر اخیافی موجود ہو تو وہ بھائی یا وہ بہن پہلے سہم الفرض یعنے ایک سُدس پائیگی بعد اسکے باقی اسکو ردّاً دیگا —

(۳۰) — اگر دو یا زیادہ برادران یا خواہران اخیافی برادران و خواہران عینی کے ساتھ جمع ہون تو برادران یا خواہران اخیافی کو ایک ثلث ملیگا جو اُنہین بلا امتیاز نوع یعنی ذکور و اُناث برابر تقسیم کردیا جائیگا اور باقی برادران و خواہران عینی کو موافق احکام اصل میراث کے ملیگا —

(یہی مذہب سینون کا بھی ہے)

(۳۱) — جب برادران و خواہران اخیافی ایک خواہر عینی کے ساتھ جمع ہون تو برادران و خواہران اخیافی کو ایک ثلث ملیگا اور خواہر عینی کو ایک نصف اور باقی بھی ردّاً اُسی کو ملیگا —

(۳۲) — جب ایک ہی برادر یا خواہر اخیافی اور ایک خواہر عینی ہو تو برادر یا خواہر اخیافی کو ایک سدس ملیگا اور باقی خواہر عینی کو بطور اسکے سہم شرعی کے اور نیز ردّاً ملیگا —

(۳۳) — جب برادران یا خواہران اخیافی اور دو یا زیادہ خواہران عینی ہون تو برادران یا خواہران اخیافی کو ایک ثلث ملکر اُنہین برابر تقسیم ہوجائیگا اور خواہران عینی کو دو ثلث ملینگے —

۳۴ — جب برادران و خواہران عینی نہون تو برادران و خواہران علاتی انکی جگہ پر وارث سمجھے جائینگے —

(یہی سنیون کا بھی قول ہے)

۳۵۔ جد پدری یا جد مادری یعنی دادا یا نانا جب اکیلا ہو اور کوئی اور وارث نہو تو کُل متروکہ پائیگا۔ علیٰ ہذالقیاس جدۂ پدری یا جدۂ مادری یعنی دادی یا نانی۔

۳۶۔ جب اجداد پدری اور اجداد مادری دونوں موجود ہوں تو اجداد پدری کو دو ثلث ملیگا اور اسطرح تقسیم ہوگا کہ مرد کو عورت کا دو چند دیا جائیگا۔ اور اجداد مادری کو ایک ثلث ملیگا اور بلا امتیاز نوع یعنی ذکور و اناث اُنمین برابر تقسیم کردیا جائیگا۔

(سنیون کے مذہب مین کل متروکہ صرف اجداد پدری کو دیا جائیگا)

۳۷۔ جد اور جدۂ پدری (دادا دادی) عام اصول میراث کے موافق حصہ پاتے ہین یعنی مرد کو دو سہم اور عورت کو ایک سہم ملتا ہے۔

(سنیون کا بھی یہی قول ہے)

۳۸۔ جد اور جدۂ مادری (نانا نانی) بلا امتیاز نوع برابر حصے پاتے ہین۔

(سنیون کے مذہب مین جدہ مادری (نانی) کو کل ترکہ ملتا ہے)

۳۹۔ جب برادران یا خواہران اخیافی جد یا جدۂ مادری کے ساتھ یا دونون کے ساتھ جمع ہون تو ثلث جائداد متوفی اُن سب مین برابر تقسیم کردیا جائیگا۔

(سنیون کے مذہب مین جب ایک برادر اخیافی ہو تو اُسکو سدس ملیگا۔ اور جب دو یا زیادہ برادران اخیافی ہون تو اُنکو دو ثلث ملینگے اور باقی جدۂ مادری کو دیا جائیگا)

۴۰۔ جب اجداد پدری اور اجداد مادری برادران و خواہران عینی کے ساتھ جمع ہون یا ایسے بھائی اور بہنون کی اولاد کے ساتھ جمع ہون یا برادران و خواہران اخیافی یا اُنکی اولاد کے ساتھ جمع ہون تو اجداد مادری ایک ثلث پائینگے اور اجداد پدری باقی دو ثلث بھائی اور بہنون یا اُنکی اولاد کے ساتھ پائینگے (تقسیم ترکہ مین بھائی اور بہنون کی اولاد بمنزلہ خود بھائی اور بہنون کے سمجھی جائیگی) یعنی مرد کو دو سہم اور عورت کو ایک سہم ملیگا۔ مثلاً اگر متوفی

دادا اور دادی اور نانا اور نانی چھوڑ جائے اور علاوہ اُنکے اُسکی ماں اور بہن بھی موجود ہون تو اس صورت مین ایک ثلث متوفی کے نانا اور نانی پر برابر تقسیم کردیا جائیگا اور باقی ماندہ دو ثلث اُسکی ماں اور بہن اور دادا اور دادی مین اِسطرح تقسیم کیا جائیگا کہ مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ دیا جائیگا یعنی بھائی اور دادا کے حصے ۴/۱ ہونگے اور بہن اور دادی کے حصے ۲/۱۸ ہونگے۔

۴۱— اجداد پدری و مادری چاہے کیسی ہی بعید القرابت ہون بھائی اور بہنون اور اُنکی اولاد کے ساتھ حصہ پاتے ہین۔ مگر جب کئی اجداد ہون تو جو متوفی سے قریب القرابت ہو وہ بعید القرابت کو محجوب الارث کردیتا ہے۔

۴۲— جب زوجہ یا شوہر بھائی اور بہنون یا اُنکی اولاد کے ساتھ یا اجداد پدری و مادری کے ساتھ جمع ہون تو زوجہ یا شوہر ہمیشہ اپنا پورا حصہ پاتا ہے۔

۴۳— جب ایک خواہر عینی اور ایک برادر یا خواہر اخیافی ہو تو برادر یا خواہر اخیافی کو ایک سدس ملیگا اور باقی خواہر عینی کو کسی قدر بطور سہم شرعی کے اور کسیقدر ردًا دیا جائیگا۔

۴۴— جب خواہر عینی کے بدلے خواہر علاتی ہو تو حصہ دارون کے حصے دینے کے بعد جو کچھ باقی رہے وہ اقربائے مادری اور خواہر اخیافی مین اُنکے حصون کے موافق تقسیم کردیا جائیگا۔ مثلاً جب ایک خواہر اخیافی اور ایک خواہر علاتی ہو تو خواہر اخیافی کو ایک سدس اور خواہر علاتی کو ایک نصف ملیگا اور باقی ایک اور تین کی نسبت سے اُنمین تقسیم کردیا جائیگا۔

۴۵— جب ایک برادر اخیافی اور ایک پسر برادر عینی موجود ہو تو کل ترکہ برادر اخیافی کو دیا جائیگا (سنیون کے مذہب مین برادر اخیافی کو ایک سدس اور باقی پسر برادر عینی کو دیا جائیگا)

۴۶— بھائی اور بہن کی اولاد اپنے والدین کے مرنے کے بعد اُنکے قائم مقام ہوتی ہے اور اُنمین سے ہر ایک اُسی قدر حصہ پاتا ہے جسقدر اُس شخص کا حصہ ہو جسکے واسطہ یا ذریعہ سے وہ متوفی کا قرابتدار ہے یعنی اُسکی ماں یا باپ کا حصہ اُسکو ملیگا۔

دسنیون کے مذہب مین بہن کی اولاد ذوی الارحام مین داخل ہے - لہذا جبتک عصبات مین سے کوئی باقی رہیگا اُنکو کچھ نہ ملیگا)

۴۷ - جب بھائی یا بہن کی ایک ہی اولاد ہو تو وہ اپنے ماں باپ کا پورا حصہ پائیگی -

۴۸ - جب بھائی یا بہن کی کئی اولاد ہون تو جو حصہ اُنکے ماں باپ کو دیا گیا ہے وہ اُن مین علی السویہ تقسیم کردیا جائیگا اگر وہ سب ایک ہی نوع کے ہون (یعنی سب ذکور یا سب اناث ہون) لیکن جب وہ مختلف النوع ہون تو مردون کو عورتون کا دوچند حصہ ملیگا -

۴۹ - جب برادران یا خواہران اخیافی کی کئی اولاد موجود ہون تو جو حصہ اُنکے والدین کے ذریعہ سے اُنکو ملیگا وہ اُنمین علی السویہ یعنی برابر تقسیم کردیا جائیگا -

۵۰ - خواہر عینی کے مرنے کے بعد جو اُسکے اولاد باقی رہے اُسکو اُسکی ماں کا حصہ یعنی نصف ملیگا (علاوہ اُس چیز کے جو اُسکو رداً دیجائیگی)

۵۱ - بھائی کی اولاد سہام شرعیہ نکالنے کے بعد جو کچھ باقی رہے وہ اپنے باپ کی طرح پائیگی - جب دو یا زیادہ بہنین پیشتر ہی مرچکے ہون تو اُنکی اولاد دو ثلث پائیگی الا اینکہ شوہر یا زوجہ موجود ہو کہ اس صورت مین شوہر یا زوجہ کا حصہ دے کر جو کچھ بچیگا وہ بہنون کی اولاد کو دیا جائیگا -

۵۲ - جب برادران و خواہران عینی کی اولاد نہ موجود ہو تو اُنکی جگہ برادران و خواہران علاتی کی اولاد ترکہ پائیگی -

۵۳ - برادر یا خواہر اخیافی کی اگر ایک ہی اولاد ہو تو ایک سدس پائیگی اور اگر کئی اولاد ہون تو ایک ثلث پائینگے -

۵۴ - جب کئی اولاد برادران و خواہران اخیافی کی اور کئی اولاد برادران و خواہران علاتی کی اور کئی اولاد برادران و خواہران عینی کی موجود ہون تو برادران و خواہران علاتی کی اولاد بالکل محجوب الارث ہوگی اور برادران و خواہران اخیافی کی اولاد کو ایک ثلث اور برادران

وخواہران عینی کی اولاد کو دو ثلث ملینگے۔

۵۵۔ صورت مذکورہ بالا مین اگر شوہر یا زوجہ اقربائے مذکورہ کے ساتھ جمع ہون تو شوہر یا زوجہ اپنا پورا حصہ پائیگی اور برادران وخواہران اخیافی کی اولاد ایک ثلث اصل جا بداد کا پائیگی اور اگر ایک ہی اولاد ہو تو ایک سدس پائیگی) اور باقی ماندہ برادران وخواہران عینیہ کی اولاد کو ملیگا اور اگر وہ نہ موجود ہون تو برادران وخواہران علاتی کی اولاد کو ملیگا۔

۵۶۔ اس مسئلہ مین علمانے اختلاف کیا ہے کہ جب برادران اخیافی کی اولاد خواہر علاتی کی اولاد کے ساتھ جمع ہو تو آیا سہام شرعیہ نکالنے کے بعد جو کچھ باقی رہے وہ ان مین رسدی تقسیم کردیا جائے یا سب خواہر علاتی کی اولاد کو دیدیا جائے۔

طبقہ ثالثہ کے ورثہ کی توریث

۵۷۔ اس طبقہ مین متوفی کے چچا اور ماموں اور پھوپھیان اور خالائین چاہے وہ کیسی ہی بعید القرابت ہون اور انکی اولاد داخل ہے۔

۵۸۔ چچا جب اکیلا ہو تو کل ترکہ پاتا ہے۔ جب کئی چچا ہون تو وہ متوفی کے متروکہ کو آپسمین برابر تقسیم کرلینگے۔ یہی قاعدہ پھوپھی یا پھوپھیون مین جاری ہوگا۔

۵۹۔ جب چچا اور پھوپھیان ہون تو دو اور ایک کی نسبت سے ترکہ پائینگی۔

دستیون کے مذہب مین چچا سارا ترکہ پائینگے اور پھوپھیون کو کچھ نہ ملیگا۔

۶۰۔ جب بعض چچا اور پھوپھیان ایسی ہون جو متوفی کے باپ کے برادران وخواہران اخیافی ہون اور بعض ایسے ہون جو اسکے برادران وخواہران عینی ہون تو پہلی قسم کے چچا اور پھوپھیان ایک ثلث لیکر باہم برابر تقسیم کرلینگے یا اگر ایک ہی چچا یا پھوپھی اس قسم کی ہو تو وہ صرف ایک سدس پائیگی اور باقی دوسری قسم کے چچا اور پھوپھیون کو دیا جائیگا اسطرح سے کہ مرد دو حصے اور عورت ایک حصہ پائیگی۔ متوفی کے باپ کے برادران و خواہران عینی اسکے برادران وخواہران علاتی کو محجوب بالارث کردیتے ہین۔

سنیون کے مذہب میں متوفی کے باپ کے برادران عینی اور برادران علاتی دیگر ورثہ کو محجوب الارث کر دیتے ہین۔

۶۱۔ چچا زاد بھائی چچا کے ساتھ ترکہ نہین پاتا اسواسطے کہ اس طبقہ مین بھی قریب القرابت ہمیشہ بعید القرابت کو محجوب الارث کر دیتا ہے الا اُس صورت مین جبکہ عینی چچا کا بیٹا اور علاتی چچا ہو تو عینی چچا کا بیٹا علاتی چچا کو محجوب الارث کر دیتا ہے۔ یہ مثال صرف اُس صورت مین صادق آئیگی جبکہ چچا زاد بھائی چچا پر ترجیح رکھتا ہو لیکن اگر علاتی چچا کے بدلے ماموں یا اخیافی چچا ہو تو چچا زاد بھائی محجوب الارث ہو جائیگا۔

۶۲۔ ماموں جب اکیلا ہو تو کل ترکہ پائیگا۔ علی ہذا القیاس جب کئی ماموں یا خالائین ہون جب ماموں اور خالائین ایک ہی درجہ کی جمع ہو جائین تو متروکہ کو بلا امتیاز نوع برابر آپسمین تقسیم کر لینگے۔

۶۳۔ جب اخیافی ماموں اور خالائین عینی ماموں اور خالاؤن کے ساتھ جمع ہون تو پہلی قسم کے ماموں اور خالائین ایک ثلث پائینگی جو بلا امتیاز نوع اُنمین برابر تقسیم کر دیا جائیگا اور دوسری قسم کے ماموں اور خالائین باقی ماندہ دو ثلث پائینگی جو اُنمین اسطرح تقسیم کیا جائیگا کہ مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ ملیگا۔ عینی ماموں اور خالائین علاتی ماموں اور خالاؤن کو محجوب الارث کر دیتے ہین۔

۶۴۔ جب ایک ماموں یا خالہ اور ایک چچا یا پھوپھی جمع ہون تو ماموں یا خالہ ایک ثلث اور چچا یا پھوپھی دو ثلث پائیگی۔ علی ہذا القیاس جب متعدد ماموں اور خالائین یا چچا اور پھپھیان ہون

۶۵۔ جب باپ کے چچا اور پھوپھیان اور ماموں اور خالائین ماں کی پھوپھیون اور ماموؤن اور خالاؤن کے ساتھ جمع ہون تو جو صرف ان کے ذریعہ سے متوفی کے قرابت دار ہین وہ ایک ثلث پائینگی جو اُنمین برابر تقسیم کر دیا جائیگا اور جو باپ کے ذریعہ سے اُسکے قرابت دار ہین وہ دو ثلث پائینگے جسمین سے ایک ثلث باپ کے ماموؤن اور خالاؤن مین برابر تقسیم کر دیا جائیگا اور باقی ماندہ ایک ثلث اُسکے چچا اور پھوپھیون مین غیر مساوی تقسیم

کیا جائیگا یعنی مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ دیا جائیگا۔

۶۶ — جب متوفی کے چچا اور پھوپھیان اور ماموں اور خالائین موجود نہ ہون نہ اُنکی اولاد موجود ہو تو وراثت اُسکے باپ کے چچا اور پھوپھین اور ماموں اور خالاؤں کو اور اُنکی اولاد کو پہونچیگی اور ہر نسل مین ایسا ہی ہوگا کہ قریب القرابت کو بعید القرابت پر ترجیح دیجائیگی۔

۶۷ — اب رہے وہ اشخاص جو متوفی کی جائداد مین دوہرا حق رکھتے ہین شیعون کے مذہب مین ایسے وارث کو ہر حق کے عوض مین ایک حصہ دیا گیا ہے الا اینکہ ایک حق دوسرے حق کو ساقط کردے اِس صورت مین وارث مرد ہو خواہ عورت اپنے حق اعلیٰ کے موافق حصہ پائیگا۔ مثلاً فرض کیجیے کہ کوئی عورت مرنے کے بعد ایک شوہر چھوڑ جائے جو اُسکا چچازاد بھائی بھی ہو تو یہ وارث ایک حصہ متوفیہ کی جائداد مین حق زوجیت کا پائیگا اور ایک حصہ قرابت نسبی کا۔ لکن اگر متوفیہ نے ایک برادر اخیافی چھوڑا ہو جو اُسکے شوہر کا چچازاد بھائی ہو تو برادر اخیافی اُسکا وارث ہوگا کیونکہ شرع مین برادر اخیافی چچازاد بھائی کو محجوب الارث کردیتا ہے۔

احکام الازواج یعنی احکام وراثت زوجہ و شوہر

۶۸ — شوہر یا زوجہ کبھی محجوب الارث نہین ہوتے جیسا سابق مین بیان کیا گیا۔ بلکہ شوہر جملہ حالات مین اپنا سہم شرعی پاتا ہے اور اِسی طرح زوجہ بھی پاتی ہے اور جب اُنکے حصے نکال لیے جاتے ہین تب متروکہ دیگر ورثہ مین تقسیم کیا جاتا ہے۔

۶۹ — جب نکاح دائمی ہو تو شوہر اور زوجہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہین بغیر اسکے کہ اس مضمون کی کوئی شرط معاہدہ نکاح مین قرار دیگئی ہو۔ چونکہ شیعہ جواز متعہ کے بھی قائل ہین پس جب مرد اور عورت مین متعہ ہوا ہو تو ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا الا اینکہ متعہ کے وقت اِس[1] مضمون کی کوئی شرط کرلی گئی ہو۔

[1] جامع الشتات ۱۲ منہ

۷۰ — جب زوجہ کو طلاق بائن دیدیا گیا ہو تو وہ اپنے شوہر سابق کی وارث نہوگی اور نہ اسکے مرنے کے بعد اسکی وارث ہوگی اگر نکاح شوہر کی بیماری کے عالم مین ہوا ہو اور بیماری کی وجہ سے[1] زفاف کی نوبت نہ آئی ہو۔ لکن اگر زوجہ اپنے بیمار شوہر سے پیشتر مرجائے تو حق وراثت قائم ہوجائیگا۔ علی ہذالقیاس اگر نکاح کے زمانہ مین عورت بیمار ہو اور اُسی بیماری سے قبل زفاف مرجائے تو شوہر اُسکی توریث کا مستحق ہوگا۔

۷۱ — اگر کسی عورت کو اُسکا شوہر اپنی بیماری کے زمانہ مین طلاق دیدی اور اُس بیماری سے جان بر نہو تو اُس عورت کا حق وراثت شوہر کی جائداد مین ایک سال تک قائم رہیگا تاکہ اگر اُسکا شوہر اُس سال کے اندر مرجائے تو وہ اُسکی وارث ہو لکن اگر اُسکا شوہر اس میعاد کے اندر اچھا ہوجائے اور پھر اُسی بیماری سے یا اور کسی مرض سے مرجائے تو وہ اُسکی وارث نہوگی۔ لکن اگر زوجہ اُس سال کے اندر ہی مرجائے تو بھی شوہر کو کوئی حق اُسکی توریث کا نہ حاصل ہوگا۔

(سنیون کے مذہب مین حق وراثت اُسوقت تک باقی رہتا ہے جبتک کہ زوجہ عدۃ شرعیہ کو پورا کرے)

۷۲ — شوہر اور زوجہ ایک دوسرے کی توریث کے اُسوقت تک مستحق رہینگے جبتک کہ اُنکا نکاح حقیقۃً یا شرعاً باقی رہے —

۷۳ — نابالغ مرد اور عورت جنکا نکاح اُنکے باپ یا دادا نے کردیا ہو باہم حق وراثت رکھتے ہیں۔ لکن اگر اُنکا نکاح باپ اور دادا کے سوائے اور کسی ولی نے کردیا ہو تو وہ نکاح اُسوقت تک معطل رہیگا جبتک وہ بالغ ہوکر اُسکو منظور و قبول کرلین۔ اور اگر اُنمین سے ایک قبل منظوری یا تصدیق نکاح کے مرجائے تو جو زندہ رہا ہے اُسکو کوئی حق وراثت نہ حاصل ہوگا —

(سنیون کا بھی یہی قول ہے)

۷۴ — اگر دو نابالغون مین سے ایک نابالغ نے بعد بلوغ نکاح کی تصدیق

[1] صحت اُس نکاح کی جو شوہر کی بیماری مین ہوا ہو زفاف پر موقوف ہے ۱۲ — منہ

کردی ہو اور دوسرا نابالغ قبل بلوغ مرگیا ہو تو پہلے نابالغ کو کوئی حق وراثت نہ حاصل ہوگا
لکن اگر وہ نابالغ مرجاے جسنے نکاح کی تصدیق کرلی ہو تو جو زندہ رہگیا ہے اُسکا حصہ
اُسکے بلوغ تک محفوظ رکھا جائیگا تاکہ شوہر یا زوجہ جو کوئی زندہ رہگیا ہو تصدیق یا فسخ نکاح کی
اختیار کو عمل مین لاسکے ــ

۷۵ ــ جب کوئی اولاد نہو تو شوہر اپنی زوجہ متوفیہ کے ترکہ مین ایک نصف پاتا ہے ــ

۷۶ ــ جب اولاد ہو تو شوہر ایک ربع پاتا ہے ــ

(سنیون مین بھی یہی ہے)

۷۷ ــ جب متعدد ازواج ہون تو وہ سب ایک ربع یا ایک ثمن برابر تقسیم کرلیتے ہین ــ

۷۸ ــ شوہر اپنی زوجہ متوفیہ کی ہر قسم کی جائداد مین ایک حصہ ضرور پاتا ہے اسطرح سے
زوجہ اپنے شوہر متوفی کی جائداد مین ایک حصہ پاتی ہے جب ام الولد ہو یعنی کوئی اولاد اپنے بطن سے یا اولاد کی
اولاد رکھتی ہو ــ لکن جب وہ کوئی اولاد نہ رکھتی ہو یا اُسکی اولاد شوہر کی زندگی مین مرگئی ہو
تو اُسکو صرف جائداد منقولہ مین جسمین اثاث البیت اور درخت اور مکانات وغیرہ داخل ہین ایک
ربع ملتا ہے ــ جائداد غیر منقولہ مین ایسی زوجہ کوئی حق نہین رکھتی ہے ــ جب متعدد ازواج ہون
تو جائداد منقولہ کا ایک ربع برابر تقسیم کرلینگے ــ لکن جب زوجہ صاحب اولاد ہو تو ایک ثمن جائداد
منقولہ وغیر منقولہ دونو کا پائیگی ــ اگر اولاد اُسکے بطن سے نہو تو جائداد غیر منقولہ مین
ایک ثمن کی بھی مستحق نہین رہے ــ

(سنیون کے مذہب مین جب زوجہ لاولد ہو تو ایک ربع کل متروکہ کا جسمین مال منقولہ
وغیر منقولہ دونون داخل ہین پائیگی)

علماے شیعہ مین سے عالم جلیل سید مرتضیٰ علم الہدیٰ رضی کا قول ہے کہ زوجہ لاولد کل
متروکہ مین ایک ربع کی مستحق ہے ــ یہی قول علماے معتزلہ کا بھی ہے ــ

سے جامع اختلافات اور نیز مقدمہ مسمات اسلوب ــ سدر لینڈ صاحب کی ویکلی ریپورٹر ــ ۱۲ ــ ۸۴ منہ

۷۹۔ جس عورت سے متعہ کیا ہو وہ بھی میراث کی مستحق ہے اگر اس مضمون کی کوئی خاص شرط متعہ میں ہو گئی ہو۔ اُس صورت میں وہ مثل زوجۂ منکوحہ کے وارث ہو گی۔

(سنیوں کے نزدیک متعہ ناجائز ہے)

۸۰۔ اگر کوئی عورت اپنے مرنے کے بعد صرف ایک شوہر کو اپنا وارث چھوڑ جائے تو شوہر کُل ترکہ پائیگا۔ نصف بطور سہم شرعی اور نصف رداً۔ لیکن جب زوجہ اپنے شوہر کی اکیلی وارث ہو تو اُسکا اور حکم ہے یعنی اُسکو ایک ربع ملیگا اور باقی امام زمانؑ کا مال ہے مگر اس مسئلہ میں علماے شیعہ میں بڑا اختلاف ہے۔ بعض علما کا قول ہے کہ زوجہ بھی رداً پانے کی مستحق ہے۔

شافعیہ کے نزدیک شوہر یا زوجہ ماباقی پانے کی مستحق نہیں ہے۔ یعنی اُنکے نزدیک یہ ہے کہ اگر شوہر مر جائے اور ایک زوجہ کے سوا اور کوئی وارث نہ چھوڑے یا زوجہ مر جائے اور سوائے شوہر کے دوسرا وارث نہ چھوڑے تو سہم شرعی نکالنے کے بعد جو کچھ باقی رہیگا وہ بیت المال میں چلا جائیگا۔

زمانۂ سابق میں حنفیہ ماباقی جائداد شوہر کو دیتے تھے مگر زوجہ کو نہیں دیتے تھے مثلاً اگر کوئی عورت سوائے شوہر کے اور کوئی وارث نہ چھوڑتی تھی تو شوہر اُسکا کل ترکہ پاتا تھا۔ لیکن اگر کوئی مرد سوائے ایک زوجہ کے اور کوئی وارث نہ چھوڑتا تھا تو زوجہ کو اُسکا حصہ ایک ربع ملتا تھا اور باقی بیت المال میں چلا جاتا تھا۔ مگر متاخرین علماے حنفیہ کا یہ قول ہے کہ چونکہ ابتداے اسلام میں بیت المال غربا و مساکین اہل اسلام کے فائدہ کے لیے اور سلطنت اسلامیہ کی ترقی و بہبود کے واسطے رکھا گیا تھا اور اب اس زمانہ میں بیت المال کی یہ کیفیت مطلق نہیں باقی رہی ہے بلکہ بیت المال فی زمانناخزانہ سرکاری ہے لہذا بیت المال میں چلے جانے کا مسئلہ شوہر یا زوجہ کی نسبت میں اب نہیں جاری ہو سکتا۔ پس اُن علما کا قول ہے کہ جب کسی شخص نے ایک زوجہ کے

سوائے اور کوئی وارث نہ چھوڑا ہو یا کسی زوجہ نے سوائے شوہر کے اور کوئی وارث نہ چھوڑا ہو تو کل ترکہ اُس شوہر یا اُس زوجہ کو ملیگا۔

ہندوستان کی عدالتون نے اِسی قول کو اختیار کیا ہے اور درست[1] و بجا اختیار کیا ہے۔

۱۸ — شیعہ انتقال الی بیت المال کے مسئلہ کو نہین تسلیم کرتے جیسا سابق مین عرض کیا گیا۔ یہ یاد رہے کہ زمانہ سلف مین جتبک مذہب شیعہ پادشاہان صفویہ نے ایران مین علی العموم نہین جاری کیا تھا اُسوقت تک یہ مذہب مظلومون ستم رسیدون کے ایک گروہ قلیل مین محدود و محصور رہا۔ لہذا مسئلہ انتقال ارث بیت المال کو تسلیم کر لینا بمنزلہ اسکے ہوتا کہ لاوارث کی جائداد کو ایسے مقاصد و اغراض مین صرف کرنے کی اجازت دی ہے جو شیعون کے نزدیک کم و بیش ناجائز و غیر مشروع ہین۔ پس اصول انتقال الی الامام کی اصل یہی ہے اور اس قول کی تائید شرایع الاسلام کی عبارت ذیل مین موجود ہے۔ "و اگر امام غائب ہو تو وہ مال غربا و مساکین مین تقسیم کر دیا جائے اور کسی کو نہ دیا جائے سوائے ایک متقی و پرہیزگار سلطان کی کہ وہ اسکو اسی طرح سے تقسیم کر دیے"[1]۔

وراثت امام کے باب مین جو حکم شرع ہے وہ سابق مین مفصل بیان ہو چکا[2] ہے۔ جب متوفی نے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو یہانتک کہ ضامن الجریرہ بھی نہو یا جب متوفی صرف ایک زوجہ چھوڑ گیا ہو تو زوجہ کا حصہ نکالکر باقی کل جائداد امام کو دیجائیگی خواہ وہ ظاہر ہو خواہ غائب تاکہ اُس سے متوفی کے شہر یا دیہہ کے غربا و مساکین کی پرورش کیجائے۔ خلیفہ چہارم حضرت علیؑ (شیعون کے پہلے امام) لاوارث کے مال کو اُسکے وطن کے غربا و مساکین اور اُسکے ضعیف و نحیف ہمسائیون مین تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ چونکہ بالفعل امام زمان غائب ہین

سلہ رد المحتار اور مقدمہ مسمات سبحانی ریورٹ صدر دیوانی عدالت جلد ۱ زوجال کا فیصلہ ہائی کورٹ کلکتہ کا بمقدمہ محمد ارشد چودھری بنام ساجدہ بانو انڈین لا ریورٹ سلسلہ نظائر کلکتہ صفحہ ۷۰۲ جلد ۳ —— ۱۲ منہ سلہ جامع الشتات — ارشاد علامہ شرایع الاسلام ۱۲ —— منہ

لہذا ایسا مال مجتہد یا حاکم کے حوالہ کیا جائیگا تاکہ متوفی کے شیعہ مذہب اور غریب و مسکین ہمسائیون مین تقسیم کردیا جائے۔ غربا، اولاد رسولؐ یعنی مساکین سادات کو ہمیشہ ترجیح دیجائیگی۔

موانع الارث

شیعون کے نزدیک موانع ارث تین ہین۔ (۱) کفر۔ (۲) قتل عمد۔ (۳) رقیت یعنی غلامی جو لوگ اسلام کے سوائے اور کوئی مذہب رکھتے ہین وہ مسلم متوفی کی وراثت کے مستحق نہین ہین پس اگر کوئی شیعہ مسلمان ایک غیر مسلم وارث چھوڑ جائے تو وہ محجوب الارث ہوگا گو متوفی کا کیسا ہی عزیز قریب ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایک غیر مسلم بیٹیا اور ایک مسلم پوتا چھوڑ جائے تو بیٹیا محجوب الارث ہوگا اور پوتا کل جائداد لیکر اپنے باپ کو محروم کردیگا

(یہی قول سنیون کا بھی ہے)

اگر کوئی شیعہ مسلمان اپنے مرنے کے بعد سب غیر مسلم ورثہ چھوڑ جائے تو وہ سب محجوب الارث ہونگے اور وراثت امامؑ سے متعلق ہوگی۔

(سنیون کے نزدیک ایسے مسلمان کا متروکہ بیت المال مین چلا جائیگا)

ایکٹ ۲۱ سنہ ۱۸۵۰ء نے مسلمانون کے قانون وراثت مین کچھ تغیر و تبدل کیا ہے۔ وہ اصول جسکے بموجب غیر مسلم محجوب الارث کردیے گئے تھے اُن اشخاص پر بھی صادق آتا تھا جو کسی اور مذہب مین پیدا ہوے ہون اور اُن اشخاص پر بھی جنھون نے اسلام ترک کردیا ہو یعنی مرتد ہوگئے ہون یعنی کافر فطری اور مرتد دونون اس حکم شرع میں داخل تھے۔ پس اگر متوفی تین وارث چھوڑ جاتا اور انمین سے ایک غیر مسلم اور دوسرا مرتد اور تیسرا مسلم ہوتا تو شرع شریف کی رو سے پہلے دو وارث بالکل محجوب الارث رہتے اور کل ترکہ وارث مسلم کو ملتا گو وہ متوفی سے کیسا ہی بعید القرابت ہوتا۔ جو تغیر اس قاعدہ میں ایکٹ ۲۱ سنہ ۱۸۵۰ء سے ہوا ہے وہ نہایت اہم ہے۔ اس ایکٹ مین صرف ایک دفعہ ہے مگر اُسکا اثر یہ ہوا ہے کہ اکثر مقدمات میں ضابطۂ وراثت اپنی ہیئت اصلی سے

بالکل جدا ہو گیا ہے ۔ اِس دفعہ مین لکھا ہے کہ ۹ "اُسقدر کسی ایسے قانون یا رواج سے جو ممالک محکوسۂ ایسٹ انڈیا کمپنی مین بالفعل نافذ ہو جسقدر کسی شخص کے حقوق یا جائداد کے تلف یا ضایع ہونے کا باعث ہو یا جسقدر کی نسبت یہ سمجھا جاوے کہ کسی شخص کے حق وراثت کو کسی طور سے ضعیف یا متغیر کر دیتا ہے اس سبب سے کہ کسی مرد یا عورت نے کسی مذہب کو ترک کر دیا ہے یا اُس سے خارج کر دیا گیا ہے عدالتہاے ایسٹ انڈیا کمپنی مین بطور قانون نہ نافذ ہوگا اور اُن عدالتون مین جو بموجب فرمان شاہی ممالک مذکورہ مین مقرر ہوے ہین "

اِس قانون سے وہ حکم شرع محمدی موقوف ہو گیا ہے جس سے مرتد اقرباے مسلم کے ترکہ سے محروم رہجاتے تھے ۔ مگر کفار فطری کے محجوب الارث ہونے مین حکم شرع بعینہ موجود ہے ۔ پس اگر کوئی مرتد شخص اولاد چھوڑ جاوے جنہنے اپنے باپ یا مان کے مذہب مین پرورش پائی ہو تو اُسکو کوئی حق اپنے قرابتدار مسلم کی وراثت کا نہ حاصل ہوگا حالانکہ اگر اُسکے مرتد مان یا باپ زندہ ہوتے تو اس ایکٹ کے رو سے اُس مسلمان رشتہ دار کے وارث قرار پاتے ۔

اگر مرتد اُسوقت مرجاوے جب وقوع میراث ہو چکا ہو اور اُسکا حق وراثت قائم ہو چکا ہو تو گو خود اُسکی اولاد غیر مسلم ہو مگر شرع محمدی اُسکی مانع ارث نہو سکیگی ۔

اقرباے غیر مسلم کی میراث مین ورثۂ مسلم کو ورثۂ غیر مسلم پر ترجیح ہے ۔ پس اگر کوئی غیر مسلم ایک وارث مسلم اور ایک وارث غیر مسلم چھوڑ جاوے تو وارث مسلم کو بعید القرابت ہو بہ ترجیح وارث غیر مسلم متوفی کا وارث قرار دیا جائیگا ۔ لیکن اگر غیر مسلم کے ورثہ بھی غیر مسلم ہون تو اُسکا ترکہ بترجیح امام اُنھین ورثہ کو دیا جائیگا ۔ اگر اُنمین سے کوئی وارث دین اسلام قبول کرے تو کل ترکہ اُسی کو ملیگا اور ورثۂ غیر مسلم کو ایک حبہ بھی نہ ملیگا ۔ (سینون کے مذہب[1] مین مسلم غیر مسلم کا وارث نہین ہوتا نہ غیر مسلم مسلم کا وارث ہو سکتا ہے)

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۵۳ جلد ۶ مصنفہ

جب والدین میں سے ایک مسلم ہو تو اولاد شرعاً مسلم قیاس کیجائیگی جبتک کہ وہ خود
کوئی مذہب اختیار کرنے کے لائق ہو جاوے اور اسکا حق وراثت تابع احکام شرع ہوگا
مسلمان ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں گو مختلف فرقون سے ہون –

(یہی سنیون کا بھی قول ہے)

وراثت مرتد کے باب مین بھی یہی قاعدہ جاری ہوگا یعنی کو مرتد قرابت دار مسلم کا وارث
نہوگا مگر ورثہ مسلم مرتد کے وارث ہونگے –

شافعیہ کے نزدیک مرتد کا متروکہ بیت المال مین چلا جائیگا خواہ اُسکا کوئی وارث ہو خواہ نہو
حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی مرد مرتد ہو جاوے تو جسوقت اُسنے جائداد حاصل کی تھی
اُسکی نسبت کچھ فرق رکھا جائیگا – مثلاً اگر مرتد ہونے کے قبل اُسنے جائداد حاصل کی ہو تو
وہ ورثہ مسلم کو ملیگی لیکن اگر مرتد ہونے کے بعد حاصل کی ہو تو بیت المال مین چلی جائیگی – اسیطرح
جو حصہ مرتد نے قبل ارتداد حاصل کیا ہو وہ ورثہ مسلم کو ملیگا اور جو حصہ بعد ارتداد حاصل کیا ہو
وہ بیت المال مین چلا جائیگا –

یہی قول امام اعظم ابو حنیفہ کا ہے اور جو اصول اُنھون نے قائم کردیا ہے اُسی کی پابندی
اکثر بلاد اسلام مین کیجاتی ہے – مگر امام ابو یوسف اور امام محمد نے اس مسئلہ مین امام اعظم سے
اختلاف کیا ہے اور ان دونون صاحبون نے شیعون سے اسمین اتفاق کیا ہے کہ کل
جائداد مرتد کی ورثہ[1] مسلم کو ملیگی لیکن اگر کوئی عورت مرتدہ ہو جاوے تو اُسکی کل جائداد خواہ قبل
ارتداد خواہ بعد ارتداد حاصل ہوئی ہو ورثہ[2] مسلم کو ملیگی –
سنیون کے مذہب مین با اختلاف ملک یعنی جس سے دوسرے ملک کے بادشاہ کی رعیت
ہونا لازم آوے مانع ارث ہے – مگر یہ صرف غیر مسلم پر صادق آتا ہے – مسلمین گو مختلف

---

[1] سرجان فیر صاحب جج ہائی کورٹ کلکتہ کا حکم مقدمہ زینب بی بی مصدرہ ۱۸۳۸ع جسکا رپورٹ نہین ہوا ہے ملاحظہ ہو
[2] منہ [2] سراجیہ صفحہ ۱۰۰ اور فتاوائے عالمگیری صفحہ ۶۳۳ نمبر ۱۲ – منہ

پادشاہون کی رعایاہون ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہین ۔ گر سلاطین[1] اسلام نے خاص معاہدہ کے روسے پادشاہان غیر مسلم کی رعایا کو یہ حق عطا کیا ہے کہ بلاد اسلامیہ مین بذریعہ وراثت جائدادین حاصل کرین ۔

شیعون کے نزدیک اختلاف قومیت مانع ارث نہین ہے

۲ قتل عمد کا مانع ارث ہونا

شیعون کے مذہب مین قتل انسان مانع ارث جب ہوتا ہے کہ جب عمداً اور بلا سبب وقوع مین آیا ہو ۔ اگر کوئی کسی کو سہواً یا اتفاقاً قتل کر ڈالے تو قاتل مقتول کی وراثت سے ممنوع نہو گا ۔ مگر نیت قتل کا ہونا صاف صاف ثابت کر دیا جاوے ۔

حنفیہ کے نزدیک قتل انسان خواہ عمداً ہوا ہو خواہ سہواً ہمیشہ مانع ارث ہوتا ہے۔ لکن اگر کوئی فعل طفل یا مجنون کا باعث کسی کی موت کا ہو جائے تو وہ بچہ یا وہ مجنون متوفی کی وراثت سے محجوب نہو جائیگا ۔ یا جب کوئی شخص کسیکو بطریہ جائز مین مار ڈالے یا حاکم شرع کے حکم سے کسی کو سزا دینے مین مار ڈالے تو ایسا شخص مقتول کی میراث سے ممنوع نہوجائیگا

شافعیہ کے نزدیک جو شخص کسی کو کیسے ہی حالات مین مار ڈالے وہ بالکل محجوب الارث ہوجائیگا ۔

۳ ۔ رقیت یعنی غلامی سنی و شیعہ دونوں کے نزدیک مانع ارث ہے

شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص لاوارث مرجائے اور سوائے ایک غلام کے اور کوئی وارث نہ چھوڑے تو اسکی جائداد کو فروخت کر کے اُسکی قیمت سے وہ غلام آزاد کر دیا جاوے سنی کہتے ہین کہ اُسکی جائداد بیت المال مین بھیجدیجاوے ۔

اگر کوئی شخص مرجائے اور ایک وارث حر یعنی آزاد اور ایک عبد یعنی لونڈی یا غلام چھوڑ جائے تو اسکی کل جائداد وارث حر کو ملیگی اور وارث عبد بالکل محجوب الارث رہیگا گو

---

[1] امیر علی صاحب کی شرع محمدی صفحہ ۳۰ ۔ ۳۱ ۔ حاشیہ ۱۲ منہ

متوفی سے کیسی ہی قرابت قریبہ رکھتا ہو — اگر کسی لونڈی یا غلام کی کوئی اولاد ہو اور وہ حر ہو تو وہ بہ ترجیح اپنی ماں یا باپ کے وارث ہونگی —

ہو — شیعوں کے مذہب میں حرامزادگی مانع ارث ہے — مگر ولد الزنا اور ولد الملاعنہ میں فرق کیا گیا ہے ولد الملاعنہ وہ ہے جسکی ولدیت کا انکار اُسکے باپ نے کیا ہو ولد الزنا خواہ لڑکا ہو یا لڑکی نہیں سمجھا جاتا اور والدین کی نسب سے نہیں تصور کیا جاتا لہذا والدین میں سے کسیکا وارث نہیں ہو سکتا — اگر ولد الزنا مر جائے اور والدین یا ایسے اقربا چھوڑ جائے جو والدین کے ذریعہ سے اُسکے قرابت دار ہوں تو انمیں سے کوئی اُسکا وارث نہوگا —

ولد الزنا کی اولاد حلال اور اُسکی زوجہ یا شوہر اُسکے وارث ہونگے اور ایک دوسرے کے وارث بھی ہونگے — لیکن جب ولد الزنا کوئی اولاد حلال یا کوئی شوہر یا زوجہ نہ چھوڑے تو اُسکی جائداد امام کو ملیگی — مگر ولد الملاعنہ کے باب میں حکم شرع اور ہے — ایسی اولاد اپنی ماں اور اُسکے عزیزوں سے نسب رکھتی ہے لہذا اُنکی وارث ہوتی ہے اور وہ اُسکے وارث ہوتے ہیں پدر ملاعن اور جو لوگ اُسکے ذریعہ سے قرابت رکھتے ہوں ولد الملاعنہ کے وارث نہیں ہوتے گو بعد ازان باپ اُسکی ولدیت کا اقرار بھی کرلے — لیکن اگر ولدیت کا انکار کرنے کے بعد پھر اسکا اقرار کرلیا جائے یعنی باپ اپنے انکار ولدیت کو واپس کرلے تو وہ لڑکا باپ کا ترکہ تو پائیگا مگر اقربائے پدری کا ترکہ نہ پائیگا —[سلہ]

سنیوں کے مذہب میں ولد الزنا اور ولد الملاعنہ دونوں برابر ہیں — ولد الزنا[ستہ] اور ولد الملاعنہ دونوں اپنی ماں اور اقربائے مادری کا ترکہ پاتے ہیں اور وہ بھی اُسکا ترکہ پاتے ہیں مگر یہ بیان کرنا ضرور ہے کہ بعض علمائے شیعہ علمائے اہل سنت سے اسمیں متفق ہیں کہ ولد الزنا اپنی ماں اور اقربائے مادری کا ترکہ پانے کا مستحق ہے — ہندوستان[سکہ] کی عدالتوں نے پہلے مسئلہ کو اختیار کرکے اُسکے موافق عمل کیا ہے —

سلہ شرایع الاسلام جامع الشتات — ۲ ستہ فتاوای عالمگیری صفحہ ۶۲۹ — ۲ سکہ سدرلینڈ صاحب کا ویکلی رپورٹر صفحہ ۵۱۲ — ۱۲

محجوب الارث ہونے کے اصول

حجب دو قسم کا ہے ۔ الحجب عن بعض الفرض ۔ اور الحجب عن الاصل

عام اصول یہ ہے کہ عزیز قریب عزیز بعید کا حاجب ہوتا ہے ۔

(یہی اصول سنیون کا بھی عصبات کی میراث مین ہے)

طبقۂ ثانیہ کے وارث کا حاجب طبقۂ اولی کا وارث ہوتا ہے اسمین کچھ ذکور و اناث کا امتیاز نہین ہے ۔ مثلاً بیٹی پوتی کی حاجب ہوتی ہے ۔

جب متعدد اولاد صلبی کئی طبقون کے ہون تو قریب بعید کا حاجب ہوتا ہے ۔

اولاد حقیقی اور سب اقربا کی حاجب ہوتی ہے سوا ے والدین اور شوہر یا زوجہ کے

بھائی اور بہنین بھانجون بھتیجون اور بھانجیون بھتیجیون کی حاجب ہوتی ہین ۔

اقربا ے نسبی مین بھی قریب بعید کا حاجب ہوتا ہے ۔ مثلاً طبقۂ ثانیہ کے اقربا ے نسبی یعنی بھائی اور بہنین اور اُنکی اولاد طبقۂ ثالثہ کے اقربا یعنی چچا اور پھوپی اور ماموں اور خالہ اور اُنکی اولاد کی حاجب ہوتی ہے ۔

اقربا ے عینی اقربا ے علاتی کے حاجب ہوتے ہین بشرطیکہ ایک طبقہ کے ہون

اول درجہ کے اجداد دوسرے درجہ کے اجداد کے حاجب ہوتے ہین ۔

قرابت دار نسبی چاہے کیسا ہی دور کا رشتہ دار ہو عاتق کو محجوب الارث کر دیتا ہے ۔

(سنیون کے مذہب مین عاتق ذوی الارحام پر ترجیح رکھتا ہے)

الحجب عن بعض الفرض یعنی سہام شرعیہ مین کمی تین صورتون مین ہوتی ہے ۔

(۱) جب متوفی کی اولاد زوجہ یا شوہر کے حصہ کو ایک ربع یا ایک نصف سے کم کر کے ایک ثمن یا ایک ربع کر دیتی ہے ۔

(۲) جب متوفی کی اولاد اُسکی مان کے حصہ کو ایک ثلث سے گھٹا کر ایک سدس کر دیتی ہے گو خود اُس اولاد کو کچھ نہ ملے ۔

بھائی اور بہنوں کے ہونے سے ماں کا حصہ چار شرطوں سے کم ہوجاتا ہے

اوّل یہ کہ دو یا زیادہ بھائی یا ایک بھائی اور دو بہنیں یا چار یا زیادہ بہنیں ہوں۔

دوئم یہ کہ وہ لونڈی غلام نہوں نہ غیر مسلم ہوں نہ قتل عمد کا جرم اُنپر ثابت ہوا ہو۔ اگر وہ لونڈی غلام ہوں یا غیر مسلم ہوں یا قتل عمد کا جرم اُنپر ثابت ہو گیا ہو تو وہ ماں کے حصہ کو نہ کم کرینگے۔

سوئم یہ کہ باپ بھی موجود ہو۔

چہارم یہ کہ وہ بھائی بہنیں برادران و خواہران عینی یا علّاتی ہوں۔

اگر کوئی شخص والدین چھوڑ کر مر جائے اور ماں اُسوقت حاملہ ہو اور بعد اُسکے توام یعنی جوڑواں لڑکے اُسکو پیدا ہوں تو یہ لڑکے ماں کے حصہ کو ایک ثلث سے گھٹا کر ایک سُدس نہ کرینگے۔

اصول حجب سنیوں کے شیعوں کے اصولِ حجب کے مشابہ ہیں۔ یعنی جو کوئی متوفی سے دوسرے کے ذریعہ سے قرابت رکھتا ہو اُسکا وارث نہوگا درآنحالیکہ وہ دوسرا شخص زندہ ہو سوائے ماں کی اولاد کی جو ماں کے ساتھ ترکہ پاتی ہے اگرچہ وہ ماں ہی کے ذریعہ سے متوفی سے قرابت رکھتی ہے۔ اسواسطے کہ ماں کل ترکہ پانے کی مستحق نہیں ہے۔ عصبات میں بھی اعزائے قریب اقربائے بعید کے حاجب ہوتے ہیں۔ بہنوں کی حاجب بیٹی و بیٹیاں ہوتی ہیں اور نانی کی حاجب ماں ہوتی ہے۔

بہن اپنی خواہر متوفیہ کی اولاد کی حاجب ہوتی ہے۔

بیٹی دختر متوفیہ کی اولاد کی حاجب ہوتی ہے۔ برادر عینی کی بیٹی اور بیٹیاں برادران و خواہران علاتی کی حاجب ہوتی ہیں۔ برادران و خواہران عینی کا حاجب بیٹا اور پوتا اور باپ اور دادا ہوتا ہے۔ برادران و خواہران علاتی کی حاجب اشخاص مذکورہ بالا بھی ہیں اور برادران و خواہران عینی بھی ہیں۔ برادران و خواہران اخیافی کی حاجب اولاد اور بیٹے کی

اولاد اور باپ اور دادا ہے۔ ماں سب[۱] دادیوں اور نانیوں کی حاجب ہے۔

عام احکام میراث

محجوب الارث ہونے کے اسباب جو کفر اور قتل انسان ہیں انکا اثر اُس شخص کی ذات خاص پر محدود ہے جو کافر ہو یا ہو گیا ہو یا جو مرتکب جرم قتل عمد کا ہوا ہو دیگر جملہ اشخاص کی نسبت اِن دونوں سببوں کا اثر ایسا ہوتا ہے کہ گویا وہ شخص مرگیا ہے۔ مگر اُن دو اصولِ حجب کا اثر جو ایسی خاص ورثہ کے موجود ہونے سے پیدا ہوئے ہیں جو دیگر ورثہ پر وراثتاً ترجیح رکھتے ہیں یہ ہوتا ہے کہ بہت سے اشخاص محجوب الارث ہو جاتے ہیں یعنی جب ایک شخص کو دوسرے شخص نے محجوب الارث کر دیا ہے تو یہ محجوب اوروں کا بالکل حاجب ہو سکتا ہے یا اُنکے حصوں کو کم کر دیتا ہے۔ یا یوں کہتے کہ جو شخص متوفی کی قرابت سے کچھ فائدہ نہ اُٹھا سکے اوروں کے حجب کا باعث ہو سکتا ہے گو حجب کلی نہیں حجب جزئی سہی[۲]۔

عام احکام میراث مختصر طور سے اسطرح بیان ہو سکتے ہیں

(۱) جو شخص متوفی سے قرابت قریبہ رکھتا ہو وہ بترجیح اُس شخص کے پاتا ہے جو اُس سے قرابت بعیدہ رکھتا ہو۔ (۲) جو وارث متوفی سے دوہری قرابت رکھتا ہو وہ اُس وارث پر ترجیح رکھتا ہے جو اُس سے ایک ہی قرابت رکھتا ہو (باپ کی جانب سے)۔

(۳) جو شخص دوسرے شخص کے ذریعہ سے متوفی سے قرابت رکھتا ہو اُسکا وارث ہوگا درانحالیکہ وہ دوسرا شخص زندہ ہو۔ (۴) جب قرابت مساوی درجہ کی ہو تو مرد عورت کا دوچند پائیگا۔

عول یعنی اضافہ میراث کا مسئلہ جو سنیوں میں جاری ہے شیعوں کے نزدیک ناجائز ہے

[۱] حجب کی مثالیں فتاوائے عالمگیری جلد ۶ صفحہ ۶۳۰ میں لکھی ہیں۔ ۲ امنہ سے وملاحظہ ہو صفحہ ۸۶–۱۲

[۲] ان قواعد عامہ کے قائل کسیقدر اختلاف کے ساتھ اہل سنت بھی ہیں اور اختلاف اسوجہ سے پیدا ہوا ہے کہ اہل سنت نے ذوالارحام کو دوسرا درجہ قرار دیا ہے

عول فقہاے اہل سنت کی اصطلاح مین اسکو کہتے ہین کہ سہام مطلوبہ حاصل کرنے کیلیے مقسم مشترک مین ایک نسبتی اضافہ کردیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی عورت ایک شوہر دو بیٹیان اور ایک مان چھوڑ جاے تو اُنکی سہام شرعیہ ایک ربع دو ثلث اور ایک سُدس ہونگے۔ اِس صورت مین مقسم مشترک بارہ ہے جس سے وہ سہام نکلتے ہین جنمین جائداد تقسیم کرنی پڑیگی۔ یعنی شوہر کا حصہ تین اور بیٹیون کا حصہ آٹھ اور مان کا حصہ دو ہوگا مگر تین اور دو اور آٹھ کا مجموع تیرہ ہوتا ہے۔ لہذا اہل سنت جائداد کو تیرہ[۱۳] حصون مین تقسیم کرتے ہین تاکہ ہر ایک وارث کو اسکا پورا اور ٹھیک سہم شرعی ملے۔ شیعہ اس خود رایانہ تقسیم کو جائز نہین جانتے۔ بلکہ جب وہ دیکھتے ہین کہ جائداد تقسیم مین سہام مطلوبہ سے کم پڑتی ہے تو وہ کمی اُس وارث یا اُن ورثہ پر عائد ہوتی ہے جنکا حصہ یا حق تغیر پذیر یا اختلاف پذیر ہو۔ مثلاً صورت مذکورہ بالا مین شیعون کے نزدیک مان اور شوہر اپنے پورے حصے بلا کم و کاست پائینگے اور باقی بچے دونون بیٹیون پر[۱۲] تقسیم کردیا جائیگا۔

---

[۱] صاحب مفاتیح اور صاحب روضۃ الاحکام دونون کو اتفاق ہے کہ ایسی کمی بیٹی یا بیٹیون پر یا اُن اشخاص پر (جیسے بہن یا بہنین) عائد ہوگی جو مان اور باپ دونون کی طرف سے قرابت رکھتے ہون یا صرف باپ کی جانب سے قرابت رکھتے ہون مان کی طرف کے عزیزون پر نہ عائد ہوگی ۱۲ منہ

نقشہ تقسیم میراث موافق مذہب شیعہ اثنا عشریہ
نسب
سبب
طبقۂ اول
طبقۂ دوم
طبقۂ سوم
آبائے حقیقی یعنی ماں باپ
اولاد صلبی
چچا اور پھوپھیاں اور انکی اولاد
ماموں و خالائیں اور انکی اولاد
بھائی اور بہنیں اور انکی اولاد
آبائے درجہ دوم یعنی دادا پردادا اسکے دادا وغیرہ
زوجیت
ولاء
شوہر
زوجہ
ولاء الامامت
ولاء ضامن الجریرہ
ولاء العتق
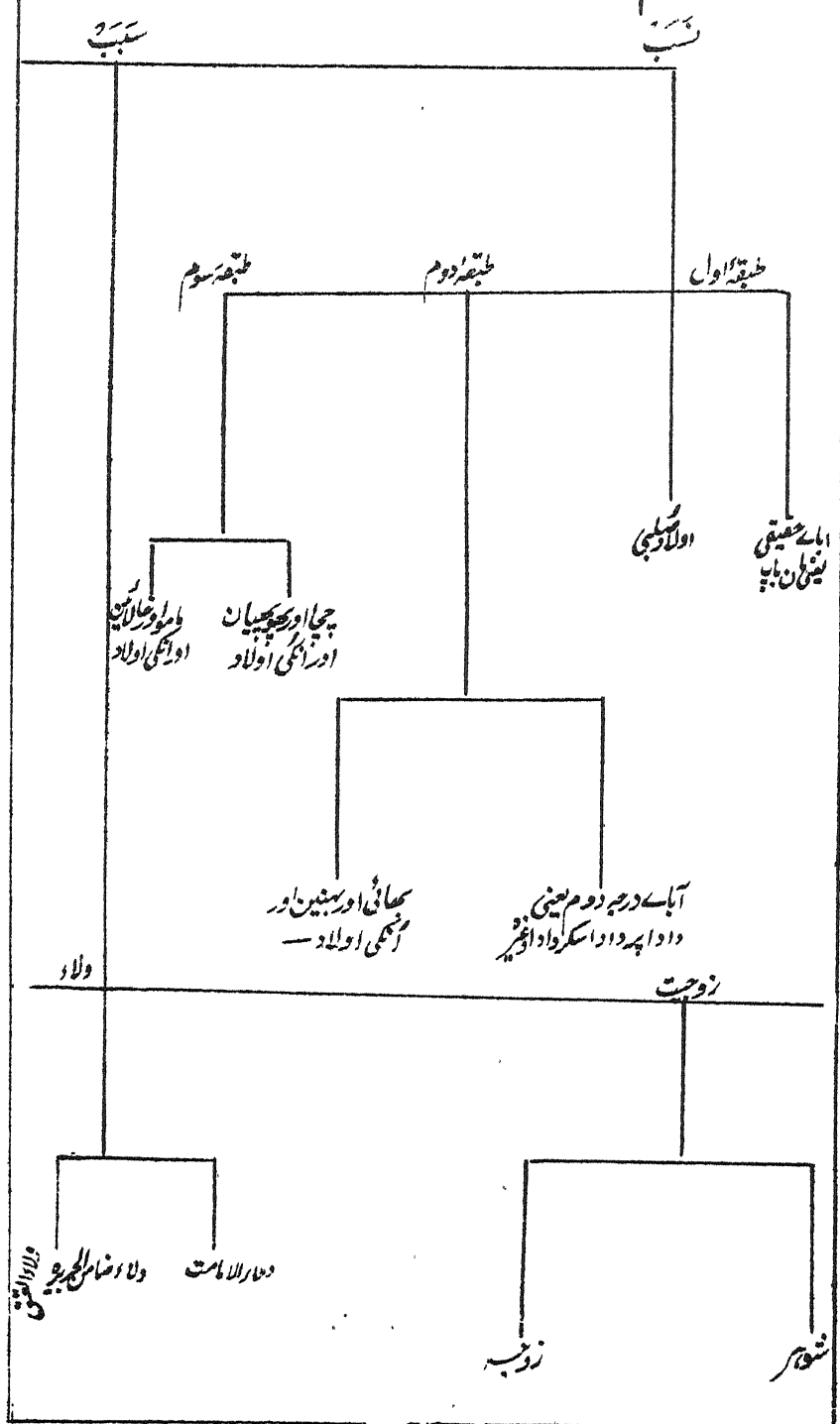
تفصیل مختلف اقسام میراث بموجب شرع حنفی

سب ورثہ بنظر سہولت دو طبقون پر منقسم کیئے گئے ہین ۔

طبقۂ اول مین اصحاب الفرائض یا ذوی الفروض داخل ہین ۔

طبقۂ ثانی مین اہل المیراث یعنی عصبات داخل ہین ۔

قسم اول

عصبات نسبیہ جنمین سب ورثہ فطری از قسم ذکور داخل ہین اور جو چار فرقون اور بہتہا شعبون پر منقسم ہین اُنکے باب مین قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ قریب القرابت ہمیشہ بعید القرابت کا حاجب ہوتا ہے

(الف) اولاد ذکور صُلبی (جُزء المیت)

(ب) آبار واجداد ذکور (اصل المیت)

(ج) اقربار بلا واسطہ (جزءُ المیت) یعنے (۱) برادران عینی (۲) برادران علاتی (۳) پسران برادران عینی (۴) پسران برادران علاتی ۔

(د) اقربار بالواسطہ یعنے (۱) عینی چچا ۔ (۲) علاتی چچا ۔ (۳) عینی چچا کے بیٹے (۴) علاتی چچا کے بیٹے ۔ (۵) باپ کے عینی چچا ۔ (۶) باپ کے علاتی چچا ۔ (۷) باپ کے عینی چچا کے بیٹے ۔ (۸) باپ کے علاتی چچا کے بیٹے ۔ (۹) دادا کے عینی چچا ۔ (جزء جد المیت) (واضح ہو کہ عصبات اُناث کے حقوق سابق مین بیان ہو چکے ہین) ۔

قسم دوم

عصبات سببیہ یعنی عاتق اور اُسکا قریب ترین عصبات ذکور ۔

قسم سوم

ذوی الفروض جو ردًا پاتے ہین ۔ (مَنْ یُرَدُّ اِلَیْہِ) جب اقسام مذکورہ بالا مین سے کوئی وارث نہو تو ذوی الفروض اُس جزء جائداد کے بھی مستحق ہو جاتے ہین جو اُنکے سہام

شرعیہ نکالنے کے بعد باقی رہے۔

قسم چہارم

ذوی الارحام جنمین وہ سب ورثہ داخل ہین جو متوفی کے اقربائے اناث کے ذریعہ سے اُسکے قرابت دار ہون۔ اُنکے چار فرقے ہین اور اُنمین بھی یہی قاعدہ ہے کہ قریب القرابت بعید القرابت کا حاجب ہوتا ہے۔

(الف) نواسے اور نواسیان اور اُنکی اولاد ذکور و اناث چاہے کیسے ہی بعید القرابت ہون (اولادُ البنات)

(ب) دادی کا باپ اور نانا کی مان۔ اُنکے بعد اُنکے اجداد جنکو اجداد فاسدین کہتے ہین

(ج) بھانجے اور بھانجیان چاہے کیسی ہی بعید درجہ کی ہون (اولادُ الاخوات) اور عینی اور علاتی بھائیون کی بیٹیان اور اُنکی اولاد (بناتُ الاِخوان) اور پسران برادر اخیافی اور اُنکی اولاد (اولادُ الاخوان لِلاُم)۔

(د) پھوپھیان (۱) عینی (۲) علاتی (۳) اخیافی (عمات)

" " اُنکی اولاد اُسی ترتیب سے

" " ماموں ایضاً (اخوال)

" " اُنکی اولاد ایضاً

" " خالائین ایضاً (خالات)

" " اُنکی اولاد ایضاً

" " اخیافی چچا اور پھوپھیان (اعمام الامی)

" " اُنکی اولاد ایضاً

قسم پنجم

مولی الموالات یعنی متوفی کا مربّی و سرپرست اگر متوفی لاوارث ہو۔

قسم ششم

وہ شخص جسکی ولدیت کا اقرار متوفی نے کرلیا ہو —

قسم ہفتم

موصیٰ لہٗ یعنی جسکے حق مین متوفی نے کچھ وصیت کی ہو —

قسم ہشتم

بیت المال (تمام مسلمانون کے فائدہ کے لیے)

نقشۂ ذیل سے امام محمدؒ کے قول کی توضیح خوب ہوتی ہے —

(پ) سے پسر اور (د) سے دختر سمجھیے

پ	پ	پ	د	د	د	د	د	د	د	د	د
د	د	د	د	د	د	د	د	د	د	د	د
پ	د ۱	د ۲	پ	پ	پ	د	د	د	د	د	د
د	د	د	پ ۲	د ۲	د ۳	پ	پ	پ	د	د	د
د	پ ۱	د ۳	د	د	د	پ	د	د	پ	د	د
د ۱	د ۲	د ۳	د ۴	د ۵	پ ۶	د ۷	د ۸	پ ۹	د ۱۰	پ ۱۱	پ ۱۲

اس نقشہ مین بارہ ۱۲ ورثہ ذکور و اناث ہین — تین ۳ ذکور اور نو ۹ اناث — اور یہ سب چھٹی پشت مین ایک ہی درجہ کے وارث ہین — امام ابو یوسف کے نزدیک جائداد پندرہ ۱۵ حصون پر تقسیم ہوکر ایک ایک حصہ ہر عورت کو اور دو دو حصے ہر مرد کو ملنے چاہیئین مگر امام محمد کے نزدیک جائداد کے ساٹھ ۶۰ حصے ہونے چاہیئین اور اس تفصیل سے تقسیم ہونے چاہیئین کہ وارث نمبر ۱ کو ۱۲ حصے — وارث نمبر ۲ کو ۸ حصے — وارث نمبر ۳ کو ۴ حصے — وارث نمبر ۴ کو ۹ حصے — وارث نمبر ۵ کو ۳ حصے — وارث نمبر ۶ کو ۲ حصے

وارث نمبر ۷ کو ۲ حصے ۔ وارث نمبر ۸ کو ۴ حصے ۔ وارث نمبر ۹ کو ۳ حصے ۔ وارث نمبر ۱۰ کو ۲ حصے ۔ وارث نمبر ۱۱ کو ۱ حصہ ۔ وارث نمبر ۱۲ کو ۶ حصے ۔

یہ تقسیم امام محمد نے اس بنیاد پر تجویز کی ہے کہ پہلے کالم میں تین مرد اور نو عورتیں ہیں پس جائداد کو ۱۵ حصوں میں تقسیم کیجیے تاکہ ہر ایک مرد دو حصے اور ہر ایک عورت ایک حصہ پائے

دوسرے کالم میں دوسری پشت کے ورثہ داخل ہیں اور وہ سب اناث ہیں اسلئے امام محمد نے کچھ تعرض نہیں کیا ہے ۔

تیسرے کالم یعنی تیسری پشت پر پہنچ کر امام محمد نے پہلے کالم کے تین مردوں کے محاذی ایک مرد اور دو عورتیں پائیں یعنی د ۱ - اور د ۲ - انھوں نے پہلے کالم کے تین مردوں کے چھ حصوں کو لیکر دوسرے کالم کے ایک مرد اور دو عورتوں پر اسطرح تقسیم کیا ہے کہ مرد کو دو حصے اور عورت کو ایک حصہ دیا ہے پس مرد کو چھ میں سے ۳ ملینگے اور دو عورتوں کو فی عورت ۱½ ملیگا ۔

پہلے کالم کی نو عورتوں کے محاذی جنھیں سے ہر ایک نے ایک حصہ پایا تھا تیسرے کالم میں ۳ مرد اور ۶ عورتیں ہیں ۔ پس بپابندی اصول وَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ یعنی مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر ملیگا ۔ امام محمد کو ۹ کو ۱۲ بانٹنا پڑتا مگر چونکہ ۱۲-۹ پر پورا نہیں تقسیم ہوسکتا لہذا انھوں نے ۱۲ کو تین سے تقسیم کیا تو حاصل قسمت ۴ ہوا اسکو اصل حصوں سے ضرب دیا تو ۶۰ حاصل ہوا ۔ پس انھوں نے ۶۰ کو اصل ورثہ میں یعنی پہلے کالم والوں میں تقسیم کیا تو تین مردوں کو فی کس ۸ ملے یعنی کل ۲۴ اور عورتوں کو فی نفر ۴ ملے یعنی کل ۳۶ ۔ پھر پہلی پشت کے تین مردوں کے ۲۴ حصے ان کو انھیں کے نیچے تیسری پشت کے تین شخصوں پر لاکر اسی حساب سے تقسیم کیا ہے کہ مرد کو دو اور عورت کو ایک ۔ پس تیسرے کالم میں پہلے خانہ کے مرد کو ۱۲ ملے ہیں اور دونوں عورتوں یعنی د ۱ اور د ۲ کو فی عورت ۶ ملے ہیں ۔ چونکہ پ کی نسل میں ذکور و اناث کا اختلاف نہیں ہوا ہے

لہذا اُسکا حصہ ۱۲ اُسکی اولاد اُناث یعنی د کو چھٹی پشت مین جاکر ملا ہے —

تیسرے کالم کے دا و ر دہ کے ۱۲ حصے اُسی طرح سے اُس پشت مین جاکر تقسیم ہوے ہین جسمین اختلاف ذکور و اُناث ہوا ہے یعنی پانچوین پشت مین جس سے پ کو پانچوین خانہ کی ۵ ملے ہین جو اُسکی اولاد نے چھٹی پشت مین جاکر پائے ہین اور یہی کیفیت تیسرے کالم کی دہ کے پانچوین خانہ مین ہوئی ہے — یعنی یون سمجھیے کہ د نے ۱۲ پائے

د نے ۱ "

د نے ۴ "

پہلی پشت کی ۹ عورتون نے جو ۳۶ حصے پائے ہین وہ تیسری پشت مین جاکر تقسیم ہوے ہین اس پشت مین پھر اختلاف ذکور و اُناث ہوا ہے جس سے تین بیٹون نے ۱۸ حصے اور ۶ بیٹیون نے ۱۸ حصے پائے ہین —

چوتھی پشت مین تین مردون کے نیچے ایک مرد اور دو عورتین پائی جاتی ہین — پس وہ ۱۸ حصے انہین اسی طرح تقسیم ہوے ہین کہ چوتھے کالم مین پ کو ۹ حصے ملے ہین اور اُس سے منتقل ہوکر م تک پہونچے ہین — پھر چوتھی پشت کی ۲ عورتون یعنی م اور م کے ۹ حصے اُن دو آدمیون کو پہونچے ہین جو چھٹے کالم مین اُنکے نیچے ہین اور وہان پہونچکر معمولی طور سے تقسیم ہوے ہین جس سے د کو ۳ حصے اور پ کو ۶ حصے ملے ہین وقس علی ہذا — ذوی الارحام کی میراث مین علاوہ نوع کے اسکا بھی لحاظ کیا جاتا ہے کہ کس جانب سے متوفی سے قرابت[1] رکھتے ہین — اس مسئلہ مین صاحبین یعنی امام محمد اور امام ابو یوسف مین اختلاف ہے — امام محمد کے نزدیک اُن اشخاص کے قرب نسب کا لحاظ کرنا چاہیے جنکے ذریعہ سے اُن ورثہ نے جو زندہ ہین حق وراثت پایا ہے اور جنکو اصطلاح فقہا مین

---

[1] شاماچرن کے لکچر شرع محمدی جلد ۱ صفحہ ۱۱۵ اور سراجیہ صفحہ ۳۴ اور مرزی صاحب کی کتاب مین وہ باب جسمین اقربائے بعید کی وراثت کا بیان ہے ملاحظہ ہو ۱۲ — منہ

اصول کو الاقرب فالاقرب کہتے ہین - مگر امام ابو یوسف کے نزدیک خود ان وریثہ کے قرب نسب کا لحاظ کرنا چاہیئے —

مثال اُسکی یہ ہے

دختر — دختر — دختر

دختر — پسر — دختر

دو دختر — پسر

اس صورت مین حصص صحیحہ حاصل کرنے کے لیے ۲۸ حصے درکار ہین - یعنی ۲۸ کا ہے = ۱۴ بیٹے کا حصہ بیٹیون تک پہونچ جائیگا — پھر ۲۸ کا ۳/۱۴ = ۶ دوسری سطر مین بائین طرف کی بیٹی کو ملیگا اور اُس سے اُسکا بیٹا پائیگا ——
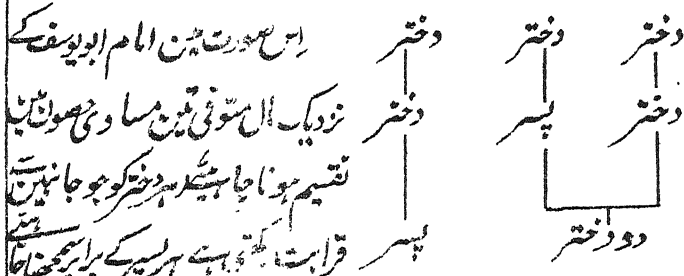
اس صورت مین امام ابو یوسف کے نزدیک مال سونی تین مساوی حصون مین تقسیم ہونا چاہیئے ہر دختر کو جو جانبین سے قرابت رکھتی ہے ہر پسر کے برابر سمجھنا چاہیئے (جو ایک ہی جانب سے قرابت رکھتا ہے) مگر امام محمد کے نزدیک اُس مال کی تقسیم ۲۸ حصون مین ہونی چاہیئے منجملہ ان کے ۲۲ حصے بیٹیون کو اور ۶ حصے ایک بیٹے کو اسطرح ملینگے کہ دو بیٹیون کے بیٹے تک دوسری سطر مین لیجائیے تو

چار بیٹیان ہونگی اور دو بیٹیون کو بائین طرف کی بیٹے تک دوسری سطر مین لیجائے تو ۲ بیٹیان ہونگی اور ایک بیٹے کو دہنی طرف کی بیٹی تک لیجائے تو بمنزلہ ایک بیٹی کے ہوگا —

پس کل ۷ حصے ہونگے — انمین سے چار حصے بیچ کے بیٹے کو دوسری سطر مین ملینگے اور باقی ماندہ تین حصے دوسری

سطر مین دو بیٹیون مین برابر تقسیم کر دیے
جائینگے یعنی ہر ایک بیٹی کو $\frac{۳}{۱۴}$ ملیگا۔

ایک اور صورت مین فرض کیجیے کہ زید کی دو بیٹیان تھین وہ دونون اُسکی زندگی مین
مر گئین۔ ایک بیٹی نے ایک بیٹا عمرو اور دوسری بیٹی نے ایک بیٹی ہندہ چھوڑی۔ عمرو کی
شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی اُس سے بکر پیدا ہوا۔ بعد ازآن جب ہندہ کا شوہر اول
عمرو مر گیا تو اُسنے خالد کے ساتھ عقد کر لیا اُس سے ایک دختر زینب پیدا ہوئی
تب زید مر گیا اور صرف دو وارث چھوڑے بکر اور زینب پس اُسکی جائداد کیونکر تقسیم ہوگی

زید
دختر — دختر
عمرو — بکر — ہندہ — زینب — خالد
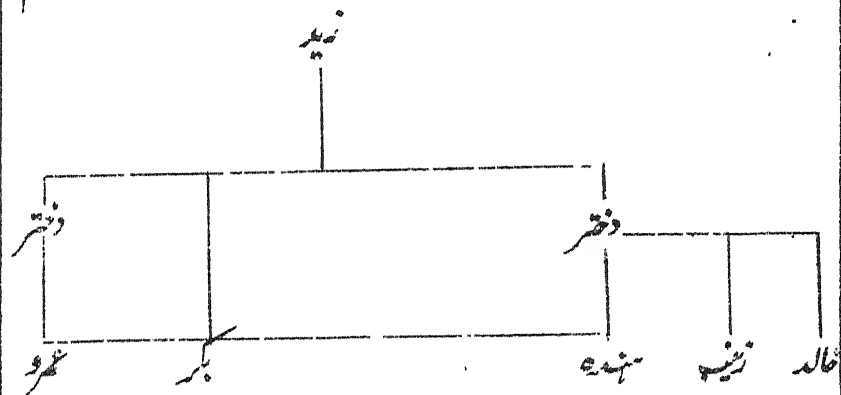
اِس صورت مین امام ابو یوسف کے نزدیک بیٹا جو دوہری قرابت رکھتا ہے بجاے
چار بیٹیون کے لیا جائیگا اور جائداد تقسیم کیجائیگی تو بیٹے کو ایک حصہ ملیگا۔ مگر امام محمد کے
نزدیک جائداد کے ۴ حصے کرکے حصے بیٹے کو اور ایک حصہ بیٹی کو اِسطرح دیا جائیگا
کہ دوسری سطر مین بیٹے کو $\frac{۲}{۳}$ ملیگا اور اُس سے اُسکا بیٹا پائیگا۔ پھر دوسری سطر مین بیٹی
$\frac{۱}{۳}$ پائیگی اور اُسکا نصف بھی اُسکے بیٹے کو ملیگا۔ پس اُسکو بیٹے کو $\frac{۵}{۶}$ ملیگا اور باقی $\frac{۱}{۶}$ بیٹی پائیگی[1]

دوسری قسم یا درجہ کے ذوی الارحام جنہین محجوب الارث دادا اور دادیان شامل
ہین قاعدہ ذیل کے بموجب ترکہ پائینگے ——

---

[1] بیلی صاحب کے شرح حنفی صفحہ ۷۰۷ — ۱۲ منہ

اگر دعویداران وراثت قرب وبعد مین ایک درجہ کے ہون اور کوئی اُنمین ایسا نہو جو
متوفی سے بذریعہ کسی ذوالفروض یا عصبہ کے قرابت رکھتا ہو یا وہ سب کے سب ورثہ
ذریعہ سے قرابت دار ہون تو اس صورت مین اگر وہ اقربا جنکے ذریعہ سے اُنکو قرابت
ہوئی ہے متحد النوع ہین یعنی سب ذکور یا سب اُناث ہین اور وہ سب ایک طرف سے
قرابت رکھتے ہین (یعنی صرف متوفی کے مان کی جانب سے یا باپ کی طرف سے) تب جائداد
اُن سب مین برابر تقسیم کردیجائیگی —

لیکن اگر برخلاف اسکے وہ سب درجۂ قرابت مین تو برابر ہون مگر جنکے ذریعہ سے وہ قرابت رکھتے
ہین وہ مختلف النوع ہون تو جائداد کی تقسیم پہلے درجہ سے ہوگی جسمین اختلاف نوع ہوا ہے
جیسا پہلے قسم کے ورثہ مین ہوتا ہے یعنی تقسیم اُس درجہ یا طبقہ سے شروع ہوگی جسمین اختلاف
نوع شروع ہوا ہے اور اس اصول پر تقسیم ہوگی کہ مرد عورت کا دوچند پائیگا - تب ذکور کا
ایک گروہ اور اُناث کا دوسرا گروہ قرار دیکر اُنکے حصص معمولی طور سے لگائے جائینگے -

لیکن اگر مختلف قسم کی قرابت ہو (یعنی دعویداران میراث متوفی کے مان یا باپ کے ذریعہ سے
اُس سے قرابت رکھتے ہون تو اگر وہ سب درجۂ قرابت مین برابر ہون) جائداد کی تقسیم اس
اصول پر ہوگی کہ اقربائے پدری کو فی نفر دو حصے اور اقربائے مادری کو فی کس ایک حصہ ملیگا
یعنی اقربائے پدری کے گروہ کو دو ثلث اور اقربائے مادری کے گروہ کو ایک ثلث دیا جائیگا —
اس قسم کے اقربائے بعید کے باب مین عام قاعدہ یہ ہے کہ اگر درجۂ قرابت مین وہ سب
نابرابر ہون تو قریب بعید پر ترجیح رکھتا ہے - اگر وہ سب درجۂ قرابت مین برابر مگر سمت قرابت
مین مختلف ہون تو تقسیم اس اصول پر ہوگی کہ اقربائے پدری کو دو حصے اور اقربائے مادری کو
ایک حصہ ملیگا - اگر وہ سمت قرابت مین موافق ہون اور سب اصول یعنی وہ لوگ جنکے ذریعہ سے
وہ متوفی سے قرابت رکھتے ہین متحد النوع ہون تو تقسیم دعویداروں کی تعداد کے موافق ہوگی
لیکن اگر اصول مختلف النوع ہون تو جائداد کی تقسیم اس اختلاف نوع کے موافق ہوگی جو

سب سے اعلیٰ طبقہ میں ہوا ہے جیسا کہ پہلی قسم میں ہوتا ہے۔

تیسرے درجہ کے اقارب سے بھتیجی بھتیجے بہن کی اولاد اور بھائی کی بیٹیاں اور برادران اخیافی کے بیٹے داخل ہیں اسی اصول کے موافق ترکہ پائینگے اقرب کو بعید پر ترجیح دیجائیگی۔ لیکن جب سب درجہ قرابت میں برابر ہوں تو عصبہ کی اولاد کو غیر عصبہ کی اولاد پر ترجیح دیجائیگی۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایک بھانجی کا بیٹا اور ایک بھتیجے کی بیٹی چھوڑ جاوے تو یہ دونوں اس سے درجہ قرابت میں برابر ہیں تو کل جائداد بھتیجے کی بیٹی کو ملیگی اسواسطے کہ وہ ایک عصبہ کی اولاد ہے یعنی بھائی کے بیٹے کی۔

برادران و خواہران اخیافی کی اولاد میں ذکور و اناث سب برابر حصے پاتے ہیں۔[لہ]

حاشیہ ۳

اہل سنت کے مذہب میں یہ ہے کہ جب ذوی الفروض اور عصبات نہوں تو ذوی الفروض کے سہام شرعیہ دینے کے بعد جو جائداد باقی رہے وہ اصول رد کے بموجب انہیں میں انکے حصص کے موافق تقسیم کر دیجائیگی۔

علماے متقدمین کا یہ قول ہے کہ شوہر و زوجہ رداً پانے کے مستحق نہیں ہیں مگر متاخرین کے نزدیک یہ ہے کہ جب دیگر ورثہ نہوں تو شوہر یا زوجہ رداً پائینگے۔

جو ورثہ رداً پا سکتے ہیں وہ سات ہیں۔ (۱) ماں (۲) دادی (۳) بیٹی (۴) پوتی (۵) خواہر عینی (۶) خواہر علاتی (۷) برادر یا خواہر اخیافی۔ ایک یا دو یا تین قسم کے ورثہ کو ایک ہی وقت میں رداً مل سکتا ہے۔ مگر تین سے زیادہ ایک ہی وقت میں رداً نہیں پا سکتے۔

سہام شرعیہ نکالنے کے بعد باقی اشخاص مذکورہ بالا کو انکے حصص کی مقدار کے

سلہ سراجیہ صفحہ ۵۴ ــ ۱۲ منہ ــ سکہ سراجیہ صفحہ ۵۷ ــ ۱۲ منہ ــ ۵۳ درالمختار صفحہ ۱۹۶ ــ ۸۶۹ ــ ۱۲ منہ

دوہری میراث

فرض کیجیے کہ متوفی نے چند وارث چھوڑے اور انمین سے ایک ترکہ تقسیم ہونے سے پیشتر مر گیا اور چند ورثہ چھوڑ گیا۔ اس صورت مین یہ ورثہ ہر دو متوفی کا ترکہ پائینگے اگر وہ دونون کے وارث شرعی ہین اور اگر ایک ہی کے وارث ہین تو ایک ہی کا ترکہ پائینگے

مثلاً ایک شخص نے اپنے مرنے کے بعد ایک بیٹا اور ایک بیٹی اور ایک برادر علاتی چھوڑا۔ اس صورت مین بیٹا برادر علاتی کا حاجب ہے مگر ترکہ تقسیم ہونے کے پیشتر وہ بیٹا مر گیا تو اب اسکے وارث صرف اسکی بہن اور اسکا علاتی چچا رہا۔ پس اس بیٹے کا حصہ $\frac{۲}{۳}$ اسکی بہن اور اسکے چچا مین برابر تقسیم ہوگا اور بہن $\frac{۲}{۳}$ یعنی $\frac{۱}{۳}$ پائیگی اور چچا مالقی $\frac{۱}{۳}$ پائیگا۔

ایک اور پیچیدہ مثال سراجیہ سے لکھی جاتی ہے۔

(۱) ایک عورت نے اپنی وفات کے بعد اقرباے ذیل چھوڑے۔

(الف) ایک شوہر = $\frac{۱}{۴}$

(ب) بیٹی اور ماں = $\frac{۱}{۲}$: $\frac{۱}{۶}$ = ۱:۳

بیٹی = $\frac{۳}{۴}$ کا $\frac{۳}{۴}$ = $\frac{۹}{۱۶}$

ماں = $\frac{۳}{۴}$ کا $\frac{۱}{۴}$ = $\frac{۳}{۱۶}$

(۲) شوہر نے اپنی وفات کے بعد اقرباے ذیل چھوڑے۔

(الف) بیٹی = $\frac{۹}{۱۶}$ + $\frac{۱}{۴}$ کا $\frac{۱}{۲}$ = $\frac{۱۱}{۱۶}$

(ب) زوجہ = $\frac{۱}{۸}$ کا $\frac{۱}{۴}$ = $\frac{۱}{۳۲}$

(ج) ماں = $\frac{۱}{۶}$ کا $\frac{۱}{۴}$ = $\frac{۱}{۲۴}$

(د) باپ = $\frac{۱}{۴}$ - ($\frac{۱}{۸}$ + $\frac{۱}{۳۲}$ + $\frac{۱}{۲۴}$) = $\frac{۲۴-۱۹}{۹۶}$ = $\frac{۵}{۹۶}$

(۳) بیٹی نے اپنے مرنے کے بعد اقرباے ذیل چھوڑے۔

(الف) دادا = $\frac{۵}{۹۶}$ + $\frac{۱۱}{۱۶}$ کا $\frac{۱}{۶}$ = $\frac{۱۶}{۹۶}$

(ب) دادی = ۱/۲۴ × ۱۱/۱۶ کا ۱/۶ = ۱۵/۹۶

(ج) نانی = ۳/۱۶ × ۱۱/۱۶ کا ۱/۶ = ۲۹/۹۶

(د) دو بیٹے (ہر ایک) = ۱۱/۳۲ کا ۲/۵ = ۱۱/۸۰

(ر) ایک بیٹی = ۱۱/۳۲ کا ۱/۵ = ۱۱/۱۶۰

۱۶۰ — ۸۰ — ۹۶ — ۳۲ — ۱۶

ان سب کا مقسوم علیہ اعظم اسطرح نکالا

۴ | ۴۸ / ۹۶ - ۱۶۰
۴ | ۲۴ — ۴۰
۲ | ۶ — ۱۰
۳ — ۵

۴ × ۴ × ۲ × ۳ × ۵ = ۴۸۰

متوفیٰ اول کی ماں یعنی متوفی دوم کی نانی = ۴۸۰ کا ۲۹/۹۶ = ۱۴۵

باپ کی زوجہ = ۴۸۰ کا ۱/۳۲ = ۱۵

دادی = ۴۸۰ کا ۱۵/۹۶ = ۷۵

دادا = ۴۸۰ کا ۱۶/۹۶ = ۸۰

دو بیٹے فی کس ۱۱/۸۰ = ۱۳۲ +

بیٹی = ۱۱/۱۶۰ = ۳۳ — میزان ۴۸۰

حاشیہ ۵

سنیوں کے مذہب میں متوفی کے پردادا کی اولاد ذکور عصبات میں داخل ہے اور متوفی کی خواہران عینی کی اولاد کی حاجب ہے — اسی طرح سے دادا کے بھائی کی اولاد بھی عصبات میں داخل ہے اور بترجیح اولاد دختر کے ترکہ پانے کی مستحق[۱] ہے —

حاشیہ ۶

برادران[۲] و خواہران عینی اور برادران و خواہران علاتی کا حاجب بیٹا اور پوتا اور پروتا وغیرہ اور باپ اور دادا بھی ہے — برادران[۳] و خواہران علاتی کے حاجب برادران عینی[۴] ہیں

[۱] سید لطیف صاحب کا ویکلی رپورٹر صفحہ ۲۹ — ۱۲ منہ [۲] در المختار صفحہ ۸۲۶ اور سیلی صاحب کی شرح محمدی صفحہ ۶۸۹ — ۱۲ منہ [۳] در المختار صفحہ ۸۲۶

اور خواہر عینی بھی اُسوقت حاجب ہے جب کوئی بیٹی یا پوتی اُسکے ساتھ موجود ہو۔

حاشیہ ۷

مالکیہ اور شافعیہ حنفیہ سے اُن اصول مین متفق ہین جنپر تقسیم ورثہ اہل سنت کے نزدیک مبنی ہے مثلاً اُنھون نے بھی حنفیہ کی طرح ورثہ کی تین قسمین کی ہین یعنی ذوی الفروض و عصبات اور ذوی الارحام ذوی الفروض کے باب مین تو کچھ اختلاف نہین ہے۔ مگر عصبات کے بارے مین حنفیہ اور مالکیہ و شافعیہ مین اکثر امور مین اختلاف ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک عصبہ بنفسہ کو حق وراثت صرف چھٹے درجہ تک حاصل ہے (جیسا اُس نقشہ سے ظاہر ہے جو دوسرے صفحہ پر لکھا ہے) اُنکے نزدیک شوہر یا زوجہ اور دادی اور برادران و خواہران اخیافی اپنی سہام شرعیہ لینے کے بعد ما بقی جائداد کبھی نہین پاتے — اور دادا بھائیون کا حاجب نہین ہے (جیسا حنفیہ کے نزدیک ہے) دادا ایک ثلث پاتا ہے اور ما بقی بھائیون کو ملتا ہے خواہ وہ عینی ہون خواہ علاتی —

جب کوئی عصبہ نہو یعنی عصبہ بنفسہ یا عصبہ بغیرہ یا عصبہ مع غیرہ نہو یا کوئی خاص سبب نہو جیسا عاتق یا اُسکا عصبہ تو متوفی کی جائداد بیت المال مین چلی جائیگی۔

حاشیہ ۸

مشرکین عرب کے دستورات کے موافق متوفی کی میراث مین صرف ایک امر عظیم کا لحاظ رکھا جاتا تھا یعنی اِس امر کا کہ اُسکی جائداد اُسی کے خاندان مین رہے۔ اِسوجہ سے میراث صرف اقربا ے ذکور مین محدود و محصور کر دی گئی تھی اور اُنمین بھی اُن لوگون کو دیجاتی تھی جو ہتھیار باندھ سکتے تھے۔ بیٹیان اور بیبیان اور مائین اور نابالغ ذکور و اُناث ضمناً یا صریحاً محجوب الارث کر دیے گئے تھے۔ بیٹیان اسوجہ سے محجوب الارث تھین کہ اُنکا پیدا ہونا عذاب الٰہی سمجھا جاتا تھا اور یہ وجہ بھی تھی کہ جب اُنکی شادی ہوگئی تو پھر اپنے خاندان سے

اور سراجیہ صفحہ ۱۸ — ۱۲ منہ سلمہ المحرر — ۱۲ منہ —

انکو کیا واسطہ رہا۔ نہ نان بیوہ اسوجہ سے محجوب الارث کردی گئی تھین کہ وہ لونڈیان سمجھی جاتی تھین اور اپنے شوہرون کی جائداد کا ایک جزو قرار پاکر انکے ورثہ کے حوالہ کردیجاتی تھین۔ اور نابالغ اسوجہ سے محجوب الارث تھے کہ وہ اس قابل نہوتے تھے کہ اپنے قبیلے کے حقوق و مواجب کا تحفظ بزور شمشیر کرسکین لہذا انکی جائداد انکی معلمون کی سمجھی جاتی تھی۔

قبائل یہودیین جو اپنے علما کی تشریح پر چلتے تھے میراث سب سے پہلے بیٹون اور اولاد ذکور کو ملتی تھی اسکے بعد بیٹیون اور انکی اولاد کو اسکے بعد باپ کو چوتھے درجہ مین بھائیون اور انکی اولاد کو۔ پانچوین درجہ مین بہنون اور انکی اولاد کو۔ اور چھٹے درجہ مین دادا اور چچا اور پھوپھی وغیرہ کو اور متوفی کی اولاد مین بیٹے بیٹیون پر فضیلت رکھتے تھے بلکہ بھائیون کی اولاد کے بعد بیٹیون کا درجہ تھا۔ جب کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد ایسے پوتے اور پوتیان چھوڑجاتا تھا جنکا باپ پیشتر ہی مرچکا ہوتا اسکی جائداد اسطرح تقسیم ہوتی تھی کہ ہر ایک گروہ کو اس شخص کا حصہ دیدیا جاتا تھا جسکے ذریعہ سے وہ متوفی کی توریث کا مستحق ہوتا تھا۔ دیگر اقربا کی نسبت بھی یہی قاعدہ جاری تھا۔ مان اپنی اولاد کا کچھ نہ پاتی تھی اور جب حرامزادون کی ولدیت کا اقرار کرلیا جاتا تھا تو اسکے حقوق حلال زادون کے حقوق کے برابر ہوجاتے تھے۔

ولد الحرام کا ترکہ پہلے باپ کو ملتا تھا اور جب باپ نہوتا تھا تو حاکم وقت کو یا قومی سرمایہ مین دیدیا جاتا تھا۔ مان کو کبھی ایک حبہ بھی نہ ملتا تھا۔ برادران و خواہران اخیافی کوئی حق وراثت نہین رکھتے تھے۔

شارع اسلام نے زمانۂ جاہلیت کے کل رسوم و قوانین مین اصلاح فرمائی۔ شرع شریف مین حقوق وراثت ان اشخاص کو دیے گئے ہین جو آئین قدیم کے بموجب بالکل محجوب الارث تھے۔ اس شرع جدید سے ایک بہت بڑا نتیجہ یہ پیدا ہوا ہے کہ تہذیب و شائستگی مین عورتوں کا پایہ بلند ہوگیا اور انکے اخلاقی اور تمدنی حالت مین ترقی ہوئی اور بیبیون ماؤن و بیٹیون اور بہنون کو حقوق وراثت حاصل ہوئے۔ فقط

نقشہ متضمن عصبات موافق مذہب شافعی و مالکی
مورث چوتھے درجہ کا
مورث تیسرے درجہ کا
مورث دوسرے درجہ کا (یعنی دادا)
مورث پہلے درجہ کا (یعنی باپ)
متوفے
بیٹے (درجہ ۱)
پوتے (درجہ ۲)
پروتے (درجہ ۳)
انکی اولاد (درجہ ۶)
بھائی (درجہ ۲)
بھتیجا - درجہ ۳
بھتیجے کا بیٹا (درجہ ۴)
بھتیجے کا پوتا (درجہ ۵)
انکی اولاد (درجہ ۶)
چچا (درجہ ۳)
چچازاد بھائی (درجہ ۴)
چچازاد بھائی (درجہ ۵)
چچازاد بھائی (درجہ ۶)
باپ کا چچا (درجہ ۴)
باپ کے چچا کا بیٹا (درجہ ۵)
چچا کا بیٹا درجہ ۶
دادا کا چچا - (درجہ ۵)
دادا کا چچازاد بھائی (درجہ ۶)
جامع الاحکام

دوسرا باب

اختلاف قوانین

یہانتک تو ہمنے مسلمانون کا قانون وراثت خاص کرسنی اور شیعہ کے اختلافات کا لحاظ کرکے بیان کیا۔ اب ہم مسلمانون کے قانون شخصی مین بحث کرتے ہین یعنی وہ قانون جو اُن اشخاص کی حیثیت پر مؤثر ہے جو شرع شریف کے پابند ہین۔

باستثنار چند اصول کے جنکا فعل ممالک اسلامیہ پر محدود و منحصر ہے مسلمانون کا قانون عموماً ایک شخصی قانون ہے یعنی اسکی احکام ہر مسلمان کی ذات خاص سے جہان کہین وہ بود و باش رکھتا ہو اُسوقت تک متعلق رہتے ہین جبتک وہ ظاہر مین بھی دائرہ اسلام کے اندر رہتا ہے۔ چنانچہ کفایہ[1] مین لکھا ہے کہ دو ہر مسلمان مطلقاً احکام شرع کا پابند ہے جہان کہین بود و باش رکھتا ہو۔ یہ صرف مسلمانان فطری پر منحصر نہین ہے۔ جو ہین کوئی شخص اپنے مذہب اصلی کو تبدیل کرکے دین اسلام قبول کرلیتا ہے یا شرع شریف کا پابند ہوجاتا ہے اسی وقت اُس نومسلم سے تمام فرائض و تکالیف جو شرع مین منصوص ہین اور تمام حقوق و مواجب جو شرع نے بخشے ہین متعلق ہوجاتی ہین۔ لہذا شرع شریف مین صرف موطن و مسکن کے بدل جانے سے جبتک کہ اُسکے ساتھ طریق مذہب بھی تبدیل ہو جائے کسی مسلمان کی حیثیت شرعی مین کچھ فرق و تغیر نہین ہوسکتا۔ مگر واضح ہو کہ یہ خاص استحقاق صرف اسلام سے مخصوص نہین ہے اقلام اتباع ایسے ہی اصول یورپ کے بعض قوانین مین بھی موجود ہین۔ علماے اسلام کے نزدیک اسلام کی پابندی سے سلطنت اسلامیہ کی اطاعت مراد ہے لہذا ایسی ہی اطاعت مسلمانون کے حقوق اور ذمہ داریون کا معیار ہے۔ اطالیہ اور فرانس کے قانون کے بموجب بھی ایسا ہی ہے کہ حقوق دنیوی حاکم وقت کی رعیت ہونے پر موقوف ہین

[1] کفایہ صفحہ ۶۲۳، سنہ ۱۳۰۳

بود و باش پر موقوف نہین ہین - لہذا جو دقتین قانون انگلستان اور شرع محمدی مین اختلاف سے پیدا ہوتے ہین وہ ممالک اطالیہ یا فرانسیس مین نہ پیدا ہونگے - ایک مسلمان ترک یا مسلمان ایرانی جو ملک اطالیہ مین بود و باش رکھتا ہو جبتک اپنے مذہب پر قائم رہیگا اُسوقت تک اُسکی نسبت یہی قیاس کیا جائیگا کہ اپنے وطن اصلی کے بادشاہ سے بیعت رکھتا ہے یا اُسکی رعیت ہے اور اُسکی حیثیت اور اُسکی وراثت مین اُسی کے ملک کا قانون جاری کیا جائیگا - لیکن اگر وہ ایمن سے کسی ملک کا باشندہ یا رعیت ہو جائے مگر اپنا مذہب تبدیل نہ کرے تو اُسکی حقوق و فرائض کا انضباط کیونکر ہوگا جر - کیا اپنے وطن اصلی کے بادشاہ کی اطاعت ترک کر دینا اِسکی دلیل سمجھا جائیگا کہ شرع محمدی کی پابندی بھی اُسنے چھوڑ دی ہے ؟ شرع اِس سوال کا جواب بصیغہ نفی دیا جائیگا اور کہا جائیگا کہ وہ شخص ہمیشہ احکام شرع کا پابند سمجھا جائیگا - مگر اطالیہ اور فرانسیس کے قانون کے بموجب اُسکے صورت اور ہی کچھ سمجھی جائیگی یعنی جس مسلمان نے اطالیہ یا فرانسیس مین دائمی بود و باش اختیار کر لی ہو یا اُس ملک کی رعیت بنگیا ہو وہ اُسوقت سے اُسی ملک کے قوانین کا پابند سمجھا جائیگا -

چونکہ اوائل مین سلطنت اسلامیہ اور ایشیا اور یورپ کی مخالف اسلام قومون مین ہمیشہ جنگ و جدل ہوا کیا لہذا متقدمین فقہاے اسلام نے متاخرین علماے نصاریٰ[1] کی طرح سب مہذب و شائستہ ملکون کو دو جزؤن پر منقسم کیا ہے یعنی دار الاسلام اور دار الحرب - دار الاسلام سے مراد وہ ملک تھا جسمین دین خدا جاری ہو اور علم کی روشنی پھیلی ہو اور دار الحرب وہ ملک تھا جسمین کفر و جہل غالب ہو اور یہ دونون ملک ہمیشہ ایک دوسرے کی دشمن سمجھی جاتی تھی - مگر جو غیر مسلم قومین سلطنت اسلامیہ کی سرحدین تجارت

---

[1] گروشیس اور پوفنڈارف نے خاص کر مسلمانون کو صاف لکھدیا ہے کہ یورپ کے مہذب عیسائی قومون کے ساتھ کسی قسم کے حقوق مشترکہ نہین رکھتے ہین بلکہ اُنکے بعد جو مقننین گذرے ہین اُنھون نے بھی

وغیرہ کی غرض سے داخل ہوتی تھین انکو شرع محمدی سے حفاظت شخصی کے اسباب و وسائل اُن ذرایع حفاظت سے بہتر و وسیع تر بخشے تھے جو ممالک عیسائی مین مہیا کیے گئے تھے ۔
جب کوئی غیر مسلم کسی مسلمان ملک مین داخل ہوتا تھا تو مہمان سمجھا جاتا تھا اور جو امان اُسکو سرحد مین ملتی تھی وہی امان اُسکو ہر دہقان دیتا تھا ۔ سال بھر وہ اُس ملک مین بے کھٹکے رہتا تھا اور کوئی اُسکو ایذا نہ پہونچا سکتا تھا ۔ مگر سال بھر کے بعد اُسکو وہ ملک چھوڑ دینا پڑتا تھا یا کلمۂ ذمی کی حیثیت قبول کر کے جزیہ یا معمولی خراج دینا پڑتا تھا تب وہ اُن تمام حقوق و مواجب کا مستحق ہوجاتا تھا جو شرع محمدی آنے رعایاے مسلم کو بخشے ہین ۔
جب کوئی مسلمان کسی غیر ملک مین چلا جاتا تھا تو اُسکی نسبت ہمیشہ یہ فرض کر لیا جاتا تھا کہ ضرور اپنے ملک مین واپس آئیگا اور وہ کسی صورت سے سلطنت اسلامیہ کی بود و باش نہین ترک کر سکتا تھا اور اگر وہان کی بود و باش ترک کر کے دار الحرب کی سکونت اختیار کر لیتا تھا تو مرتد سمجھا جاتا تھا اور شرعاً احکام نیت اُسپر جاری ہوتے تھے ۔ قومون کے باہمی راہ و رسم پر ایسی قید شدید لگا نا اُن لڑائیون کا نتیجہ ضروری و لابدی تھا جنمین اپنے پیغمبرؐ کی وفات کے بعد مسلمان گرد و نواح کی قومون سے مبتلا ہو گئے تھے ۔ مگر جب سے سلاطین اسلام نے یورپ کے عیسائی بادشاہون سے شرائط مصالحہ طی کر لیے ہین اور جب سے خود عیسائیون نے اپنے تعصب مذہبی کو چھوڑ کر مسلمان قومون کو عدل و انصاف فطری مین اپنا شریک و سہیم کر لیا ہے اُسوقت سے شرع شریف کی شدت مین بہت خفت ہو گئی ہے ۔ بس اب ہر مسلمان غیر ملک مین بود و باش کر سکتا ہے بے اسکے کہ وہ مسلمان نہ باقی رہے ۔
علاوہ اسکے اب نئی نئی ملکی ضرورتین اور ملکی حالتین پیدا ہوئی ہین اور اب لاکھا مسلمان غیر مسلم سلطنتون کی رعایا ہین اور مستامن ہین یعنی اُنکے حقوق و مواجب کی حفاظت کیجاتی ہے

بھی اسی قول کی تائید کی ہے کہ قومی قانون یعنی وہ قانون جو ایک قوم کو دوسری قوم کی نسبت برتنا چاہیے ممالک عیسائی پر محدود و منحصر ہے ۔ ولزی صاحب کا قومی قانون صفحہ ۵ - ۱۲ منہ

پس اسکا بھی بہت بڑا اثر مسلمانون کے قدیم خیالات شرعی پر ہوا ہے — اب ان جدید حالات مین ممکن ہے کہ جو مسلمان کسی خاص صوبہ مین رہتا ہو جہان احکام شرع بخوبی اور تمام جاری و نافذ ہین وہ اُسی سلطنت کے دوسرے صوبہ مین چلا جاے جہان احکام شرع کی پابندی بہت کم کیجاتی ہے اور اُس ملک مین وہ دائمی اور مستقل بود و باش حاصل کرلے اور شرع کے اصل منشا کے خلاف نہ لازم آئے — مثلاً جو مسلمان حدود برٹش انڈیا کے اندر پیدا ہوا ہو وہ برطن اعظم یا آیرلینڈ مین سکونت اختیار کرسکتا ہے بے اسکے کہ وہ مسلمان نہ باقی رہے کیونکہ اس صورت مین سکونت کے تغیر سے یہ نہ لازم آئیگا کہ اُسکا ایمان بھی بدل گیا ہے —

معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین علماے اسلام کے پیش نظر ایسی ہی صورتین تھین جب انھون نے یہ فرمایا کہ مسلمین اپنے اصل موطن و مسکن کو قطعاً تو ترک نہین کرسکتے مگر وہ ایک ہی ملک مین جو ایک ہی پادشاہ کا محکوم ہو ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ مین جا سکتے ہین

قانون انگلستان کے بموجب حیثیت شخصی بادی النظر مین بود و باش پر موقوف ہے مگر اس کلیہ کے مستثنیات اور قیود اسقدر ہین کہ اُنکی تفصیل لکھنا بہت دشوار ہے — چنانچہ ڈایسی صاحب فرماتے ہین کہ قانون بود و باش اُن حقوق پر جو حیثیت شخصی سے اور نکاح اور طلاق اور جائداد منقولہ سے متعلق ہین مؤثر ہوتا ہے مگر وہ حقوق اُسی قانون کے بالکل تابع نہین ہین الخ پس جس مسلمان نے سکونت چندروزہ انگلستان مین اختیار کرلی ہو اُسکی حیثیت احکام شرع کے تابع ہوگی الا اینکہ وہ احکام شرع قانون انگلستان کے خلاف یا انصاف فطری کے مخالف ہون — اُس مسلمان کی حقوق قانونی حاصل کرنے اور اُنکو عمل مین لانے اور قانونی کارروائیات کرنے کی قابلیت البتہ اُس ملک کے قانون پر موقوف ہوگی جسمین اُسنے بود و باش اختیار کی ہے — شرع محمدی کے رو سے برٹش انڈیا تمام مقاصد و اغراض کے لیے بلاد الاسلام مین داخل ہے — اور چونکہ قانون ۳۹ — دفعہ ۱۷ — شاہ جارج سوم مین صاف لکھا ہے

کہ ہندوستان مین شرع محمدیؐ کی پابندی مسلمانون کے سب مقدمات مین بجنسہٖ ٹھیک
اور بلا رو و رعایت کیجاے لہذا یہ فرض کرلینا چاہیے کہ جہانتک مسلمانان ہند متعلق ہین
وہانتک اُنکی بود و باش کے قانون سے مراد شرع محمدی ہے —

جبتک کوئی مسلمان اپنی اصلی بود و باش پر قائم رہتا ہے اُسوقت تک اُسکی حیثیت شخصی
اور چند افعال مشروع بجالانے کی اُسکی ذاتی قابلیت شرع محمدی کے تابع رہتی ہے —
لکن جب وہ اصلی بود و باش کو ترک کرکے کوئی نئی سکونت حاصل یا اختیار کرلیتا ہے
اُسی وقت سے وہ اپنے قومی قانون کا پابند نہین باقی رہتا - مثلاً جب کوئی ہندوستانی
مسلمان سکونت دائمی انگلستان مین اختیار کرلیتا ہے یا ایسے افعال کرتا ہے جنسے صاف
ثابت ہوتا ہے کہ اُسکا قیام اُس ملک مین چندروزہ نہین ہے بس اُسی وقت سے تمام
مقدمات وراثت و حیثیت شخصی مین وہ قانون انگلستان کا پابند ہوجاتا ہے — اور اُسی وقت
سے وہ شرع محمدیؐ کے دائرہ سے نکل جاتا ہے - گو اپنے دل مین وہ شرع شریف کے
احکام اخلاقی اور احکام دینی کا تابع رہے مگر قانون انگلستان کے اختیار مین آجانے کا نتیجہ ہوتا ہے
کہ اپنی قومی حکومت یعنی حکومت شرع سے وہ خارج ہوجاتا ہے -

سابق مین جو کچھ عرض کیا گیا اُس سے ظاہر ہے کہ یہ بات کہانتک شرع شریف کی اصل منشا کے موافق ہے
اطالیہ[1] اور فرانسیس کے قانون کی بموجب یہ ہے کہ جبتک وہ سلطنت اسلام کی رعیت
رہیگا اُسوقت تک شرع محمدی کا پابند رہیگا گو اُسنے اپنی بود و باش بدل دی ہو —

چونکہ تمام مقدمات متعلقہ جائداد غیرمنقولہ کا فیصلہ قوانین مختص المقام کے بموجب کیاجاتا ہے
لہذا جو مسلمان سکونت چندروزہ یا سکونت دائمی انگلستان مین رکھتا ہو اُسکی جائداد غیرمنقولہ
کی وراثت و جانشینی مین اُس ملک کا قانون جاری ہوگا جہان وہ جائداد واقع ہے —

[1] مسٹر فرڈرک میتیسن صاحب نے جو قومی قانون کے باب مین اس ملک مین نہایت مستند القول ہین مجھسے بیان کیا ہے کہ شہنشاہ نپولین کے مجموعہ قوانین مین بابت فرانسیس مین کچھ تغلب و تصرف ہوگیا ہے مگر اطالیہ کا قانون جدید اس باب مین بہت صاف ہے — ہو منہ

جائداد غیر منقولہ کے وقف اور ہبہ مین بھی یہی کلیہ جاری ہوگا۔ یہان پر قانون انگلستان اور شرع محمدیؐ مین پھر اختلاف ہوا ہے۔ شرع شریف مین کوئی شخص اپنا سارا مال اپنے ورثۂ شرعی کی نقصان رسانی کرکے کسی کو بذریعۂ وصیت نہین دے سکتا ہے مگر قانون انگلستان کے مواقق وہ ایسا کر سکتا ہے۔ پس اگر وہ جائداد انگلستان مین ہو تو خواہ کوئی مسلمان اُس ملک مین سکونت دائمی خواہ قیام چندروزہ رکھتا ہو اپنی ساری جائداد غیر منقولہ بذریعۂ وصیت کسی کو دے سکتا ہے بلا لحاظ حقوق ورثۂ شرعی کے۔ اگر وصیت جائداد منقولہ کے باب مین ہو اور موصی انگلستان مین بود و باش نہ رکھتا ہو تو اُسمین شرع محمدی جاری ہوگی مگر کلام اسمین ہے کہ آیا مال غیر منقولہ اگر وقف کیا جائے تو قانون انگلستان کے موافق اُسمین شرع محمدیؐ جاری ہوگی یا اُس مقام کا قانون جہان وہ جائداد ہے ج۔ غالباً اُسی مقام کا قانون جاری ہوگا۔ اسی طرح جائداد غیر منقولہ واقعۂ انگلستان کی وراثت مین قانون انگلستان جاری ہوگا خواہ اُسکا مالک متوفی انگلستان کا متوطن ہو خواہ نہو۔ مثلاً اگر کوئی مسلمان اُس ملک مین کچھ جائداد غیر منقولہ چھوڑکر مر جائے اور دو بیٹے چھوڑے اُنمین سے بڑا بیٹا غیر مسلم ہو تو وہ بڑا بیٹا ساری جائداد پائیگا اور اُسکے چھوٹے بھائی کو کچھ نہ ملیگا گو شرع مین کفر یا ارتداد مانع ارث ہے۔

قانون انگلستان کے موافق جائداد غیر منقولہ ہمیشہ وارث حقیقی کو ملتی ہے اور وارث حقیقی کی تعریف یہ لکھی ہے کہ وہ بیٹا جو اکبر اولاد ہو اور زندہ ہو اور ولد الحلال ہو یعنی اُس منکوحہ کے بطن سے ہو جو قانون انگلستان مین منکوحہ کہلاتی ہے۔ پس اِس سے ظاہر ہے کہ جو جائداد غیر منقولہ انگلستان مین واقع ہو اُسکی وراثت و جانشینی قانون انگلستان کی بموجب ادا کیجائیگی مثلاً ایک مسلمان انگلستان مین سکونت پذیر ہو مگر وہان توطن یا سکونت دائمی نہ اختیار کرلی ہو اور اپنے مرنے کے بعد دو اولاد دو منکوحہ بیبیون کے بطن سے چھوڑے یعنی ایک بیٹی پہلی بی بی سے اور ایک بیٹا دوسری بی بی سے۔ اور کچھ جائداد

غیر منقولہ بھی انگلستان مین چھوڑ جائے۔ اِسمین شک نہین ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی جائداد غیر منقولہ کا وارث ہونے کی غرض سے قانون انگلستان کی پہلی شرط کی تکمیل کرتا ہے یعنی وہ بیشک اپنے باپ کا اکبر اولاد ہے اور زندہ اور ولد الحلال ہے۔ اُسکے ولد الحلال ہونے پر قانون انگلستان مؤثر نہین ہے بلکہ اُسکا ولد الحلال ہونا اُسکے باپ کے وطن اصلی کے قانون پر موقوف ہے اور چونکہ شرع محمدی کے موافق اُسکے والدین کا نکاح جائز و مباح تھا لہذا قانون انگلستان کے بموجب بھی وہ ولد الحلال ہوگا۔ مگر چونکہ قانون انگلستان کے مواقف ایک ہی زمانہ مین دو نکاح کرنا جائز نہین ہے لہذا وہ بیٹا یہ نہ سمجھا جائیگا کہ ہمبستری جائز سے پیدا ہوا ہے پس وہ اپنے باپ کی جائداد غیر منقولہ واقعہ انگلستان کا وارث نہوگا نہ وہ اسکا مستحق ہوگا کہ اُسکا حق جو اراضی واقع انگلستان مین ہے اپنے باپ یا اور رشتہ دارون کو دیجائے۔ تاہم چونکہ وہ ولد الحلال ہے اور اُسکا نسب اُسکے باپ کے وطن اصلی کے قانون یعنی شرع محمدی کے بموجب صحیح ہے لہذا وہ اپنے باپ کے نسب سے خارج نہ سمجھا جائیگا۔

پس اس سے ظاہر ہے کہ جس مسلمان نے سکونت دائمی انگلستان مین اختیار کرلی ہے اُسکی حیثیت کے باب مین کچھ شک و شبہ نہین ہوسکتا نہ اُس قانون کے بارے مین کچھ بحث ہوسکتی ہے جو جائداد غیر منقولہ واقعہ انگلستان کی وراثت و جانشینی مین جاری ہوگا۔ مگر جو مسلمان انگلستان مین قیام چند روزہ رکھتا ہو اُسکی حالت البتہ غور طلب ہے کیونکہ اُسکی حیثیت شخصی اور قابلیت ذاتی بالکل اُس قانون کی تابع ہے جو اُسکے وطن اصلی مین جاری ہے۔

شرع شریف مین یہ حکم ہے کہ جب والدین مین سے ایک مسلمان ہو تو اولاد بھی مسلمان فرض کیجائیگی[1]

[1] شرایع الاسلام صفحہ ۴۴۲ — ہدایہ کتاب ۲ — باب ۵ — شرح وقایہ صفحہ ۱۳۴ — ۱۲ منہ

قانون انگلستان کے موافق بھی ولد الحلال اپنے باپ کا نطفہ فرض کر لیا جاتا ہے
چونکہ شرع شریف مین مسلمان مردون کا نکاح غیر مسلمہ عورتون کے ساتھ جائز ہے
لکن اسکے بالعکس جائز نہین ہے لہذا جو اولاد پدر مسلم اور مادر غیر مسلمہ سے پیدا ہو اُسکے
مذہب کے باب مین شرع محمدیؐ اور قانون انگلستان مین اختلاف ممکن نہین ہے —
اسواسطے که اگر کوئی مسلمان نصرانیہ کے ساتھ انگلستان مین شادی کر لے تو ایسا ازدواج
قانون انگلستان اور شرع محمدیؐ دونون کے بموجب جائز ہوگا اور ایسے ازدواج سے
جو اولاد بہم پہونچیگی وہ اپنے باپ کے ہم مذہب سمجھی جائیگی — اگر قبل وقوع عقد متنا کحین نے
کوئی خاص معاہدہ یا قول و قرار درباب تعلیم و تومیت اطفال کر لیا ہو تو ایسا قول و قرار کرنا
شرع شریف کے بموجب جائز ہے یہانتک کہ یہ اقرار کر لینا بھی جائز ہے کہ بعض اولاد کی
پرورش و پرداخت بطور غیر مسلم کیجائیگی — مگر ایسی اولاد کو کفر اپنے پدر مسلم کے ارث سے
مانع ہوگا الا انیکہ اُسکے باپ نے انگلستان مین دائمی بود و باش اختیار کر لی ہو یا اسکی جائداد
غیر منقولہ ہو اور انگلستان مین واقع ہو — لکن گو باپ بلاد الاسلام مین سکونت رکھتا ہو
اُسکو جائز نہین ہے کہ ایسی اولاد اور ایسی زوجہ کو اپنی کل جائداد کا ایک ثلث یا اس سے کم
بذریعہ وصیت دیجائے —

جب کسی مسلم کا نکاح کسی غیر مسلمہ کے ساتھ کسی غیر ملک مین ہوا ہو تو ایسا نکاح شرعًا
جائز ہے بشرطیکہ ایسا نکاح اُس مقام خاص کے قانون ازدواج کے موافق یا زوجہ کے
رسوم مذہبی کے مطابق پڑھا گیا ہو — یہ مسئلہ شرع محمدیؐ کا قانون انگلستان کے موافق ہے
قانون انگلستان کے بموجب قابلیت ازدواج اُس قانون کے موافق تجویز کیجائیگی
جو متنا کحین کے وطن اصلی مین جاری ہو مگر ازدواج کی صورت عمومًا اُسی مقام کے
قانون کے بموجب قرار دیجائیگی جہان عقد وقوع مین آیا ہو — اسی طرح سے شرع
محمدیؐ مین بھی قابلیت ازدواج احکام شرع کے تابع ہے مگر ازدواج کی صورت رسوم

و دستورات مختص المقام پر موقوف ہے - مثلاً ایسے مرد اور عورت کا نکاح شرعاً جائز ہے جو بالغ و رشید ہوں اور جنکے نکاح کا کوئی عذر شرعی مانع نہو چاہے کسی صورت اور کسی طرز سے وہ نکاح ہوا ہو ــــ ہر مسلمان یہودیہ اور نصرانیہ سے نکاح کر سکتا ہے اور ایسے نکاح کا زوجہ کے رسوم مذہبی کے موافق ہونا شرعاً جائز ہے یا بطور ایک معاہدہ کے اُس عہدہ دار سرکاری کے روبرو بھی ہونا جائز ہے جسکو حاکم وقت نے نکاح پڑھنے یا اسکو رجسٹری کرنے کا مجاز کیا ہو ــــ

مگر غور طلب یہ امر ہے کہ جب شوہر اپنے وطن اصلی مین مراجعت کرے تو آیا پہلے نکاح کا جواز اسپر موقوف ہوگا کہ وہان آکر کوئی اور نکاح بھی پڑھا جائے ج ــــ

فرانسیس کی عدالتون نے اِس سوال کا جواب بصیغۂ نفی دیا ہے اور اُنکے فیصلے اس مقدمہ مین اصول شرع محمدی کے موافق ہین - کیونکہ مسلمانون کے نزدیک نکاح ایک خالص دنیوی کارروائی ہے جسکا جواز اسپر موقوف ہے کہ متناکحین ایسا مستحکم معاہدہ کرنے کی قابلیت شرعاً رکھتے ہون اور اُسکا جزءِ اعظم ایجاب و قبول ہے ــــ

اگر مرد بالغ و رشید ہے یعنی اُسکی عمر پندرہ سال سے زیادہ ہے اور وہ اپنی نیک و بد کو خوب سمجھ سکتا ہے یا یہ کہئیے کہ وہ سر سیر (نابالغ) یا سفیہ (فاترالعقل) نہین ہے اور اگر عورت بھی بالغہ و رشیدہ ہے اور وہ دونون باہم نکاح کرین تو ایسا نکاح شرعاً جائز ہوگا خواہ گواہ ہون خواہ نہون ــــ پس جو نکاح کسی غیر ملک مین ایسے عہدہ دار سرکاری کے روبرو ہوا ہو جو نکاحون کی تصدیق اور رجسٹری کرنے کا خاص طور سے مجاز کیا گیا ہو وہ نکاح صحیح و جائز ہوگا اور اِسکی ضرورت نہوگی کہ جب شوہر اپنے وطن اصلی مین مراجعت کرے تو اُسکی تجدید یا[1] اعادہ کرے

اگر کسی مسلمان نے کسی ایسے ملک مین دائمی بود و باش اختیار کرلی ہو جہان تعدد ازواج

---

[1] اِس مسئلہ مین مذاہب اسلامیہ کا اتفاق ہے جامع الشتات ملاحظہ ہو ــــ

ممنوع ہو اور جسوقت اُسنے وہان سکونت دائمی اختیار کی تھی اُسوقت اُسکی دو بیبیان موجود تھین تو فقط بود و باش کے بدلجانے سے اُسکا دوسرا نکاح باطل یا ناجائز نہو جائیگا مگر وہ شوہر اور نہ ایسی زوجہ ایسے حقوق رکھیگی جنکا نفاذ ایک دوسرے کے مقابل مین ہو سکے اور گو وہ زوجہ اپنے شوہر پر نان ونفقہ یا حقوق زوجیت کی نالش کرنے کی مستحق نہو مگر کوئی قاعدہ ایسا نہین ہے جس سے وہ شوہر کی وفات کے بعد محجوب الارث ہو جائے یعنی اُسکی میراث نہ پاوے۔ کیونکہ حق وراثت اُسکو اُسوقت ملا تھا جب اُسکا نکاح اُس مرد کے ساتھ ہوا تھا اور وہ نکاح جائز طور سے ہوا تھا اور کبھی فسخ نہین کیا گیا تھا۔ لہذا وہ زوجہ شوہر کی میراث پانے کی مستحق ہوگی گو یہ بات ہو کہ جس ملک مین اُسنے اب بود و باش اختیار کی ہے اُسکے قانون کے موافق وہ زوجہ نہ قرار پا سکے۔

اگر کوئی مسلمان جسنے انگلستان مین سکونت چند روزہ اختیار کر لی ہو کوئی ایسا فعل کرے جو قانون انگلستان کے روسے جائز مگر شرع محمدی کے بموجب ناجائز ہو تو اُس فعل کا نتیجہ اُسوقت کیا ہوگا جب وہ اپنے وطن اصلی کو مراجعت کریگا۔ مثلاً فرض کیجیے کہ کوئی مسلمان ایک مشرکہ یعنی بت پرست عورت سے انگلستان مین شادی کر لے تو ایسی شادی قانون انگلستان کے بموجب جائز مگر شرع شریف کے روسے ناجائز ہوگی۔ پس جب وہ مسلمان بلاد الاسلام مین مراجعت کریگا تو اُس شادی کا کیا نتیجہ یا اثر ہوگا ج۔ غالباً مسلم کا نکاح مشرکہ کے ساتھ شرعاً ناجائز ہے مگر قانون انگلستان کے موافق یقیناً جائز ہوگا اور معتزلہ کے مذہب مین بھی جائز ہوگا۔ یہ خیال کرنا غلط ہے کہ شرع محمدی کے بموجب مسلم صرف ایسی عورت سے نکاح کر سکتا ہے جو کوئی الہامی دین رکھتی ہو یعنی کتابیہ یا اہل کتاب ہو۔ بلکہ مسلمین کو اہل الہوا (یعنی حکیم مشرب عورت) اور مجوسیہ اور یہودیہ اور نصرانیہ کے ساتھ عقد کرنا جائز ہے۔

شارع اسلام کا مقصود اصلی یہ تھا کہ شرک و بت پرستی گروہ اہل اسلام سے بالکل خارج رہے اسوجہ سے اُنھون نے مسلمانون کا مشرکین عرب کی بت پرست عورتون سے

ساتھ عقد کرنا حرام مطلق کردیا - شارع اسلام صلعم نے ایسے نکاح کو انھین وجوہ سے حرام کردیا جن وجوہ سے انبیا سے سلف مین سے حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کا نکاح اہل فنیسیہ یعنی عمالقہ اور بت پرست قومون کے ساتھ حرام کردیا تھا -

چونکہ قانون انگلستان کے بموجب تعدد ازواج حرام ہے لہذا جو مسلمان قیام چندروزہ انگلستان مین رکھتا ہو وہ ایک ہی زمانہ مین دو عورتون سے نکاح نہین کرسکتا گو اُسکے وطنِ اصلی کے قانون کے موافق ایسا کرنا جائز ہو - اگر اُس ملک مین وہ دو عورتون سے ایک ہی وقت مین نکاح کرلے تو دو بیبیان کرنے کے جرم مین ماخوذ ہوگا -

مگر یہ سوال ہے کہ جو مسلمان انگلستان مین سکونت دائمی اختیار کرچکا ہو آیا وہ بلادالاسلام مین چندروز کے لیے واپس آنے کے بعد بھی اختیار تعدد ازواج کو عمل مین لا سکتا ہے ج

فرانسیسی عدالتون نے اس سوال کا جواب بصیغہ نفی دیا ہے اور غالباً انگلستان کی عدالتون کی بھی یہی راے قرار پائیگی -

ازروے شرع محمدی متناکحین کو بہ پابندی چند شرائط مخصوصہ اختیار ہے کہ برضا ورغبت خود اور بلا اجبار و اکراہ فسخ نکاح کرلین - قول مشہور یہی ہے کہ ایسی صورت مین کسی عدالت مین جاکر طلاق کی کارروائی کرنا کچھ ضرور نہین ہے - کلام اسمین ہے کہ جو مسلمان انگلستان مین سکونت پذیر ہو مگر سکونت دائمی بلادالاسلام مین رکھتا ہو آیا وہ فسخ نکاح بلا دست اندازی عدالتہاے طلاق انگلستان کرسکتا ہے ج ———

لے وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ یعنے نہ نکاح کرو مشرک عورتون سے جبتک کہ وہ ایمان نہ لائین ہرآئینہ مسلمان عورت مشرک عورت سے بہتر ہے گو اُسکو تم پسند کرو اور نہ نکاح کرو مشرک مردون سے جبتک کہ وہ اسلام نہ قبول کرین ہرآئینہ مرد مسلمان مشرک سے بہتر ہے گو وہ تمکو اچھا معلوم ہوتا ہو - قرآن مجید سورۃ البقر آیت ۲۲۰ - مشرک اور مشرکہ سے وہ مرد اور عورت مراد ہین جو حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات پاک مین دوسرے کو شریک جانتے ہون اور یہ الفاظ عموماً بت پرست مردون و عورتون کی نسبت استعمال کیے جاتے ہین - ۱۲ مترجم

اکثر فیصلجات انگلستان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ قانون انگلستان کے مقاصد
کے لیے وہ ایسا نہین کرسکتا یعنی قانون انگلستان کے بموجب ایسا طلاق مسلّم و موثر نہ سمجھا جائیگا
مگر عام قاعدہ یہ ہے کہ مقدمات طلاق مین عدالت کا اختیار اسپر موقوف ہے کہ طلاق کی
نالش دائر کرنے کے وقت شوہر سکونت دائمی کس ملک مین رکھتا ہے ـــ چنانچہ بمقدمہ
ولسن لارڈ پنزانس صاحب فرماتے ہین کہ ــ "میری ذاتی راے یہی ہے کہ اختیار
طلاق کے مقدمہ مین صرف ایک ہی واجبی اور لائق اطمینان قاعدہ کی پابندی کرنی چاہیئے
وہ قاعدہ یہ ہے کہ سب مقدمات طلاق مین فریقین سے کہا جائے کہ طلاق کا دعوے اُس
ملک کی عدالتون مین دائر کرین جہان وہ بود و باش رکھتے ہون ــ مختلف قومون کے
آرا اور قوانین زن و شوہر کے فرائض کے باب مین مختلف ہین اور ہر قوم ایک جداگانہ
اندازہ اُن اسباب کا کرتی ہے جنسے طلاق دینا جائز ہو جاتا ہے ــ لہذا قرین انصاف
اور قرین قیاس یہی ہے کہ زن و شوہر کے باہمی نااتفاقیان اُس قوم کے قوانین کے موافق
رفع کیجائین جس قوم سے وہ ہون اور وہی عدالتین اُنکا فیصلہ کرین جو اُن قوانین کو نافذ
کرسکتے ہون" لارڈ جسٹس بریٹ صاحب نے بھی مقدمہ نیوٹ بنام نیوٹ یہی راے
قرار دی ہے اور فرمایا ہے کہ "زوجہ جبتک زوجہ ہے اسوقت تک اُسکی بود و باش
وہی ہے جسکو اُسکے شوہر نے پسند کرلیا ہو اور اصول انصاف کے بموجب ایک ہی
عدالت اِس بحث کو سُن سکتی ہے کہ جب فریقین کی مناکحت مسلّم ہو تو آیا اُنکے باہمی
تعلق مین کچھ بھی تغیر ہو سکتا ہے یا نکاح ہو جانے سے فریقین کی کیا حیثیت
ہو گئی ہے درحالیکہ اُس تغیر کا باعث کوئی ایسا فعل ہوا ہو جو قانوناً جرم زوج
یا زوجہ سمجھا جاتا ہو ــ وہ عدالت اُس ملک کی عدالت ہے جسمین طلاق کا دعوے
دائر کرنے کے وقت فریقین بود و باش رکھتے ہون" ــ
زن و شوہر کی بود و باش کے باب مین شرع محمدی قانون انگلستان سے اتفاق

رکھتی ہے — درصورت اُس نکاح کے جو حقیقۃً ایک ہی زوجہ پر محدود ہو اور جسمین
اُن شرائط کی تکمیل بخوبی ہو گئی ہو جو عالم جج نے بمقدمہ ہائڈ بنام ہائڈ قرار دیے ہین
یعنی نکاح کی تعریف یہ لکھی ہے کہ وہ ایک عورت کا ایک مرد سے تاحیات دونون کے اور
برضا و رغبت خود اور باخراج جملہ دیگر اشخاص کے وصل ہونا ہا کوئی اصول قانونی ایسا
نہین معلوم ہوتا جسکے بموجب انگلستان کی عدالت طلاق کی اُس نالش کی سماعت سے
انکار کر سکتی ہے جو اُن وجوہ سے دائر کی گئی ہو جو خود اُس عدالت کے نزدیک مسلم ہین
جو فیصلہ بمقدمہ ہائڈ بنام ہائڈ صادر ہوا ہے اُسمین بخوبی غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے
کہ لارڈ پنزانس صاحب نے جو اِس مقدمہ مین دادرسی کی درخواست کو نامنظور کیا ہے تو ضمناً
یا صریحاً یہ کہین نہین فرمایا ہے کہ انگلستان کی عدالت طلاق ایسی نالش کی سماعت نہین کر سکتی
جو اُس نکاح کو فسخ کرانے کے لیے دائر کی گئی ہو جو ایک زوجہ پر محدود و منضبط ہو اور
انگلستان مین ہوا ہو اور جسمین ناکح عیسائی مذہب کے سوا ے اور کوئی مذہب رکھتا ہو مگر
انگلستان مین دائمی بود و باش رکھتا ہو — لیکن جب کوئی مسلمان صرف قیام چند روزہ یا
سکونت غیر مستقل انگلستان مین رکھتا ہو تو اختیار طلاق جو از روی شرع شریف فریقین کو ہر حال
مین حاصل ہے کیونکر عمل مین لایا جائیگا ؟ — فرض کیجیے کہ کوئی مسلمان زوجہ سے ناموافقت
مزاج کی وجہ سے طلاق کا خواہان ہو یا کوئی زوجہ اپنے خاوند کی درشتی اور بدسلوکی کی وجہ سے
اُس سے طلاق لینا چاہے تو کیا فریقین باہمی رضامندی سے فسخ نکاح کر سکتے ہین جو از روے
شرع محمدی جائز ہے یا یہ کہ انکو فسخ نکاح کی ایک باضابطہ ڈگری حاصل کرنی پڑیگی ؟ — اگر وہ
نکاح انگلستان مین ہوا تھا تو اُس ملک کی عدالتین ایسی طلاق کو نہ تسلیم کرینگی جو کسی مسلمان قاضی
یا مفتی نے پڑھ دیا ہو تاوقتیکہ ایسا طلاق کسی ایسے سبب سے نہ دیا گیا ہو جو اُس ملک مین سبب
معقول طلاق کا سمجھا جاتا ہو اور کسی غیر ملک کی کارروائی کر کے اور اُس ملک کی عدالتون سے

سلہ شا بنام اٹرنی جنرل لا رپورٹ جلد ۔ صفحہ ۱۵۶ — ۱۲ منہ سلہ شا بنام گولڈ لا رپورٹ جلد ۳ صفحہ ۵۵ — ۱۲ منہ

سازش کرکے مقدمہ طلاق مین مدد نہ لیگئی ہو۔ اگر نکاح بلاد الاسلام مین ہوا ہو اور فریقین انگلستان
مین رہتے ہون تو بھی انگلستان کی عدالتین اس طلاق کو جائز نہ رکھینگی جو کسی عدالت مجازہ کے
ذریعہ سے نہ حاصل ہوا ہو۔ پس جو مسلمان انگلستان مین رہتا ہو وہ فسخ نکاح اپنی مرضی سے
نہین کرسکتا گو اپنے وطن مین اُسکو ایسا کرنا جائز ہو۔

جب کوئی مسلم کسی مسلمہ سے عقد کرے تو حکم شرع یہ ہے کہ گواہ بھی مسلمان ہون۔
مگر جب متناکحین مین اختلاف مذہب ہو تو گواہون کا مسلمان ہونا کچھ ضرور نہین ہے۔

شرع محمدی مین بھی قانون اسکاٹ لینڈ کی طرح اگر متناکحین خود آپسمین نکاح پڑھلین
تو وہ نکاح ایک معاہدہ جائز سمجھا جائیگا۔ لیکن اگر نکاح انگلستان مین کیا جائے تو ضرور ہے
کہ اُسی طور اور اُنھین رسوم کے ساتھ کیا جائے جو قانون انگلستان کے بموجب نکاح جائز کے لیے
لازم ہین۔ والدین یا اولیار کی رضامندی جو مسلمانون کے نزدیک بعض شرائط سے جواز نکاح کو
لازم ہے قانون انگلستان کے موافق ایک جزو صرف رسم نکاح کا سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً ایک حنفی
یا شیعہ مرد یا عورت اگر بالغ و رشیدہ ہو تو بلا اجازت اولیار نکاح کرسکتی ہے مگر ایک شافعی عورت
کسی حال مین بلا رضامندی اپنے ولی شرعی کے نکاح نہین کرسکتی۔ لکن اگر وہ بلا اجازت
و رضامندی والدین یا اولیا انگلستان مین اپنا نکاح کرلے تو وہ نکاح جائز ہوگا۔

صوبۂ الجیریا مین یہ تجویز ہوچکا ہے کہ قاضی پر فرض نہین ہے کہ مسلم اور غیر مسلمہ کے
نکاح کی تصدیق کرے مگر ایسا نکاح کسی عہدہ دار ملکی کے روبرو رجسٹری ہوسکتا ہے
جسپر قانوناً فرض ہے کہ فریقین کی خواہش کو عمل مین لاکر اُس نکاح کو محکمہ رجسٹری کے
کاغذات مین درج کرے۔ ایکٹ رجسٹری نکاح اہل اسلام کے بموجب جو صوبہ
بنگالہ کے چند اضلاع مین جاری ہے مسلمانون کو اپنی شادیان رجسٹری
کرانے کا اختیار ہے۔ اور چونکہ اِس ایکٹ کے بموجب قاضی خاص اِس
کام کے لیے مقرر کیے گئے ہین کہ مسلمانون کی شادیون کی رجسٹری کرین لہذا اُنکو

ضرور رجسٹری کرنا پڑیگا بشرطیکہ اُنسے رجسٹری کی درخواست کیجاوے۔

پس فرض کیجیے کہ کوئی مسلمان سکونت چندروزہ یا بود و باش دائمی صوبہ بنگالہ مین رکھتا ہو اور غیر مسلمہ سے شادی کرے اور اُسکی رجسٹری بموجب ایکٹ رجسٹری نکاح مسلمانان کرانا چاہے تو قاضی کو انکار کا اختیار نہوگا گو اگر ایسا قانون نافذ نہوتا یا اگر قاضی کا عہدہ ویسا ہی ہوتا جیسا پادشاہان اسلام کے عہد مین تھا تو قاضی کو ایسے نکاح کی رجسٹری سے انکار کرنا جائز ہوتا۔

اس مسئلہ مین ایک عجیب و غریب امر الجیریا کی عدالت مین ۴ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو پیش ہوا ایک مسلمان باشندۂ الجیریا نے ایک اسپانیہ کی عورت سے جو مسلمان ہو گئی تھی نکاح کیا وہ نکاح قاضی کے روبرو ہوا اور اُس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ولد الحلال شوہر متوفی اور زوجہ مریم کا درج رجسٹر کیا گیا۔ یوسف کی وفات کے بعد اُسکی زوجہ مریم نے اپنی طرف سے اور اپنی اولاد کی جانب سے بھی اپنے شوہر متوفی کی جائداد پر قبضہ کرنا چاہا مگر اُسکے شوہر کے بھائیون نے اُسکا سخت مقابلہ کیا اور یہ بحث پیش کی کہ اُسکا نکاح جو قاضی کے سامنے ہوا تھا جائز تھا اِسواسطے کہ گو اس عورت نے دین اسلام اختیار کر لیا تھا مگر سلطنت اسپانیہ کی رعیت رہی لہذا رسم نکاح اسپانیہ کے سفیر یا حکام فرانسیسی کے روبرو ادا ہونا چاہیئے تھا۔ عدالت نے جسمین تین فرانسیس جج اور دو مسلمان اسیسر تھے بالاتفاق اُس نکاح کو جائز قرار دیا اور یہ حکم دیا کہ مریم اور اُسکا لڑکا شرع محمدی کے بموجب یوسف متوفی کی وراثت کے مستحق ہین۔

پس اگر کوئی مسلمان ایک غیر مسلمہ سے اُن صوبجات ہندوستان مین عقد کرنا چاہے جہان ایکٹ رجسٹری نکاح اہل اسلام جاری ہے تو وہ ایسا نکاح یا اُس قاضی کے روبرو کر سکتا ہے جو اُس ایکٹ کے بموجب مقرر کیا گیا ہو یا پنچ کے طور پر دو گواہون کے سامنے کر سکتا ہے خواہ وہ ناکح کے ہم مذہب ہون خواہ منکوحہ کے۔ اگر وہ عورت کسی

غیر ملک کی رہنے والی ہو تو نکاح خواہ اُس سلطنت کے سفیر کے روبرو پڑھا جائے جس سلطنت کی وہ رعیت ہو خواہ رجسٹرار کے سامنے خواہ کسی جسٹس آف دی پیس خواہ قاضی کے روبرو ۔۔۔ اگر نکاح انگلستان مین یا یورپ کی کسی اور ملک مین ہو تو جن رسوم نکاح کی پابندی اُس ملک کے قانون کے بموجب لازم ہو وہ رسوم ادا کرنے پڑینگے ۔۔۔ البتہ کوئی قانون کسی مسلمان کو جو انگلستان مین رہتا ہو اس امر سے مانع نہین ہے کہ کسی مسلمہ یا غیر مسلمہ سے بطور خود اور موافق احکام شرع عقد کرلے مگر کوئی عدالت ایسے نکاح کو تسلیم نہ کریگی تاوقتیکہ وہ شرائط جو قانون انگلستان کے بموجب نکاح صالح کو لازم ہین عمل مین نہ لائے گئے ہون ۔۔۔

جو مسلمان انگلستان مین سکونت دائمی رکھتا ہو وہ اپنی زوجہ متوفیہ کی بہن سے نکاح نہین کرسکتا لکن اگر وہان سکونت چند روزہ رکھتا ہو تو البتہ اسمین بحث ہو سکتی ہے کہ آیا وہ ایسا کرسکتا ہے یا نہین کرسکتا ۔۔۔ امریکا کے مستند القول اشخاص کے نزدیک تو ایسا نکاح یقیناً جائز ہے ۔۔ مگر فقہائے انگلستان کا قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو نکاح انگلستان مین اُن اقربائے نسبی کے ساتھ ہو جو اُس ملک کے قانون کے بموجب محرمات مین داخل ہین وہ عدالتہائے انگلستان کے نزدیک ناجائز سمجھا جائیگا ۔۔۔

جب والدین انگلستان مین رہتے ہون تو وہ اپنے اختیارات شرعی کو اپنی اولاد پر عمل مین نہین لاسکتے تاوقتیکہ وہ اختیارات قانون انگلستان کے منشا کے موافق نہون فقط

حاشیہ ۱-۱

سلطنت اسلامیہ کی رعایائے غیر مسلم ذمیین کہلاتے ہین ۔۔۔ وہ مستوجب جزیہ کے ہین برخلاف کفار مستمین کے جو قیام چند روزہ بلاد الاسلام مین رکھتے ہون یا جو سلطنت اسلامیہ کی حدود مین قومی حقوق کی ضمانت سے یا کسی خاص امان سے جو انکو دیگئی ہو داخل ہون ۔۔۔

حاشیہ ۲

ابراھیم حلبی کے نزدیک لفظ بیت المال بجئے مالِ المُسلِمِین کو خلاصہ کرکے بنالیاہے یعنی وہ مکان جسمین گروہ اہل اسلام کا مال جمع ہو۔ بیت المال چار جزون پر منقسم ہے یعنے

(۱) بیت الصدقہ

(۲) بیت الغنیمت

(۳) بیت الخراج

(۴) بیت المال لاوارث

بیت الصدقہ کے مداخل حسب تفصیل ذیل ہین۔

(الف) پانچوان حصہ مال غنیمت کا یعنی خمس

(ب) دسوان حصہ اُس مال کا جسکو مسلمان بطور مالکان اُس علاقہ کے ادا کرین جو انکو بطور فاتحان کوئی ملک فتح کرنے کے وقت عطا ہوا ہو یا جو علاقہ اُسی زمانہ مین نومسلم مالکان قدیم کے قبضہ مین چھوڑ دیا گیا ہو۔

(ج) وہ ٹیکس جو عشر اور زکات کے حق سے دیا جائے۔

بیت الغنیمت کے مال مین اشیاے ذیل داخل ہین۔

(الف) وہ تعلقے جو کوئی ملک فتح کرنے کے بعد بے مالک پائے گئے ہون اور وہ تعلقے جو غنیم سے چھین لیے گئے ہون اور وہ تعلقے جنکے مالکان قدیم اب صرف آسامی رہگئے ہون۔

(ب) کانئین اور خزانے وغیرہ۔

بیت الخراج مین وہ ٹیکس داخل ہین جنکو پادشاہ وقت نے مقرر کیا ہو جیسے مالگذاری آراضی اور سالانہ خراج اور مصالحہ کا تاوان وغیرہ۔

بیت المال لاوارث مین اُن اشخاص کا مال جو لاوارث مرگئے ہون اور اُس شخص کا

اسباب جو اپنے مالک سے غائب ہو گیا ہو داخل ہے — یہ مال کسیقدر اُس جائداد کے مشابہ ہے جو یورپ کے ملکون مین ضبطی مال لاوارث کے حق سے یا دحقوق سے سرکار کو ملتی ہے — مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ مال بیت المال مین بصیغہ امانت رکھا رہتا ہے اور بیت المال کا مال حلال کبھی نہین سمجھا جاتا —

خراج ملک مصارف ذیل مین لایا جاتا ہے

(۱) صیغۂ زکات سے صرف غربا و مساکین مسلمین اور یتیمون اور بیوہ زنون اور مصیبت زدہ مسافرون کے فائدہ کے لیے صرف کیا جاتا ہے — اور لونڈی غلام آزاد کرنے اور دیگر امور خیر مین بھی خرچ کیا جاتا ہے اور تحصیلدارون وغیرہ کو اسی مین سے تنخواہین دیجاتی ہین —

(۲) مال غنیمت کا اختیار پادشاہ وقت کو ہے کہ جسطرح چاہے اُسکو تقسیم کرے اور کسی کو اسمین دخل نہین ہے — مگر امام یا پادشاہ وقت کو ایسے قواعد کی پابندی کرنی پڑتی ہے جنسے وہ کسی حال مین عدول و انحراف نہین کرسکتا — پہلا قاعدہ یہ ہے کہ مال غنیمت رفاہ عام کے کامون مین اور عمارات مفید عام کی تعمیر مین صرف کیا جاتا ہے

(۳) بیت الخراج کا مال جمہور اہل اسلام کے فائدہ کے لیے خرچ کیا جاتا ہے اور عمال وحکام کے مصارف اور قضات و مفتیان کی تنخواہین اور سپاہیون کی پنشنین اُسی مال سے دیجاتی ہین — اور اسی قسم کے خراج سے آلات جنگ اور گھوڑے اور اسباب ضروریہ جنگ خریدے جاتے ہین اور اسی سے مسجدین اور پل اور سڑکین بنائی جاتی ہین اور دریا وغیرہ بھی صاف کیے جاتے ہین —

(۴) بیت المال لاوارث کی جائداد بیمارون اور مصیبت زدون اور اطفال غیر جائز اور غربا و مساکین کی پرورش مین صرف کیجاتی ہے اور پل و سڑکین اور کاروان سرائین بھی اسی جائداد سے بنائی جاتی ہین جب اور کوئی مال وقف ان چیزون کے بنانے کے لیے نہو

تقریر مذکورۂ بالا سے ظاہر ہے کہ گورنمنٹ انگلشیہ ہندوستان مین کوئی حق لاوارث مسلمانون کے مال مین نہین رکھتی ہے ۔ پس ایسے مال کا دعوے کرنا سرکار کو سنی اور شیعہ دونون کے مذہب مین ناجائز ہے ۔ صرف ایک یہ سرکار ایسی جائداد کا دعوے کرسکتی ہے کہ یہ جائداد سرکار مین غربا و مساکین کی پرورش کے لیے امانت رکھی رہیگی ۔ مگر شرع شریف مین تاکید ہے کہ ایسا مال صرف غربا و مساکین مسلمین کے فائدہ کے لیے صرف کیا جاوے اور گورنمنٹ انگلشیہ فرمانروا دعویٰ نہین کرسکتی کہ ایسے مال کو شرع محمدی کے منشاء کے موافق صرف کرسکتی ہے فقط

تیسرا باب

اولاد حلال کی حالت

جیسا تمام مہذب و شائستہ قوانین مین ہے اسی طرح شرع محمدی مین بھی اولاد حلال والدین کی ہمبستری کی تابع ہے یعنی ولدالحلال کی ولدیت اسکی مان کے شوہر مین قائم سمجھی جائیگی بغیر اسکے کہ اُسکا باپ اُسکی ولدیت کا اقرار یا تصدیق کرے اور ایسی اولاد اپنے باپ کی حیثیت کے تابع ہوگی ۔

اہل سنت کے فرقون کے نزدیک ولدالحلال ہونے کا گمان ایسا ظن غالب ہے کہ اگر کوئی لڑکا اپنے والدین کی تاریخ نکاح سے چھ مہینہ کے بعد پیدا ہوا ہو یا اپنے مان کی طلاق یا اپنے باپ کی وفات کے دس مہینہ کے بعد پیدا ہوا ہو تو صرف اُسکے باپ کا اُسکی ولدیت سے انکار کرنا بھی ولدالحلال کی حیثیت کو اُس سے سلب یا زائل نہین کرسکتا ہے ۔

اِس باب مین ائمہ ساطیرا صاحب فرماتے ہین کہ وہ جس زوجہ کا نکاح بپابندی رسوم و احکام شرع ہوا ہو اُسکی نسبت شرع محمدی ایسا حسن ظن رکھتی ہے کہ اگر والدین اولاد کی ولدیت کو دوسرے شخص کی طرف منسوب کردین تو بھی جو

اولاد انکے زمانہ نکاح مین پیدا ہوئی ہو وہ اولاد حلال ہی سمجھی جائیگی الا اینکہ انکار بہ ولدیت بذریعہ لعان کیا جاوے یعنی زوجہ کو زنا سے متہم کرے [1]

ولد الحلال کے باب مین قانون [2] انگلستان بھی شرع محمدی کے مشابہ ہے —

قانون انگلستان کے بموجب منکوحہ کی اولاد جہان کہین پیدا ہوئی ہو حلالی سمجھی جائیگی الا اینکہ شوہر وزوجہ کی نارسائی کی یا اور کسی ایسے امر کی شہادت موجود ہو — مگر قانون انگلستان کے رو سے تعدد ازواج یعنی ایک ہی زمانہ مین کئی عورتون سے نکاح کرنا جائز نہین ہے اور ایسی کوئی سند موجود نہین ہے جس سے یہ بات ثابت ہو کہ اگر کوئی مسلمان کئی بیبیان رکھتا ہو تو انکی اولاد کا کیا حال ہوگا اور آیا اس صورت مین وہ عام قاعدہ جاری ہوگا جسکے بموجب جواز نکاح والدین کے وطن اصلی کے قانون پر موقوف ہے — مثلاً اگر کوئی مسلمان صوبہ الجیریا مین جہان شافعی مذہب سُنی رہتے ہین دو عورتون سے نکاح کرے تو آیا دوسری زوجہ کی اولاد حلالی قرار دیجائیگی جیسا مقتضی انصاف ہے اگرچہ قانون انگلستان کے بموجب ایک ہی زمانہ مین دو عورتون سے نکاح کرنا جائز ومباح نہین ہے ج— اور اگر فرض کیا جائے کہ ایسی اولاد حلالی سمجھی جائیگی تو اگر کوئی مسلمان جو انگلستان مین سکونت دائمی رکھتا ہو صوبہ الجیریا مین جاکر دوسرا عقد کرے تو آیا اس عقد ثانی کی اولاد قانون انگلستان کے بموجب حلالی ہوگی یا حرامی [3] ج—

---

[1] دستوری صاحب کی کتاب علم فقہ صفحہ ۹۷۸ — ۱۲ منہ [2] مقدمہ ہانڈ بنام ہانڈ لارپورٹ صفحہ ۱۳۰ — یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ما رمن نکاح سے شوہر کو یہ حق نہین حاصل ہوتا کہ طلاق بعلت زنا کے ڈگری حاصل کرسکے — مقدمہ بروک بنام بروک لارپورٹ صفحہ ۱۹۳ — یہ قاعدہ مقرر کردیا گیا کہ دوسرے ملک مین شادی کرنے سے کوئی شخص اپنے وطن اصلی کے قانون سے اعماض نہین کرسکتا — مگر عین کیا جاتا ہے کہ ا ہین سے کوئی اصول ان مسلمان والدین کی اولاد کے حلالی ہونے مین مزاحم نہ سمجھا جائیگا جنکا عقد شرع محمدی کے موافق ہوا ہو اور جنھون نے اپنی شرع سے اعماض نہ کیا ہو ۱۲ — منہ

اندروے شرع محمدی اولاد کا حلالی ہونا اُسوقت فرض کرلیا جائیگا جبکہ شوہر کی رسائی زوجہ تک ہوئی ہو — اگر کوئی لڑکا ایسی حالت مین پیدا ہوا ہو جسمین شوہر کی زوجہ تک رسائی غیر ممکن ہو تو سنی اور شیعہ دونون کے نزدیک اُسکے ولد الحلال ہونے کا گمان شرعًا باطل ہوجائیگا — علی ہذا القیاس اگر چھ مہینہ کے اندر کوئی لڑکا پیدا ہو تو اُسکی ولدیت نہ ثابت ہوگی — مگر اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ اگر شوہر کہے کہ یہ لڑکا میرا ہے اور ولد الحلال ہے اور زنا یا حرام سے نہین پیدا ہوا ہے تو ولدیت اُسی کی طرف[1] منسوب کیجائیگی — شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی لڑکا زفاف سے چھ مہینہ کے اندر یعنی جب اُسکے والدین نے مباشرت کی تھی اُسکے چھ مہینہ کے اندر پیدا ہوا ہو تو وہ شوہر کے نطفہ سے ہرگز نہ سمجھا جائیگا — مگر اس مسئلہ مین شیعہ اور سنی متفق ہین کہ اگر کوئی لڑکا ایسے حالات مین پیدا ہوا ہو کہ ظن غالب یہی ہو کہ یہ شوہر کی اولاد ہے تو لعان کے سوا اور کسی کارروائی سے ولد الحلال کی صفت اُس سے زائل نہوگی —

اقل مدت حمل فریقین کے نزدیک چھ مہینہ ہے — یہی مدت قران مجید[2] مین لکھی ہے لہذا فقہا مین محل اختلاف نہین باقی رہا ہے — مگر اکثر مدت حمل مین فقہا مین بڑا اختلاف ہے —

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۶۲ - کنز الدقائق ۱۲۰ ص - شرایع الاسلام صفحہ ۳۰۰ - جامع الشتات ۱۲ ص

[2] وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۔ ہم نے ہدایت کی ہے انسان کو کہ اپنے مان باپ سے نیکی کرے رکھا اُسکو اُسکی مان نے اپنے رحم مین ایذا اُٹھا کر اور جنا اُسکی مان نے ایذا اُٹھا کر اور اُسکی مان کے پیٹ مین رہنے اور اُس سے جدا ہونے کا زمانہ تیس مہینہ ہے یہانتک کہ جب وہ سن تمیز کو پہونچا اور چالیس برس کی عمر اُسکی ہوئی تو کہا خداوندا تو مجھے توانائی دے کہ مین اُس نعمت کا شکر کرون جو تو نے مجھکو اور میرے مان باپ کو

حنفیہ کے نزدیک دو سال اکثر مدت حمل [۱] سمجھی جاتی تھی - یہی قول امام اعظم ابوحنیفہ
اور اُنکے دونون شاگردون کا ہے اور ایک حدیث پر مبنی ہے جو حضرت عائشہ رض سے
منقول ہے - مگر شافعیہ کے نزدیک اکثر مدت حمل چار سال اور مالکیہ کے نزدیک پانچ
برس اور بعض اوقات سات سال ہے - امام شافعی اور امام مالک کا قول اس مسئلہ
مین ایک قدیم روایت پر مبنی ہے کہ بیوراسپ جسکا لقب ضحاک تازی ہے حمل کے چار سال
بعد پیدا ہوا تھا اور اتنی ہی مدت کے بعد ابن ربیعہ اور ابن عجلان بھی پیدا [۲] ہوئے تھے
شیعون نے حضرت علیؓ کے ایک فیصلہ کو جو اُنھون نے اپنے عہد خلافت مین کیا تھا
بنا قرار دے کر دس قمری مہینون کو اکثر مدت حمل مقرر کر دیا [۳] ہے -
بیلی صاحب فرماتے ہین کہ علماے متقدمین اہل سنت نے اتنی طولانی میعادین حمل کی
اُن غیر معمولی حالات پر نظر کر کے قرار دی ہین جنکے مشاہدہ سے بعض اوقات یورپ کے
بڑے بڑے حاذق ڈاکٹر عاجز و پریشان ہو گئے ہین - مگر ڈی اوہسن صاحب
اور سائیٹیر [۴] صاحب کی راے یہ ہے کہ دو قدماے فقہاے اہل سنت کو رحم و مروت اس
مسئلہ مین محرک ہوئے تھے نہ یہ کہ نظام طبیعی یا قانون قدرت سے اُنھون نے چشم پوشی
کی ہو اور اُنکا مقصود اصلی ایسی طولانی مدت حمل مقرر کرنے سے یہ تھا کہ احکام شرع
جو طلاق اور انکار ولدیت سے متعلق ہین اُنکا عملدرآمد بیجا اور خلاف انصاف ہونے پائے
باوجودیکہ صوبہ الجیریا مین مذہب شافعی اور مذہب مالکی جاری ہے اُس ملک کے
قاضیون نے ڈی اوہسن صاحب کی راے اختیار کر کے اپنے فیصلون مین ہمیشہ یہی

عطا کی ہے اور مین نیک کام کرون جس سے تو خوش ہو جاے اور میری اولاد کو نیک کر تحقیق مین نے توبہ کی تیری
جناب مین اور تحقیق کہ مین مسلمانون مین سے ہون - قرآن مجید سورۃ الاحقاف آیت ۱۴ - ۱۲ منہ [۱] درمختار صفحہ ۲۴۲
اور فتاواے قاضی خان صفحہ ۴۲۲ - ۱۲ منہ [۲] شرح وقایہ کے مصنف نے ان روایتون پر مسخر کیا ہے - بیلی صاحب کی شرح
محمدی صفحہ ۱۷۵ - ۱۲ منہ [۳] جامع الشتات و مفاتیح اسرار شاد علامہ - ۱۲ منہ [۴] تاریخ دولت عثمانیہ مصنفہ سائیٹیر صاحب
جلد ۳ صفحہ ۲۱۵ قدیم قوانین کے بموجب اکثر مدت حمل دس مہینہ تھے اور مجموعہ قوانین نپولین کے موافق اقل مدت حمل ۱۸۰ روز اور اکثر مدت ۳۰۰ دن ہین

تجویز کیا ہے کہ شرعًا دس مہینہ اکثر مدت حمل ہے ۔ الجیریا کی عدالت فرانسیسی نے
متعدد فیصلوں مین جو ۱۶ ۔ اپریل ۱۸۶۱ء اور ۳۱ ۔ نومبر ۱۸۶۱ء کو صادر ہوے تھے
قضاۃ کے فیصلوں کو بحال رکھا ہے اور اسمین شک نہین ہے کہ اکثر علماے اسلام کا قول
یہی ہے کہ دس مہینہ سے زیادہ کسی عدالت کو مدت حمل نہ قرار دینی چاہیئے ۔

پس جو لڑکا مدت مذکورہ کے اندر اس حال مین پیدا ہوا ہو جبکہ شوہر و زوجہ یکجا
رہتے ہون اسکی ولدیت تسلیم کیجائیگی بغیر اسکے کہ اسکا باپ اسکی ولدیت کا اقرار
صریحی کرے ۔ مگر شوہر اس اولاد کا انکار کر سکتا ہے جو اسکی منکوحہ سے مدت شرعیہ کے اندر
پیدا ہوئی ہو بشرطیکہ شوہر و زوجہ مین مباشرت کسی بیماری یا نقص جسمانی یا نارسائی کی
وجہ سے ناممکن ہوگئی ہو ۔ فتاواے عالمگیری کے رو سے یہ ہے کہ اگر انکار ولدیت
ان وجوہ سے کیا جاوے تو ان رسوم شرعیہ کو ادا کرنا ضرور ہے جو لعان مین ادا کیے
جاتے ہین ۔ مگر ساٹیر صاحب کا قول یہ ہے کہ انکار ولدیت کا نفاذ اسطرح ہونا
چاہیئے کہ شوہر یا اسکے قائم مقام جو لوگ ہون وہ زوجہ پر یا ان اشخاص پر جو اسکے
قائم مقام ہون عدالت مین نالش دائر کرین اور جو نالش واسطے ثابت کرنے ولد الحرامی کے
دائر کیجاوے اسمین معمولی کارروائی کیجائیگی رسوم لعان بجا لانے کی کچھ ضرورت نہوگی ۔
ہندوستان کی عدالتون مین غالبًا ایسے مقدمات مین وہی کارروائی کیجائیگی جو استقرار
حق کی نالشون مین کیجاتی ہے مگر خالص عدالتہاے اسلامیہ مین ولد الحرامی کا اعلان حسب
منشاے شرع شریف عدالت سے کرا لینا اس سے بھی آسان ہوگا ۔ انڈین لاء رپورٹس
مین کوئی نظیر ایسی نہین لکھی ہے جسمین کسی شوہر نے اس اولاد کے ولد الحلال ہونے مین
کلام کیا ہو جو اسکی زوجہ منکوحہ کے بطن سے پیدا ہوئی ہو ۔ اگر ولد الحلال ہونے کی
باب مین بحث ہوئی ہے تو ان مقدمات مین ہوئی ہے جنمین اولاد نے اپنے باپ کی قائم

شرائع الاسلام صفحہ ۳۰۰ اور جامع الشتات اور فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۲۲ ۔ ۱۲ ۔ منہ

بعد اپنا حق وراثت قائم کرنے کے لیے دائر کیے ہین۔ مگر ایسے مقدمات مین بھی اصل امر جسپر بحث ہوئی ہے زوجہ کی حالت ہے کہ آیا اُسکا نکاح حکم شرع کے موافق ہوا تھا یا نہ ہوا تھا۔ جو اصول فیصلہ جات عدالت العالیہ پروی کونسل مین بیان ہوے ہین اُنمین صاف صاف اعلان اِس امر کا کردیا ہے کہ شرع محمدی کا منشا اولاد کو حرامی بنا دینا نہین ہے درحالیکہ واقعات موجودہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہو کہ یہ لڑکا اپنے باپ کے نطفہ سے ہے یا اُسکے باپ نے اُسکی ولدیت کو اپنی حیات مین قبول و تسلیم کرلیا ہو[1] اُن مقدمات کو جنمین کسی لڑکے کے ولد الحلال ہونے مین بحث ہوئی ہے نظر غور سے دیکھیے تو معلوم ہو جائیگا کہ امر متنازع فیہ یا اُسکے والدین کا جواز نکاح ہے یا اِس امر کا ثبوت ہے کہ یہ لڑکا زوجیت شرعی کی حالت مین پیدا ہوا تھا۔

یہود کی شرع مین حق انکار ولدیت شوہر کو مطلقاً حاصل ہے[2]۔ فرانسیس کے مجموعۂ قوانین دیوانی کے بموجب بھی انکار ولدیت عدم قابلیت مباشرت کی وجہ سے جائز ہے۔ پس معلوم ہوا کہ شرع محمدی رومی اور فرانسیسی قانون سے اِس حیثیت سے مشابہ ہے کہ بعض خاص وجوہ اس لڑکے کے انکار ولدیت کے تسلیم کیے ہین جو زوجیت شرعی کی حالت مین پیدا ہوا ہو اور وہ وجوہ عدم قابلیت مباشرت اور نارسائی ہین۔ مگر شرع محمدی مین اِس سے بھی ترقی کرکے یہ قرار دیا گیا ہے کہ انکار ولدیت کا حق بعض حالات مین جنکا لحاظ حاکم شرع کو ہمیشہ رکھنا چاہیے زائل ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر باپ زچاخانہ کے رسوم مین شریک ہوا ہے جو مسلمانون کے

---

[1] خواجہ ہدایت اللہ بنام ریحن خانم مور صاحب کی انڈین اپیلس جلد ۳ - صفحہ ۲۹۵ - کھجور النسا بنام روشن جہان انڈین لا ریورٹ سلسلہ کلکتہ صفحہ ۱۸۹ - اس دوسرے مقدمہ مین جہان پروی کونسل نے لڑکے کے علاوہ اوسکی مان کی حالت کی نسبت یہ کلمات لکھے ہین۔ جب کسی لڑکے سے اُسکا باپ اور اہل خاندان ہمیشہ اولاد کے طور پر پیش آئے ہون تو یہ گمان ہوتا ہے کہ اُس لڑکے کی مان اُسکے باپ کی زوجہ تھی ۱۲ منہ [2] کتاب فقہ یہود مولفہ ابن خدر جلد ۲ صفحہ ۴۳

خاندان[۱] مین برتے جاتے ہین یا ایسا کردار اُسنے کیا ہے جس سے لوگون کو یقین ہوگیا ہے کہ یہ شخص اُس لڑکے کو اپنی اولاد حلال سمجھتا ہے یا اُسنے لوگون کی مبارکباد قبول کی تو اس صورت مین اُسکا یہ حق کہ اُس لڑکے کی ولدیت کا انکار کرے زائل[۲] ہو جائیگا الا اینکہ وہ یہ ثابت کردے کہ اُسوقت وہ اپنی زوجہ کی بے عصمتی سے نا واقف تھا۔

اگر شوہر اُس مقام خاص پہ موجود ہو اور اپنی زوجہ کے زچا ہونے سے واقف ہو تو مالکیہ کے نزدیک دو دن اور حنفیہ کے نزدیک ایک ہفتہ انکار ولدیت کی میعاد ہے حنفیہ[۳] کے نزدیک ایک ہفتہ مین سب رسوم زچا خانے کے ادا ہو جاتی ہین پس اگر اس مدت مین انکار ولدیت نہ کیا ہو تو البتہ یہی گمان ہوگا کہ شوہر کوئی وجہ اِس لڑکے کے ولد الحلال ہونے مین شک کرنے کی نہین رکھتا ہے۔

اگر شوہر غیر حاضر ہو تو شرعاً اُسکو اتنی مہلت دیگئی ہے جتنی مدت مین مبارکباد ہو جائے اور یہ مہلت اُسوقت سے لیجائیگی جب اُسکو اپنی زوجہ کے یہان بچہ ہونے کی پہلے اطلاع ہوئی تھی۔ شیعون کے نزدیک وہ میعاد جسمین شوہر لڑکے کی ولدیت کا انکار کرسکتا ہے چالیس روز ہین (یعنی کُل زمانہ نفاس) خواہ شوہر حاضر ہو خواہ غائب۔ اگر وہ زوجہ پاس سے غائب ہو تو یہ میعاد اُسوقت سے شروع ہوگی جب اُسکو لڑکے کے پیدا ہونے کی اطلاع ہوئی ہو۔

---

[۱] جیسے عقیقہ کا رسم ہے ۱۲ [۲] منہ صفحہ ۵۲ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۰۷ ۔ اور شرائع الاسلام صفحہ ۴۹۶ [۳] منہ

[۳] و اذا نفی الرجل ولد امرأته عقیب الولادة او فی الحال التی یقبل التہنیة و یبتاع آلة الولادة صح نفیه ولاعن به وان نفاه بعد ذلك لاعن ویثبت النسب ولو کان غائبا عن امرأته ولم یعلم بالولادة حتی قدم له النفی عند ابی حنیفة فی مقدار ما یقبل التہنیة وقالا فی مقدار مدة النفاس بعد القدوم۔

یعنی جب کوئی شخص اپنی بی بی کی اولاد کا اسکے پیدا ہونے بعد انکار کرے یا اُسوقت جبکہ وہ مبارکباد لیتا ہو یا اسوقت جب اسباب ضروریہ ولادت خریدا جاتا ہو تو اُسکا انکار صحیح و جائز ہے اور اُس سے لعان لیا جائیگا لیکن

قانون انگلستان اور قانون ممالک متحدۂ امریکا اور سب ملکون کے قانون کے
موافق جنمین قانون انگلستان جاری ہے جو اولاد قبل ازدواج والدین پیدا ہوئی ہو
وہ انکی مناکحت کے بعد حلال زادی نہین قرار پاسکتی۔ مگر قانون اسکاٹلینڈ کی
موافق اور اُن ملکون کے قوانین کے بموجب جنمین رومیون کا قانون اختیار کیا گیا ہے
یا اُسکا اثر ہوا ہے جیسا فرانسیس ہے ایسی اولاد والدین کے بعد ولادت نکاح
کر لینے سے حلالی ہو جاتی ہے۔ یعنی اِن سب قوانین کے رو سے یہ ہے کہ اگر
والدین بعد ولادت اولاد نکاح کر لین تو وہ اولاد حلالی ہوگی۔

اِس مسئلہ مین شرع محمدی قانون انگلستان سے مشابہت تامہ رکھتی ہے
یعنی قانون انگلستان کی طرح شرع محمدی مین بھی وہ اولاد حلالی نہین ہے جسکے والدین کا
نکاح اُسکی ولادت کے بعد ہوا ہو۔ مگر شرع محمدی نے اِس سے ترقی کرکے اُس اولاد
کو بھی حلالی نہین قرار دیا ہے جسکا حمل حالت نکاح مین نہ رہا ہو گو وہ اسی حالت
مین پیدا ہوئی ہو۔ قانون انگلستان کے بموجب جو لڑکا حالت نکاح صالح مین
پیدا ہوا ہو وہ حلالی ہے گو اُسکا حمل قبل نکاح رہچکا ہو۔ مگر شرع محمدی مین تاکید ہے
کہ وہ جماع جسکا ثمرہ وہ لڑکا ہے جب حالت نکاح صالح مین ہوا ہو تب وہ لڑکا ولدالحلال
ہوگا چنانچہ فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ اگر کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ
زنا کرے اور اُس عورت کو حمل رہجائے تب اُسکے ساتھ عقد کر لے اور نکاح سے
چھ مہینہ کے اندر اُسکو لڑکا پیدا ہو تو وہ لڑکا اُس شخص کا نہ سمجھا جائیگا تاوقتیکہ

اگر اُسنے اِسکے بعد ولادت کا انکار کیا ہو تو بھی اُس سے لعان لیا جائیگا مگر اس لڑکے کا نسب انمین قائم ہو جائیگا
لکن اگر وہ اپنی زوجہ سے غائب رہا ہو اور لڑکا پیدا ہونے کا حال نہ جانتا ہو تو ابو حنیفہ کے نزدیک اُسکو اتنی میعاد
انکار کی دیجائیگی جتنی مدت مین مبارکبا دقبول ہوتی ہو اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک کل زمانہ
نفاس کا جو یہ خبر ملنے کے بعد گذرے۔ ۱۲۔ فتاوائے عالمگیری +

اُسکی ولدیت کا مدعی ہنو اور یہ نہ کہدے کہ یہ لڑکا ولد الزنا نہین ہے لکن اگر وہ کہے کہ یہ لڑکا میرا نطفہ ہے مگر ولد الزنا ہے تو بھی اُسکی ولدیت نہ ثابت ہوگی ۱۲ — ہدایہ مین بھی یہی لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور تاریخ نکاح سے چھ مہینہ کی مدت مین اُس عورت کو لڑکا ہو تو وہ لڑکا اُس شوہر کا نہ سمجھا جائیگا کیونکہ اِس صورت مین قبل وقوع نکاح حمل رہچکا تھا[1] لہذا وہ حمل اُس شخص کا ہنوا —

کتب شیعہ مین سے شرایع الاسلام اور جامع الشتات مین لکھا ہے کہ دد اگر کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ جماع کرے اور اُسکو حمل رہجائے تب وہ اُس سے نکاح کرلے تو وہ لڑکا اُس شخص کے نسب سے ہنوگا ۱۲

ان فتاوے مین دو امر قابل لحاظ ہین — ایک امر یہ ہے کہ نہ صرف سنی اور شیعہ مین اختلاف عظیم ہے بلکہ فتاوائے عالمگیری اور ہدایہ مین خود اختلاف موجود ہے گو غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ اختلاف بادی النظر مین ہے نفس الامر مین نہین ہے —

شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر حمل قبل وقوع نکاح رہچکا ہو تو اولاد باپ کے نطفہ سے ہرگز نہوگی اور نہ اُسکی اولاد سمجھی جائیگی — مگر فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ اگر حمل قبل نکاح رہچکا ہو اور لڑکا اُس سے چھ مہینہ کے اندر پیدا ہو تو وہ حلالی ہنوگا — اِس قول سے ضمناً یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر اسکے بالعکس ہو یعنی اگر حمل قبل نکاح رہچکا ہو مگر لڑکا چھ مہینہ کے بعد پیدا ہوا ہو تو وہ حلالی ہوگا — پس یہ تو لڑکے کے حق مین مفید ہوگا — مگر ہدایہ مین اِس مسئلہ کی بنیاد اُوہی قرار دی ہے گو آخر کو فتاوائے عالمگیری کے موافق نتیجہ نکلتا ہے — ہدایہ کا قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اقل مدت حمل چھ مہینہ ہے لہذا اگر کوئی لڑکا اُس میعاد کے اندر پیدا ہو تو وہ شوہر کا نطفہ نہین تصور ہوسکتا اور اُسکی ولدیت کسی اور شخص کی طرف منسوب کرنی چاہیئے الا اینکہ شوہر اُسکو اپنی اولاد بیان کرے

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۷ اور فتاوائے قاضی خان صفحہ ۴۲۱ — ۱۲ منہ

پس بطور قاعدۂ کلیہ کے یہ کہہ سکتے ہین کہ شیعون کا قول سنیون کے قول سے سخت تر ہے اسواسطے کہ اہل سنت کے نزدیک تو یہ ہے کہ اگر اولاد نکاح کے چھ مہینہ کے بعد پیدا ہو تو وہ حلالی سمجھی جائیگی گو حمل اس سے پیشتر ہی رہچکا ہو مگر شیعون کے نزدیک ولد الحلال وہی ہے جسکا حمل حالتِ زوجیت شرعی مین رہا ہو۔

بمقدمۂ احمد حسین خان بنام حیدر حسین خان (مور صاحب کے انڈین اپیل صفحہ ۹۴ جلد ۱۱) عدالت العالیہ پروی کونسل نے یہ اصول صریحاً مقرر کردیا ہے کہ شرع محمدی مین وہ ولد الحلال ہونے کا گمان زوجیت کے بعد ہوتا ہے زوجیت کے پیشتر نہین ہوتا اس اصول سے وہی بات ثابت ہوتی ہے جو سابق مین بیان کی گئی کہ شرع محمدی مین یہ مسئلہ معتبر نہین ہے کہ مابعد کے نکاح سے اولاد حلالی ہو جاتی ہے۔ مگر اس اصول کو قیود مصرحۂ بالا سے مقید سمجھنا چاہیئے۔

نکاح مشکوک سے جو اولاد پیدا ہو وہ شرع محمدی مین حلالی سمجھی جاتی ہے۔

مجموعۂ قوانین نپولین کے بموجب یہ ہے کہ جب معاہدۂ نکاح نیک نیتی سے ہوا ہو تو ایسے نکاح سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ قانوناً حلالی ہوگی گو بعد ازآن وہ نکاح باطل اور ناجائز قرار دیا جائے۔

فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ وہ نکاحِ فاسد بعض اعتبارات سے نکاح صحیح[1] سے مشابہت رکھتا ہے اور منجملہ اُن اعتبارات کے ایک یہ ہے کہ دونون سے ولدیت[2] ثابت ہو جاتی ہے ۱۲۔

شیعون کا قول اس باب مین زیادہ تر صریح و واضح ہے۔ فقہاے[3] شیعہ کے نزدیک نسب نکاح صحیح اور نکاح مشکوک دونون سے قائم ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر

---

[1] جامع الشتات۔ مفاتیح۔ ارشاد علامہ۔ شرایع الاسلام۔ ۱۲ منہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۲۷۔ ۱۲ منہ

کوئی شخص نیک نیتی سے نکاح کرے اور وہ نکاح ناجائز ثابت ہو یا کوئی شخص کسی عورت کو
اپنی زوجہ سمجھکر سہواً یا نیک نیتی سے اُسکے ساتھ مباشرت کرے تو جو اولاد ایسے نکاح یا ایسی
مباشرت سے پیدا ہو وہ شرعاً حلالی[1] ہوگی — اسی طرح سے نسب ثابت ہو جائیگا
گو نکاح فی الواقع باطل و ناجائز ہو — مثلاً اگر کوئی شخص ایسی عورت سے عقد کرے جو
شرعاً اُسپر حرام ہو یا جس سے نکاح کرنا حرام ہو خواہ اس وجہ سے کہ وہ عورت اُس مرد کے
اقربا سے نسبی یا محرمات شرعیہ میں داخل ہو خواہ وہ کسی اتفاقی سبب سے جیسے رضاعت یا
قرابت زوجیت سے ہو تو ایسے نکاح سے جو اولاد ہوگی وہ حلالی ہوگی بشرطیکہ نکاح سہواً کیا گیا ہو
اور متناکحین اُسکی حرمت شرعیہ سے واقف[2] نہون — اگر کوئی شخص محرمات شرعیہ مین سے
کسی عورت سے محض غلطی سے یا سہواً نکاح کرلے تو ایسا نکاح فی نفسہ باطل ہوگا مگر اس سے
جو اولاد پیدا ہوگی وہ حلالی ہوگی — اس مسئلہ مین امام اعظم ابو حنیفہ علماے شیعہ سے
متفق ہین مگر صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد نے جنکے اقوال کو فقیہ جلیل ابو اللیث
نے اختیار کرلیا ہے اور جنکے مقلد ہندوستان کے حنفی مذہب لوگ ہین اُنکے خلاف
فتوے دیا ہے — اُنکا قول یہ ہے کہ جو نکاح فی نفسہ ناجائز ہو اُس سے جو اولاد بہم پہنچے
وہ بھی حرامی ہوگی خواہ ایسا[3] نکاح سہواً ہوا ہو خواہ عمداً —

اگر کوئی عورت جسکا شوہر اول زندہ ہو نیک نیتی سے اور یہ یقین کرکے کہ شوہر اول مر گیا ہے
دوسرا عقد کرلے اور جس شخص سے اُسنے دوسرا نکاح کیا ہے اُسکو بھی یہی یقین ہو تو ایسے
نکاح سے جو اولاد ہوگی وہ شیعون کے نزدیک حلالی اور حنفیہ کے نزدیک حرامی ہوگی — لیکن
اگر متناکحین یہ جانکر عقد کرلین کہ اس عورت کا شوہر اول زندہ ہے تو زنا واقع ہوگا اور فریقین کے
نزدیک ایسے نکاح سے جو اولاد پیدا ہو وہ اپنے باپ سے نسب نہ رکھیگی —

[1] ارشاد علامہ و شرایع الاسلام صفحہ ۳۰۱ — ۱۲ منہ [2] جامع الشتات و شرایع الاسلام صفحہ ۷۵ — ۱۲ منہ
[3] فتاوے عالمگیری صفحہ ۲۰ — ۱۲ منہ —

شیعون کے نزدیک ولد الزنا اپنے ماں باپ سے نسب نہین رکھتا ہے ۔ اسکی ولدیت کالعدم سمجھی جاتی ہے ۔ پس نہ وہ مرد جسنے حرام سے حمل رکھا اور نہ وہ عورت جسنے زنا سے حمل رکھوایا ہے اور نہ اُنکا کوئی عزیز یا رشتہ دار ولد الزنا کی میراث پاسکتا ہے اور نہ ولد الزنا اُنکا وارث ہوسکتا ہے ۔

حلت نسب کے اصول جو شیعون کے نزدیک معتبر ہین اُنمین بمقدمہ صاحبزادی بیگم بنام مرزا ہمت بہادر ہائی کورٹ کلکتہ مین خوب بحث ہوچکی ہے ۔ اِس مقدمہ[۱] مین ایک ہندو راجہ مدن نرائن سنگھ نامے نے ایک شیعہ عورت براتی بیگم سے تعلق کر لیا تھا ۔ اس تعلق سے کئی اولادین پیدا ہوئین اور اُن سب نے دین اسلام اور مذہب شیعہ مین پرورش پائی اُنہین سے ایک بیٹا مر گیا اور ایک بھائی اور ایک بہن اور ایک زوجہ مسمات صاحبزادی بیگم چھوڑ گیا ۔ بحث اِس بات پر ہوئی کہ آیا یہ ورثہ کوئی حق متوفی کی جائداد مین رکھتے ہین ۔ آخرکو یہ تجویز ہوا کہ چونکہ مذہب شیعہ کے بموجب یہ اشخاص کوئی نسب مالک جائداد سے نہین رکھتے تھے لہذا کوئی حق وراثت اُسکی جائداد مین نہین رکھتے ہین ۔

پس شیعون کے مذہب مین ولد الزنا کوئی نسب ماں یا باپ سے نہین رکھتا ہے مگر ولد الملاعنہ کے باب مین حکم شرع اَور ہے اور ولد الملاعنہ سے وہ لڑکا مراد ہے جسکی ولدیت لعان کی کارروائی سے قطع ہوگئی ہو ۔

ولد الملاعنہ کا نسب مرد سے قطع ہوجاتا ہے عورت سے نہین قطع ہوتا پس اُسکی ماں اور اقربائے مادری اُسکی جائداد مین حق وراثت رکھتے ہین اور وہ اُنکے مال مین رکھتا[۲] ہے ۔ لکن اگر باپ لعان کو منسوخ کردے تو حلت نسب دوبارہ قائم ہوجائیگی اور وہ لڑکا حق وراثت اپنے باپ کی جائداد مین رکھیگا مگر اِسکے بالعکس نہوگا یعنی لعان کو منسوخ

---

[۱] سدر لینڈ صاحب کا ویکلی رپورٹر صفحہ ۱۵۱۵ ۔ اور بنگال لا رپورٹ ۔ جلد ۴ صفحہ ۱۰۳ ۔ ۱۲ منہ [۲] مسلمہ کا نکاح غیر مسلم کے ساتھ شرعاً حرام ہے ۔ ۱۲ [۳] ارشاد علامہ ۔ جامع الشتات ۔ شرایع الاسلام صفحہ ۳۴۹ ۔ ۱۲ منہ

کرنے سے باپ کا حق وراثت اُس لڑکے کی جائداد مین دوبارہ قائم ہوگا ۔

مگر اہل سنت کے نزدیک ولد الزنا اور ولد الملاعنہ مین نسب کے اعتبار سے کچھ فرق نہین ہے ۔ دونون کا نسب مان سے اور اقربائے مادری سے قائم رہتا ہے اور دونون مان اور اقربائے مادری سے میراث پاتے ہین اور وہ اُنکے وارث[۱] ہوتے ہین ۔ مثلاً اگر مقدمہ صاحبزادی بیگم بنام مرزا ہمت بہادر مین فریقین شیعہ نہوتے بلکہ سُنّی ہوتے تو بھائی اور بہن اپنے برادر متوفی کی جائداد مین یقیناً ترکہ پاتے ۔

جب مرد اور عورت کا نکاح ہوگیا ہو اور نکاح مشہور ہوچُکا ہو اور بخوبی ثابت ہوسکتا ہو تو اولاد کے نسب مین جو نزاع پیدا ہو وہ صرف اسقدر باقی رہجاتی ہے کہ آیا یہ اولاد حالت زوجیت شرعیہ مین پیدا ہوئی تھی اور اسی حالت مین اسکا حمل رہا تھا یا نہین ۔ مگر بعض صورتون مین نکاح بآسانی نہین ثابت ہوسکتا ۔ ممکن ہے کہ نکاح کسی دور و دراز کے ملک مین ہوا ہو یا ایسے حالات مین ہوا ہو کہ شہادت تحریری یا شہادت زبانی وقوع نکاح کی نسبت نہ بہم پہونچ سکے ۔ ایسی صورتون مین دائمی یکجائی سے اور فریقین کے زن و شوہر مشہور ہوجانے سے شرعاً نکاح صحیح فرض کرلیا جائیگا بشرطیکہ ایسے فرض کا کوئی مانع قوی نہو اور بشرطیکہ زن و شوہر مین جو تعلق ہے وہ سرسری اور چند روزہ نہو بلکہ مستقل اور دائمی ہو جس سے یہ قیاس ہوسکے کہ انکا عقد بپابندی احکام شرع[۲] ہوا تھا ۔ مثلاً اگر کوئی عورت کسی مرد سے نکاح کرے اور اُسنے طلاق نہ دیا ہو پھر وہ عورت دوسرے شخص سے تعلق کرلے اور ہمیشہ اُسکے ساتھ رہا کرے تو ایسی دائمی یکجائی سے عقد شرعی کا گمان نہ کیا جائیگا درحالیکہ اِن دونون کے نکاح کا مانع شرعی موجود ہے ۔ یا اگر وہ عورت اُس مرد سے قرابت نسبی رکھتی ہو یا اُسکی محرمات شرعیہ مین داخل ہو تو انکے زن و شوہر کے طور پر یکجا رہنے

---

[۱] کنز الدقائق اور فتاوائے عالمگیری صفحہ ۶۲۹ — ۱۲ منہ [۲] باقر حسین بنام شرف النساء بیگم مورصاحب کے انڈین اپیلس جلد ۸ صفحہ ۱۵۹ — ۱۲ منہ

نکاح شرعی نہین فرض کیا جائیگا - لیکن اگر اُنکے نکاح کا کوئی امر غیر شرعی ہو اور اُنمین محض تعلق سرسری و اتفاقی تھو تو اُنکے دائمی یکجائی سے شرعاً یہ قیاس کیا جائیگا کہ اُنکا نکاح صحیح ہے اور اُنسے جو اولاد ہوگی وہ شرعاً حلالی سمجھی جائیگی - اگر تعلق دائمی سے نکاح کا قیاس کیا جائے تو ایسے نکاح سے جو اولاد ہوگی وہ صرف باپ کے اقرار ولدیت سے حلالی قرار پا سکتی ہے خواہ وہ اقرار صریحی ہو خواہ ضمنی - یہ کچھ ضرور نہین ہے کہ باپ اُسکی ولدیت کا اقرار صریحی کرے - اگر اُسکے کردار اور اُسکے سلوک یا برتاو سے یہ ثابت ہو لہ اسکو اس لڑکے کی ولدیت کا اقرار ہے تو شرعاً وہ ولد الحلال سمجھا جائیگا[۱]-

حاشیہ ۱-

امام اعظم ابو حنیفہ کا قول ہے کہ جب نکاح موجود ہو تو بحالت نکاح مین جو حمل رہا ہو اور اولاد ہوئی ہو وہ حلالی سمجھی جائیگی - اِس مسئلہ سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ اگر نکاح مین کوئی بڑا عیب موجود ہو وہ بھی اولاد کی صحت نسب مین حارج نہوگا - مثلاً مرد اور عورت باہم ایسی قرابت رکھتے ہون کہ ایک دوسرے پر شرعاً حرام ہو اور اُنکا نکاح باہم ہو جائے تو بھی ایسے نکاح سے جو اولاد ہوگی وہ حلالی ہوگی بیلی صاحب فرماتے ہین کہ فتاواے عالمگیری کے مولفین نے امام ابو یوسف اور امام محمد کے اقوال سے چشم پوشی کرکے امام اعظم ابو حنیفہ کا قول جو ان دونون صاحبون کے اقوال کے خلاف ہے اختیار کر لیا ہے - میرے نزدیک بیلی صاحب کا یہ قول غلط ہے - مین جانتا ہون کہ بیلی صاحب نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ ازدواج کے مضمون سے کچھ تعلق نہین رکھتا ہے - اور علماے حنفیہ کے اقوال مین مقابلہ کرنے سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کے فقہاے حنفی بلاد المغرب کے علماے اسلام سے اس مسئلہ مین اتفاق رکھتے ہین - فقط

[۱] مور صاحب کے انڈین اپیل جلد ۳ صفحہ ۹۴ اور جلد ۸ صفحہ ۱۴۵ اور مقدمہ مسماۃ جسو بنام مسماۃ وحید النسا فیصلات صدر عدالت دیوانی آگرہ ۱۸۶۳ء صفحہ ۸۰ ۳ - ۱۲ - انتہی

چوتھا باب

تبنّی اور ولدیت اور اقرار ولدیت۔

تبنّی شرع محمدی میں اُن معنی سے معتبر نہیں ہے جو معنی ہنود سمجھتے ہیں یا جس معنی سے رومیوں میں اسکا رواج تھا۔ جیسا کی زمانہ ہنود میں ہے ویسا ہی زمانہ سلف میں رومیوں میں تبنّی مذہبی خیالات سے تعلق تام رکھتی تھی یعنی مردوں کی نجات اخروی اور گھر کے دیوتاؤں کا بھاؤ اُسپر موقوف سمجھا جاتا تھا۔ مشرکین عرب[1] میں بھی یہ دستور جاری تھا اور ایسی ہی اصل رکھتا تھا۔

مشرکین عرب اُس شخص کو جو لاولد مرجاتا تھا الابتر یعنی دُم بریدہ کے لقب مکروہ سے یاد کرتے تھے اسی سے بخوبی ثابت ہے کہ تبنّی کا رسم انکی نظروں میں کیسی عظمت و وقعت رکھتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے زید ابن حارث کو اپنا متبنّی بنایا تھا اُسوقت آپ کے نزدیک یہ رسم معتبر تھا۔ لیکن بعد ازآن جب آپ نے عرب کے بت پرست قبائل سے وہ رسوم قبیحہ ترک کرا دیے جنکے وہ عادی تھے اور انکو بلند اور عمدہ خیالات قرابت خاندانی کی نسبت سکھائے تو صاف صاف اُسنے فرمادیا کہ جیسا دستور تبنّی کا ایام جاہلیت میں جاری تھا اُس سے متبنّی اور متبنّی یعنی پسر مجازی اور پدر مجازی میں ویسی قرابت نہیں پیدا ہوتی جیسی نسب سے پیدا ہوتی ہے۔

پس شریعت میں کسی قسم کی تبنّی معتبر نہیں ہے جبکہ معلوم ہو کہ متبنّی اُس شخص کی اولاد نہیں ہے جسنے اسکو متبنّی بنایا ہے بلکہ اور شخص کی اولاد ہے۔

---

[1] تاریخ کامن ڈی پرسول اور تاریخ عرب صفحہ ۲۴۳-۲ ۱۲ ما جعل اللہ لرجل قلبین فی جوفہ وما جعل ازواجکم اللائی تظاھرون منھن امھاتکم وما جعل ادعیاءکم ابناءکم ذلکم قولکم بافواھکم واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل یعنی نہیں پیدا کیے خدا نے دو دل کسی شخص کے سینہ میں اور نہیں کیا خدا نے تمہاری اُن بیبیوں کو جنکو تم نے ظہار دیا ہو تمہاری مائیں اور نہیں کیا اللہ نے اُن لڑکوں کو جنکو تم اپنا بیٹا کہتے ہو تمہارے بیٹے یہ بات تم اپنے

شرع شریف مین صرف ایک قسم کی تبنّی معتبر ہے یعنی وہ تبنّی جو اقرار سے پیدا ہو۔ فقط باپ کو ولدیت قائم کرنے کا حق حاصل ہے مان اور دیگر اقربا اس سے بالکل خارج ہین۔ ایسا اقرار[۱] صریحی ہوتا ہے یا ضمنی۔ یعنی اقرار ولدیت واضح الفاظ مین ہوسکتا ہے یا باپ کے کردار اور دائمی سلوک سے جو وہ اپنی اولاد کے ساتھ کرتا ہے اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اُسکو اپنی اولاد جانتا ہے ثابت ہوتا ہے۔ مگر اقرار ولدیت شرعًا جائز اور مؤثر اُسوقت ہوگا جبکہ تین شرطین پائی جائین۔

(۱) مقر اور مقر لہ دونون کی عمرین ایسی ہون کہ ایک باپ اور دوسرا اُسکی اولاد عقلاً ہوسکے۔ مثلاً کوئی شخص اپنے اور دوسرے مین باپ اور بیٹے کا رشتہ نہین قائم کرسکتا تاوقتیکہ وہ ساڑھے بارہ برس اُس لڑکے سے بڑا نہو جسکی ولدیت کا اقرار کیا جاتا ہے یا جسکو وہ اپنا بیٹا بنانا چاہتا ہے۔

(۲) مقر لہ یعنی جس شخص کی ولدیت کا اقرار کیا ہے مجہول النسب ہو یعنی اُسکے باپ کا حال نہ معلوم ہو۔ اگر اُسکی ولدیت یا النسب معلوم ہو تو مقر کی طرف اُسکو نسبت نہ دیجائیگی۔

(۳) مقر لہ خود یقین رکھتا ہو کہ مین مقر کی اولاد ہون یا اقل مراتب[۲] یہ ہے کہ اُس کو قبول کرے تیسری شرط کے باب مین ہدایہ مین لکھا ہے کہ۔ وہ یہ بھی شرط ہے کہ لڑکا اُسکے اقرار کی تصدیق کرے اسواسطیکہ وہ فاعل مختار سمجھا جاتا ہے اور اپنی کیفیت خود بیان کرسکتا ہے اگر لڑکا اپنا حال نہ بیان کرسکے تو اوسہی صورت ہوجائیگی "۔

مُنہ سے کہتے ہو اور اللہ سچی بات کہتا ہے اور وہ ہی راہ بتلاتا ہے ۔۔ ۱۲ قرآن مجید سورۃ الاحزاب آیت ۴ ۱۲ تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۵۰ ۔۔ ۱۲ منہ [۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۰۲ ۔ شرح وقایہ صفحہ ۳۴۴ ۔ ہدایہ کتاب ۳۵ باب ۳ ۔ شرائع الاسلام صفحہ ۳۷۶ ۔ مور صاحب کے انڈین اپیلس جلد ۳ صفحہ ۴۳۵ سدرلینڈ صاحب کا ویکلی رپورٹر جلد ۵ صفحہ ۱۳۲ ۔ ۱۲ منہ [۲] اس مسئلہ مین شیعہ اور سنی مین کچھ اختلاف نہین ہے شرائع الاسلام صفحہ ۱۷۶ ۱۲ منہ [۳] ہدایہ کتاب ۳۵ باب ۳ صفحہ ۱۶۹ و ۱۷۹ ۔ یہ قاعدہ اولاد ذکور و اناث دونون پر صادق آتا ہے ۔۔ ۱۲ منہ

جو لڑکا ایسا صغیر السن ہو کہ باپ بیٹے کی قرابت کے معنی نہ سمجھ سکتا ہو یا اپنی کچھ کیفیت نہ بیان کرسکتا ہو اُسکو اقرار ولدیت قبول کرلینا شرعاً ضرور نہیں ہے نہ اُسکی رضامندی ایسے اقرار کے جواز کی شرط ہے جیسا کہ بالغ ورشید کی رضامندی شرط ہے —

کتاب جوہرۃ النائرہ مین لکھا ہے کہ وہ ولدیت کو قبول کرلینا صرف اُس لڑکے کو ضرور ہے جو صاحب تمیز اور ذی شعور ہو اور اپنی کیفیت بیان کرسکتا ہو صغیر السن لڑکے کے واسطے یہ بھی ضرور نہیں سلہ ہے ؛؛

جامع الشتات مین لکھا ہے کہ — وہ صغیر السن لڑکے کی رضامندی کا کچھ لحاظ نہ کیا جائیگا ؛؛ — اور شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ وہ اگر کسی صغیر السن لڑکے کی ولدیت کا اقرار کرلیا گیا ہو اور بعد بلوغ وہ اُبوت سے انکار کرے تو ایسا انکار شرعاً بیکار ہوگا سلہ ؛؛ — اقرار اُبوت سے تمام نتائج شرعی اُبوت حقیقی کے پیدا ہوتے ہین اور اُس لڑکے کو مقر کی میراث پانے کا حق حاصل ہوجاتا ہے — پس اقرار اُبوت بعض نتائج شرعی کے اعتبار سے مسئلہ حلت نسب بعد وقوع نکاح کے مشابہ ہوسکتا ہے — مگر ان دونون مسئلون مین فرق بین یہ ہے کہ اقرار ولدیت سے تقدم نکاح سمجھا جاتا ہے لکن مسئلہ حلتِ نسب بعد وقوع نکاح (یعنی نکاح کے پیشتر جو حمل رہا ہو اُسکی اولاد بعد نکاح کرنے کے حلالی ہو) بالکل ایک مختلف بنا پر مبنی ہے — تاہم جہانتک حلت نسب متعلق ہے ان دونون مسئلون سے ایک ہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے یعنی حلالی بنا دینا اُس اولاد کا جو نا جائز نکاح سے پیدا ہوئی ہو یا ایسے نکاح سے پیدا ہوئی ہو جسکے جائز طور سے ہونے کا کوئی ثبوت نہو — اگر کوئی زن منکوحہ اقرار ولدیت کرے تو وہ شرعاً معتبر نہیں ہے کیونکہ اُسکا اقرار دوسرے شخص پر یعنی شوہر پر مؤثر ہوتا ہے

سلہ شاما چرن سرکار کے لکچر شرع محمدی جلد — ۱ صفحہ ۳۸۳ — ۱۲ منہ سلہ شرائع الاسلام ۳۲۶ — ارشاد علامہ — جامع الشتات — ۱۲ — منہ

الّا اینکہ اُسکے اقرار کی تصدیق خود شوہر کے اقرار سے ہو جائے۔ مثلاً اگر ہندہ زوجۂ زید کہے کہ عمرو جو ایک مجہول النسب شخص ہے میرا بیٹا ہے تو اُسکا یہ کہنا شرعاً مؤثر ہوگا کیونکہ اگر ایسا ہو تو زوجہ کے اقرار کا ذمہ دار شوہر ٹھہریگا جس سے شاید اُسکی حق تلفی یا نقصان ہوگا تاہم اگر شوہر زوجہ کے اقرار کی تصدیق کردے تو وہ اقرار صالح ہو جائیگا اور وہ لڑکا ولد الحلال قرار پائیگا۔

اِس قاعدہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ جھوٹی اولاد بناکر کسی شخص کے سر نہ تھوپ دیجائے۔ اور اِسی غرض سے یہ بھی حکم شرع ہے کہ امیت دایہ کی شہادت سے ثابت ہو سکتی ہے جب[1] دریافت کرنا ضرور ہو کہ وہ لڑکا جسکی نسبت کوئی دعوی کیا جائے وہی لڑکا ہے جسکو اُس دایہ نے جنایا تھا۔

پس معلوم ہوا کہ وہ عورت جسکا نکاح ہو چکا ہو یا وہ عورت جو عدہ کی حالت مین ہو جس حالت مین وہ دوسرا نکاح نہین کر سکتی ہے کسی لڑکے کا اقرار ولدیت کرنے سے یا کسیکو متبنّٰی بنانے سے شرعاً ممنوع ہے تاوقتیکہ اُسکے اقرار کی تصدیق اُسکا شوہر نہ کردے یا گواہان عدول کی شہادت سے ثابت نہو جائے کہ یہ لڑکا اُسی عورت کا ہے۔ چنانچہ عنایہ[2] مین لکھا ہے کہ ”ولد بیٹے کے باب مین عورت کا اقرار ناجائز ہے کیونکہ اُسکا اقرار دوسرے شخص یعنی باپ پر مؤثر ہوتا ہے اِلّا اینکہ اُسکے اقرار کی تصدیق اُسکا شوہر کردے (جسکا یہ حق ہے) یا اُس لڑکے کی ولادت دایہ کی شہادت سے ثابت ہو جائے“

مگر فرض کیجیے کہ شوہر مرگیا ہو اور اُسکے مرنے کے بعد لڑکا پیدا ہوا ہو تو ماں کا اقرار اُسکی ولدیت سے زمانۂ عدہ مین یا اکثر مدت شرعیۂ حمل مین اسوقت مؤثر ہوگا جب اور ورثہ متوفی سے کچھ مزاحمت نہ کرین۔

---

[1] ہدایہ کتاب ۲۴ ۔ باب ۲۵ ۔ ۱۲ ۔ منہ [2] عنایہ صفحہ ۲۱۵ ۔ شاما چیندن سرکار کی لکچر شرع محمدی پہ صفحہ ۳۰۰ ۔ ۱۲ ۔ منہ ۔

اگر لڑکے کی ولادت مورد نزاع نہو اور اسکے صحت نسب مین کچھ کلام نہو اور اگر
مان کے اِس کہنے کو کہ یہ لڑکا جو مجھے پیدا ہوا ہے میرے شوہر متوفی کا ہے اُسکے ورثہ
صریحاً یا ضمناً قبول کرلین تو اِس صورت مین وہ لڑکا اُسکے شوہر کے نطفہ سے سمجھا جائیگا
گو اُسکی ولادت کا شاہد کوئی نہو[۱] ۔

البتہ ایسا لڑکا اپنے پدر متوفی کی میراث پائیگا ۔ مگر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ جب اُسکی
ولدیت اِسطرح ثابت ہوگئی ہو تو جن ورثہ نے اسکو متوفی کی اولاد قبول کرلیا ہے
آیا اُنکے سوا اور ورثہ کے حقوق پر بھی اُسکی ولدیت موثر ہوگی ؟ ۔ پھر یہ سوال ہے کہ آیا
اُن ورثہ کے اقرار ولدیت سے اُس لڑکے کی حلال زادگی فی الواقع ناطق طور سے ثابت
ہوجائیگی اور اُسکا حق مطلقاً قائم ہوجائیگا ؟ ۔ اِس مسئلہ مین علما کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے
کہ اگر اقرار کرنے والے وارثون کے صادق القول اور معتبر ہونے مین کوئی شک نہو اور
اُنکے اقرار پر کسی قسم کا اعتراض نہو سکے تب جو ولدیت اُنکے اقرار سے ثابت ہو وہ دیگر ورثہ کے
حقوق پر بھی مانند خود اُنکے حقوق کے موثر ہوگی اور تمام دنیا کے مقابل مین ناطق ہوگی ۔

شیعون کے مذہب مین بھی شوہر دار عورت اپنے اور دوسرے شخص کے درمیان
وہ قرابت پیدا کرسکتی ہے جو مان اور اُسکے اولاد مین ہوتی ہے بشرطیکہ تمام شرائط ضروریہ کی
تکمیل ہوجائے اور اُسکا شوہر اُسکے اقرار کی تصدیق کردے ۔ شیعہ[۳] اور سنی دونون کا اتفاق

---

[۱] ہدایہ صفحہ ۔ ۱۶۰ ۔ ۲ ۔ ۱۲ منہ [۲] ہدایہ صفحہ ۔ ۱۸۰ ۔ ۳ ۔ ۲ منہ [۳] امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہین
کہ اگر کوئی عورت جو اپنے شوہر سے جدا ہوگئی ہو عدہ کے زمانہ مین لڑکا جنے تو اُسکی ولدیت شوہر مین
نہ قائم ہوگی تاوقتیکہ اُسکی ولدیت دو مرد گواہون یا ایک مرد اور دو عورت گواہون کی گواہی سے نہ ثابت
کیجائے ۔ مگر مصنف ہدایہ نے اِس قول مین یہ تاویل کی ہے کہ یہ قاعدہ اُس صورت مین جاری
ہوگا جبکہ ظاہر الحمل نہو ۔ مگر امر واقعی یہ ہے کہ یہ مسئلہ طے ہوگیا ہے کہ دایہ کی شہادت شرعاً
اثبات ولدیت کو کافی ہے ۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے قول کا مقابلہ شیعہ کے اقوال کے ساتھ
کیجئے ۔ ۱۲ ۔ منہ

اُن شرائط کے باب میں ہے جو ولدیت کے اقرار صالح کو لازم ہین شیعون کے نزدیک بھی یہی ہے کہ اول توجس لڑکے کی ولدیت کا اقرار ہوا ہے وہ مجہول النسب یا مجہول الابوّت ہونا چاہیئے اگر یہ عموماً مشہور ہو کہ مقرّ اور مقرلہ باہم وہ قرابت نہین رکھتے ہین جسکے وہ مدعی ہین یا اگر یہ معلوم ہو کہ وہ دونون مختلف خاندانون سے ہین یا یہ کہ اُس لڑکے کا باپ یا مان مقر کے سوا اور کوئی شخص مشہور ہو تو ایسا اقرار صحیح نہوگا۔

ثانیاً مقرّ اور مقرلہ کے سن مین ایسا فرق ہونا چاہیئے کہ جس قرابت کا اقرار ہوا ہے وہ اُمکن عقلاً ہو سکے ـ شیعون کے مذہب مین اُس عمر کی کوئی خاص حد نہین مقرر ہے بلکہ ایسی صورتون مین اس اصول کا اعتبار کیا ہے جو قانون طبعی سے پیدا ہوا ہے ـ باپ کا اقرار ولدیت اُس حال مین بھی صحیح نہوگا جبکہ اس لڑکے کی عمر مین اُسکی رسائی اُسکی مان تک ممکن نہوئی ہو

ثالثاً[۳] اُس لڑکے کی ابوّت مورد نزاع نہو یعنی اور کوئی شخص مدعی نہو کہ یہ میری اولاد ہے کا ایسی صورت مین اقرار ولدیت بلا ثبوت صحیح[۱] نہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ زن شوہر دار کا اقرار ولدیت شرعاً اسوقت صحیح ہوگا جبکہ اُسکا شوہر اُسکے اقرار کی تصدیق کردے اور شرائط مصرحہ بالا کی تکمیل ہوجاے۔

لکن جب شوہر کے مرنے کے بعد زوجہ کے یہان لڑکا پیدا ہو تو یہ مسئلہ بہت مشکوک معلوم ہوتا ہے ـ اگر اُس لڑکے کی ولادت کی نسبت کچھ نزاع نہو تو اسکی ولدیت یقیناً اس عورت کے شوہر متوفی کی طرف منسوب کیجائیگی ـ مگر جب اُس لڑکے کی حلال زادگی مین نزاع ہو تو ایسی دقتین پیدا ہوتی ہین جو مسائل شیعہ کے لفظی معنی کہنے سے بآسانی رفع نہین ہوسکتین۔ اس صورت مین عدل وانصاف کا لحاظ کیا جائیگا اور متاخرین علماے ایران نے جو حکم شرع قرار دیا ہے اُسکی پابندی[۲] کیجائیگی۔

---

[۱] شرائع الاسلام صفحہ ۴۶۳ ــ ارشاد علامہ اور منگال لا ء رپورٹ ـ جلد ۹ صفحہ ۵۵ ــ ۱۲ منہ

[۲] جامع الشتات ۲۰ ــ منہ [۳] جامع الشتات مین جو مسائل لکھے ہین اُنکو ملاحظہ کیجیے ــ ۱۲ ــ منہ

مثلاً شیعون کے مذہب مین نسب نہین ثابت ہو سکتا مگر شاہدین عادلین کی شہادت سے اور نسب دو فاسقون کے گواہی سے ثابت ہو سکتا ہے اگرچہ وہ ورثہ ہون انکو ہانتک جہانتک خود دونون فاسق متعلق ہین — اِس قید کی مصلحت صریحاً ظاہر ہے — یہ قید اِسوجہ سے لگائی گئی ہے کہ بے ایمان ورثہ باہم سازش کر کے کوئی جعل یا فریب نہ کرسکین یہ مسئلہ ذیل سے ثابت ہوتی ہے —

(مسئلہ) — اگر دو بھائی کہ دونون عادل ہون کسی شخص کے باب مین گواہی دین کہ یہ ہمارے برادر متوفی کا بیٹا ہے تو اُس شخص کا نسب اور اُسکا حق وراثت متوفی کی جائداد مین ثابت ہوجائیگا مگر ایسے حق سے متوفی کا حق اُس شخص کی جائداد مین قائم ہوجائیگا — جس بیٹے کی ولدیت کا اقرار اِسطرح کرلیا جائے وہ متوفی کی میراث پائیگا مگر نہ وہ متوفی کے بھائیون کی میراث پائیگا نہ اُسکے بھائی اُسکی میراث پائینگے — اگر دو بھائی کہ دونون فاسق ہون کسی لڑکے کے باب مین اقرار کرین کہ یہ ہمارے برادر متوفی کی اولاد ہے تو ایسا لڑکا اُنپر ترجیح رکھکر متوفی کی میراث پائیگا بس اس سے ظاہر ہے کہ جب اُس لڑکے کی حلال زادگی مین کلام ہو جو اپنے باپ کی وفات کے بعد پیدا ہوا ہو تو مذہب شیعہ مین بہ نسبت مذہب حنفی کے فریب و سازش کے موانع زیادہ درکار ہین — جبتک یہ بات مدنظر رکھی جائیگی اور اُس لڑکے کا حمل اور ولادت لائق اطمینان طور سے ثابت کردیجائیگی اُسوقت تک اگر ان قیدون کا لحاظ نہ رکھا جائے جو اِس مسئلہ مین شیعون کی ہین تو کچھ قباحت نہین ہے —

مذہب شیعہ مین یہ ہے کہ اگر متوفی ایک زوجہ اور کئی بھائی چھوڑ جائے اور وہ زوجہ کسی لڑکے کو کہے کہ یہ میرے شوہر متوفی کی اولاد ہے تو اُسکا حصہ متوفی کی جائداد مین ایک ربع سے گھٹکر ایک ثمن ہوجائیگا اور جس لڑکے کی ولدیت کا اقرار اُس عورت نے

۱؎ عادل سے وہ شخص مراد ہے جو ایمان دار ہو اور جو کبھی گناہ کبیرہ سے متہم نہ ہوا ہو نہ اُسپر ایسا گناہ ثابت ہوا ہو — ۱۲ منہ ۲؎ شرائع الاسلام صفحہ ۳۷۷ — ۱۲ منہ —

کیا ہے دوسرا شخص اُسکو دیا جائیگا گو اُسکے نسب مین متوفی کے بھائیون کو کلام ہو۔ لیکن جب اُسکا نسب حاکم شرع کے سامنے ثابت کر دیا جاوے یا اُسکے بھائی اُسکو قبول کرلیں تو وہ لڑکا مابقی کل جائداد پائیگا۔

بے شوہر عورت صرف اقرار ولدیت کر کے اپنے اور دوسرے شخص کے درمیان مان اور بیٹے کے قرابت پیدا کر سکتی ہے بشرطیکہ اور شرائط بھی متحقق ہون۔

اقرار سے ولدیت کے سوا اور بعض قرابتیں بھی ثابت ہو جاتی ہین — اور ایسی صورتون مین اُس اقرار مین جو مرد نے کیا ہو اور اُس اقرار مین جو عورت نے کیا ہو کچھ فرق نہین ہے۔ مثلاً ایک شخص دوسرے کی نسبت یہ اقرار کر سکتا ہے کہ یہ میرا باپ یا مان یا شوہر یا زوجہ یا بھائی یا پھپھی یا خالہ ہے پس اگر ایسے اقرار کو مقر لہ مقر کی زندگی مین یا اُسکی وفات کے بعد قبول یا تصدیق کرلے تو جہانتک مقر اور مقر لہ خود متعلق ہین وہانتک وہ اقرار صالح قرابت کا سمجھا جائیگا۔ مگر ایسے اقرار سے قرابت صحیحہ جبھی پیدا ہوتی ہے کہ جب مقر لہ اُسکو صریحاً قبول کرلے — اور جب اُسکا قبول کرنا نہ ثابت ہو تو وہ اقرار باطل ہو جائیگا اور کوئی حق اُس سے طرفین کا نہ قائم ہوگا۔

ایسی صورتون مین بھی طرفین کو چاہیئے کہ مجہول النسب ہون تاکہ ایک دوسرے سے وہ قرابت رکھ سکے جسکا دعوے کیا گیا ہے اور بدیہیات کے خلاف نہ لازم آئے۔[۱]

شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ اولاد کے سوا کسی اور شخص کا نسب بغیر قبول یا تصدیق مقر لہ کے نہ ثابت ہوگا اور جو حق وراثت ایسے اقرار سے پیدا ہو وہ اُن اشخاص پر محدود رہیگا جنھون نے اقرار کیا ہے دیگر ورثہ پر حاوی نہوگا۔[۲] مگر باپ اور اُسکی اولاد کے باب مین حکم شرع اور ہے — اگر کوئی شخص اقرار کرلے کہ دوسرے شخص کا باپ ہے اور یہ دوسرا شخص اگر اس سے ہو سکے تو اُس شخص کے اقرار بنوت کی تصدیق کرے یا اُسکو

---

[۱] ہدایہ کتاب ۲ باب ۳ — ۱۲ منہ [۲] شرائع الاسلام صفحہ ۶۹۴ جامع الشتات ۱۲ منہ [۳] شرائع الاسلام صفحہ ۶۷۶ — ۱۲ منہ

قبول کرلے تو یہ دونون شرعاً نہ صرف ایک دوسرے کے وارث ہونگے بلکہ حق وراثت
دونون کے ورثہ اور اولاد کو پہونچیگا — لیکن اگر ایک شخص دوسرے کو اپنا بھائی کہے اور یہ
دوسرا شخص بھی اس قرابت کو قبول کرلے اور اسکے خلاف مشہور نہو تو اُن دونون مین باہم
تو حق وراثت قائم ہو جائیگا مگر اُنکے بھائیون یا اور کسی رشتہ دار کو نہ پہونچیگا[۱] —

اگر مقر کوئی وارث مشہور رکھتا ہو تو اُسکے دوسرے شخص کی قرابت کا اقرار کرلینے سے
اُسکا وارث شرعی محجوب الارث نہو جائیگا نہ مقر لہ کو کوئی حق حاصل ہو جائیگا[۲] —

شرایع الاسلام مین یہ قاعدہ کلیہ لکھدیا ہے کہ " رد کہ ایسی صورت مین اُس شخص کا
اقرار نسب نہ قبول کیا جائیگا[۳] "

اقرار قرابت صرف اُسوقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ شخص جو اقرار کرے معاہدہ شرعی
کرنے کی قابلیت رکھتا ہو — اُس شخص کو چاہیئے کہ بالغ و رشید اور صحیح العقل اور آزاد ہو
نابالغ کا اقرار (نابالغ سے وہ شخص مراد ہے جو بلوغ شرعی کو نہ پہونچا ہو) یا اُس شخص کا اقرار
جو نظر بند یا قید ہو یا اُس شخص کا اقرار جو فاتر العقل ہو قطعاً ناجائز ہے — مگر دیوانہ مرد
یا عورت کی ولدیت کا اقرار بغیر اُسکے قبول کے اُسی طرح ہو سکتا ہے جسطرح نابالغ کا اقرار
ولدیت[۴] ہو سکتا ہے —

اِس امر کا لحاظ ہمیشہ رکھنا چاہیئے کہ جب کسی ایسی لڑکے یا مجنون کی ولدیت کا اقرار کیا جائے
جو اس قرابت کو قبول نہین کرسکتا جو اس اقرار سے پیدا ہوئی ہے تو ایسی لڑکی یا مجنون کا
کوئی نقصان یا حق تلفی کسی طرح ہونے نہ پائے —

شیعون کے مذہب مین یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مجہول النسب لاوارث مر جائے اور سوائے

---

[۱] حنفیہ کا بھی یہی قول ہے — ہدایہ جلد ۳ صفحہ ۱۶۹ — بھائیون کا ایک دوسرے کی قرابت کو قبول کرلینا مالکیہ کے نزدیک
بھی جائز ہے — سانیٹر اصاحب کی کتاب ۹۳۹ — ۱۲ منہ [۲] ہدایہ جلد ۳ — صفحہ ۱۷۳ — فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۲۲
شرایع الاسلام صفحہ ۷۶ ۴ بنگال لا رپورٹ جلد ۱۳ صفحہ ۱۰۲ — ۱۲ منہ [۳] شرایع الاسلام صفحہ ۴۷۶ — ۱۲ منہ [۴]

امام زمان کے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو اور دوسرا شخص یہ بیان کرے کہ متوفی میری اولاد تھی تو اُس شخص کی میراث اُس مقر کو ملیگی امام کو نہ ملیگی۔

لاوارث لڑکون کا تکفل کرنا سب مسلمانون کو چاہیئے اور جو شخص اُنکی حراست کرے وہ شرعاً بمنزلہ اُنکے باپ کے سمجھا جائیگا اور اُنکی میراث پانے کا مستحق ہوگا فقط۔

پانچوان باب

حق الجبر

مشرکین عرب اور اُن قبائل یہود مین جو عرب مین سکونت پذیر تھے باپ کا اختیار اپنی اولاد پر بلکہ تمام اہل خاندان پر ویسا ہی مطلق و قطعی تھا جیسا رومیون مین تھا۔ اختیار پدری کی کوئی حد و پایان نہ تھی اور خودسر مُیان خاندان کی تنک مزاجی اور تلون طبعی کی روکنے والی کوئی چیز نہ تھی۔ شریعت اسلامیہ نے اِس اختیار مطلق کو معقول حدود کے اندر محدود کردیا۔

مسلمانون مین باپ کو بہ پابندی چند شرائط معینہ کے اختیار ہے کہ اپنی اولاد کی شادی جبراً کردے یا ایک عمر معین تک اُنکو اپنے گھر مین جبراً رکھے یا عند الضرورت اُنکو تنبیہ و تادیب کرے۔

اکثر احکام متعلقہ اختیار پدری شرع محمدی سے مخصوص نہین ہین۔ فقہ اسلام اور اقسام فقہ جدیدہ مین فرق بین یہ ہے کہ شرع شریف مین باپ اپنی نابالغ اولاد کی شادی جبراً کرسکتا ہے۔ اِسکو اصطلاح فقہا مین حق الجبر کہتے ہین اور مسلمانون کے سب فرقون نے اسکو چند اختلافات کے ساتھ تسلیم کرلیا ہے۔

حق الجبر اُس اختیار پدری پر مبنی ہے جو قدیم الایام سے قبائل عرب مین موجود تھا عرب مین دستور تھا کہ باپ کو اپنے بیٹون کی شادی جبراً کردینے کا اختیار اسوقت تک رہتا تھا جبتک وہ ہتھیار باندھنے کے قابل ہوتے تھے اور بیٹیون کی شادی جبراً کر دینے کا اختیار

اُسوقت تک رہتا تھا جبتک وہ شادی ہوجانے کی وجہ سے یا اور کسی سبب سے اُسکے
اختیار سے نکل جاتی تھین[1]۔

یہود مین باپ کو اختیار تھا کہ دختر نابالغ کی شادی بغیر اُسکی رضامندی کے جسکے ساتھ
چاہے کردے اور دختر نابالغ وہ تھی جسکی عمر بارہ سال سے کم ہو[2]۔

تمام فرق اسلام کا اتفاق ہے کہ باپ کا یہ اختیار کہ بلا رضامندی اولاد کے
جسکے ساتھ چاہے اُسکے ساتھ شادی کردے صرف بیٹون کی نسبت اسوقت تک عمل مین
آسکتا ہے جبتک وہ حد بلوغ کو نہ پہونچین اور بعد بلوغ وہ باپ کی قید اختیار سے آزاد
ہوجاتے ہین جہانتک اُنکے حقوق شخصی متعلق ہین اور اُنکو اپنی شادی خود کرلینے کا اختیار
ہوجاتا ہے۔ البتہ اولاد اناث کے باب مین فقہاے اسلام مین اختلاف عظیم ہے
جو لوگ بالغ ورشید نہون وہ شرع محمدیؐ مین بھی اُسی طرح معذور و مجبور ہین جسطرح
اور شرائع مین ہین۔ وہ کوئی معاہدہ یا شرعی معاملہ بلا رضامندی اپنے اولیاے شرعی کے
نہین کرسکتے۔ عدم قابلیت جو عدم بلوغ کا نتیجہ ہے اصول عقلی پر اور اِس مصلحت پر مبنی ہے
کہ جو لوگ معاملات روزمرہ مین عقل سلیم سے کام لینے کے قابل نہون وہ اپنے افعال کے
نتائج سے محفوظ رہین۔

لہذا پسر یا دختر نابالغ بلا رضامندی اپنے ولی شرعی کے شرعًا نکاح نہین کرسکتے[3]۔
مگر جو نکاح ایسے نابالغ نے کرلیا ہو جو رشید ہو یعنی عقل رکھتا ہو وہ بالکل ناجائز نہین ہے
بلکہ اُسکا جواز بھی مانند اور کسی فعل یا کسی معاہدہ کے جو نابالغ نے کیا ہو ولی کی تصدیق پر
یا اُس شخص کی تصدیق پر جو بجاے ولی کے ہو موقوف ہے۔

شرع محمدی مین جو اختیار باپ کو دیا گیا ہے کہ اپنے نابالغ اولاد کی شادی جبرًا کردی وہ

---

[1] برن صاحب کی تاریخ نسوان عرب صفحہ ۱۹۱۔ ۲۲۶۔ ۱۲ منہ [2] کتاب فقہ یہود ابن خدیر جلد ۱
صفحہ ۲۳۔ ۱۲ منہ [3] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۰۷۔ کنز الدقائق۔ جامع الشتات۔ ۱۲ منہ

اختیار باعتبار اصول کے مطلق اور غیر محدود ہے مگر اس اختیار مین اتنے شرائط اور قیود
لگا دیے ہین کہ جو ضرر اس سے پیدا ہو سکتا تھا وہ عملاً بہت کم پیدا ہوتا ہے ـ حق الجبر کی
جو قسم بہت سخت ہے وہ عملدرآمد مین بلوغ پر ختم ہو جاتی ہے ـ

اکثر فرق اسلام مین بلوغ کا قیاس[1] پندرھوان سال تمام ہونے پر کیا جاتا ہے
تاوقتیکہ شہادت اسکے خلاف نہو ـــ قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص پندرہ برس کا ہو چکا[2]
خواہ مرد ہو خواہ عورت وہ بالغ اور رشید اور تصرفات شرعیہ کے قابل سمجھا جائیگا ـ

جب پندرہ برس کی عمر ہو جائے تو ہر ایک نکاح جو مرد یا عورت کی طرف سے کیا جائے
انکی صریحی رضامندی پر موقوف ہوگا اور حنفیہ اور شیعہ[3] کے نزدیک لڑکا اور لڑکی دونون
بعد بلوغ شرعی اپنا نکاح بلا رضامندی اپنے اولیاے شرعی کے کر سکتے ہین ـ

یہ مسئلہ بھی سب فرقون کا متفق علیہ ہے کہ بیٹا جب پورا پندرہ برس کا ہو چکے
تو اپنا نکاح خود کر سکتا ہے مگر بیٹی کے اختیار نکاح مین اختلاف عظیم[4] ہے ـ

حنفیہ اور شیعہ کا اتفاق ہے کہ حق الجبر اولاد ذکور و اناث دونون کی نسبت انکے
بلوغ[5] تک باقی رہتا ہے ـــ

ہدایہ مین لکھا ہے کہ دو ولی کو شرعاً جائز نہین ہے کہ باکرہ یا لغہ رشیدہ کا نکاح جبراً
کر دے ۱۱ ـ کوئی شخص حتی کہ باپ اور پادشاہ وقت بھی یہ اختیار نہین رکھتا کہ بالغہ رشیدہ
وصحیح العقل کا نکاح بغیر اسکی اجازت کے کر دے خواہ وہ باکرہ ہو خواہ ثیبہ[6]

---

[1] ہدایہ جلد ۱ ـ صفحہ ۴۸۲ ـ ۴۸۳ ـ جامع الشتات ـ مگر اس قیاس کی تردید ہو سکتی ہے ـ ۱۲ ـ منہ
[2] فصول عمادیہ ـ جامع الشتات ـ ارشاد علامہ ـ المحرر (شافعیہ) ـ ۱۲ ـ منہ [3] الوافی
اختلافات الائمہ ـ ۱۲ ـ منہ [4] ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۲۹۶ فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۹۹ ـ کنز الدقائق
شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۳ ـ جامع الشتات ـ ۱۲ ـ منہ [5] فتاواے عالمگیری جلد ۱ ـ
صفحہ ۴۰۵ ـ ۱۲ ـ منہ ـ

علی ہٰذا القیاس شیعون کے مذہب مین بھی یہی ہے کہ وہ باپ یا دادا کچھ اختیار باکرہ رشیدہ وصحیح العقل پر نہین رکھتا بلکہ وہ خود اپنا نکاح کر لینے کا اختیار رکھتی ہے — یہی حکم شرع تیعبہ کے باب مین بھی ہے[1] —

مگر برخلاف اسکے شافعیہ[2] اور مالکیہ کا قول ہے کہ اولاد اُناث کی نسبت باپ کا حق الجبر اسوقت تک باقی رہتا ہے جبتک کہ اُنکی شادی ہو جائے اور وہ باپ کے اختیار سے نکل جائین اور اُنکے نزدیک یہ بھی ہے[3] کہ حق الجبر اُس صورت مین بھی نہین زائل ہوا جبکہ لڑکی سفیہہ یعنی بے عقل ہو یا نابالغی کی حالت مین اُسکا نکاح ہوا ہو اور قبل بلوغ اُسکو طلاق دیدیا گیا ہو —

اگرچہ حق الجبر عقلاً ایک حق مطلق ہے مگر عملاً اُسمین بہت سی شرطین لگا دیگئی ہین — فقہا مین اس مسئلہ مین کچھ اختلاف نہین ہے کہ باپ کو شرعاً ممانعت ہے کہ اپنی بیٹی کا نکاح مریض اور غلام اور فاتر العقل اور نالائق آدمی سے کرے — مگر امام اعظم ابو حنیفہ اور اُنکے دونون شاگردون نے اس مسئلہ مین اختلاف کیا ہے کہ جو نکاح باپ نے اپنی بیٹی کا مہر غیر مکتفی پر کردیا ہے وہ شرعاً کہانتک جائز ہے — امام اعظم کے نزدیک مہر کا غیر کافی ہونا عدم جواز نکاح کی دلیل نہین ہوسکتی — مگر امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے کہ جب مہر شوہر کی جائداد سے کچھ نسبت ہی نہ رکھتا ہو تو نکاح ناجائز ہوگا — اور اس مسئلہ مین سب فقہا کا اتفاق معلوم ہوتا ہے کہ جب باپ نے شرارت یا بے احتیاطی کی ہو تو نکاح فسخ ہوسکتا ہے —

اگر کوئی شخص اپنے پسر نابالغ کی طرف سے اتنا مہر قبول کرلے جسکا ادا کرنا اُس لڑکے کے مقدور سے باہر ہو اور یہ یقین کرنے کی وجہ موجود ہو کہ اُسنے بدنیتی سے ایسا کیا ہے تو ایسا نکاح لائق فسخ ہوگا —

فی الواقع شرع مین لڑکے کے خاص فوائد کا لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ خوب سمجھ لیا گیا ہے

---

[1] شرائع الاسلام صفحہ ۲۶ — ۱۲ منہ [2] کتاب الانوار لعمل الابرار کتاب النکاح ۱۲ منہ [3] کتاب الانوار لعمل الابرار المحرر ۱۲ منہ [4] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۲۱۴ — کتاب الانوار — جامع الشتات ۱۲ — منہ —

کہ حق الجبر صغیر السن لڑکے کے ضرر یا نقصان کے لیے کبھی عمل میں نہ لایا جائے اور باپ کا ہر فعل جس سے نابالغ کی حق تلفی یا نقصان کا گمان ہونا جائز سمجھا جائیگا اور قاضی اسمین دست اندازی کرنے کا شرعًا مجاز ہوگا تاکہ ایسے فعل کی تکمیل نہ ہونے پائے اور اگر تکمیل ہو چکی ہو تو منسوخ کیا جائے اور باپ اپنے اختیار کو اسطرح بھی بیجا عمل مین نہین لاسکتا کہ اولاد کی شادی کی کسی طرح اجازت ہی نہ دے ایسی صورتین خواہ مخواہ شاذونادر وقوع مین آتی ہین اسواسطے کہ اسلام مین تجرد اور رہبانیت ممنوع ہے۔ مگر جب طمع زر باپ کو ایسی دامنگیر ہو کہ متواتر خواستگارون کو رد کر دے اور کسی کے ساتھ اپنی بیٹی کا عقد نہ کرے تو قاضی یا حاکم شرع دست اندازی کرنے کا مجاز ہے بشرطیکہ تحقیقات کرنے سے اسکو کوئی سبب کافی اور وجہ وجیہ دست اندازی کرنے کی معلوم ہو۔ ہندوستان مین یہ کام عدالت دیوانی غالبًا اسوقت کریگی جب باپ کے بعد جو ولی ہو وہ درخواست کرے۔ مثلاً ایسا مقدمہ پیش ہو جسمین ماں بالکل راضی ہو کہ میری بیٹی کی شادی ایک لائق خواستگار کے ساتھ ہو جائے مگر باپ بغیر کسی وجہ وجیہ کے اور محض تلون مزاجی کی راہ سے راضی نہو۔ اس صورت مین عدالت دیوانی ازروے شرع محمدی اسکی مجاز ہے کہ باپ کو نکاح مین ایسی دست اندازی سے مانع ہو اور حکم عدالت بمنزلہ باپ کی رضامندی کے ہوگا۔

یہ امر[1] کہ سبب معقول اور وجہ وجیہ حاکم عدالت کی مداخلت کرنے کی کیا ہے ہر خاص مقدمہ کے حالات مخصوصہ پر موقوف ہوگا۔

حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک اولاد بعد بلوغ باپ کے اختیار سے نکل جاتی ہے۔ ان دونون فرقون کا قول یہ ہے کہ جب اولاد بالغ و رشید ہو تو باپ کے اختیار کا بیجا عمل مین آنا غیر ممکن ہے۔ اگر کوئی باپ اپنی دختر بالغہ کے نکاح سے کسی طرح راضی نہوتا ہو تو وہ لڑکی باپ کی

---

[1] سائیرا۔ بخاری۔ جامع الشتات۔ فصول عمادیہ۔ ۱۲۔ منہ [2] ڈٹی منرولی صاحب کی فقہ اسلام در صوبۂ الجیرس صفحہ ۲۵۔ ۱۲۔ منہ

مرضی کے خلاف اور بغیر اُسکی اجازت کے اپنا نکاح شرعاً خود کر سکتی ہے۔ چنانچہ جامع الشتات مین لکھا ہے کہ "وہ اگر باکرہ بالغہ ورشیدہ کا نکاح اُسکے کفو کے ساتھ کرنے پر اُسکے اولیا راضی نہون مگر خود وہ لڑکی اُسکے ساتھ اپنا عقد کرنا چاہتی ہو تو اسمین کچھ شک نہین ہے کہ انکی مرضی کے خلاف وہ اپنا نکاح کر سکتی ہے" پھر اُسی کتاب مین یہ سوال لکھا ہے کہ "وہ آیا اذن پدر باکرہ بالغہ رشیدہ کے عقد کے لیے ضرور ہے" اِسکا جواب یہ لکھا ہے کہ "وہ ایسا اذن ضرور نہین ہے بلکہ خود اُسکی رضامندی جواز نکاح کو شرعاً کافی ہے"

اگر اُسنے غیر کفو سے عقد کر لیا ہو یعنے اُس شخص سے جو اُس سے پست مرتبہ یا کم حیثیت ہو تو باپ کو اعتراض کرنے کا حق حاصل ہوگا مگر وہ اعتراض قاضی کے سامنے بیان کیا جائیگا۔ چونکہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک لڑکی اپنے باپ کے اختیار سے اُسوقت تک نہین نکلتی جبتک اُسکی شادی ہو جائے لہذا ان دونون فرقون مین اختیار پدری غالباً اکثر بیجا عمل مین لایا جاتا ہے شافعیہ اور مالکیہ کے مسائل سے جو دقتین پیدا ہوئی ہین وہ اسطرح رفع ہو جاتی ہین کہ اہل سنت کے چارون فرقون کو اختیار ہے کہ ائمہ اربعہ مین سے جس امام سے حسن ظن رکھتے ہون اُسکی تقلید کرین۔ مثلاً امام مالک کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کسی لڑکی کی شادی اٹھارہ برس کی عمر تک نہو تو وہ باپ کے اختیار مین رہیگی۔ مگر اُسکو اختیار ہے کہ جسوقت چاہے امام اعظم ابو حنیفہ کی تقلید کر کے باپ کے اختیار سے اپنے تئین نکال لے۔

اِس باب مین مقدمہ محمد ابراہیم ابن سید محمد برکت بنام غلام محمد ابن سید محمد روگی وغیرہ[1] خوب بحث ہو چکی ہے۔ اس مقدمہ مین ایک لڑکی خدیجہ نامی نے جو ایک شافعی خاندان سے تھی بعد بلوغ بمبئی کے قاضی کے سامنے آکر کہدیا کہ مین نے امام شافعی کی تقلید ترک کر کے امام ابو حنیفہ کی تقلید اختیار کی ہے۔ اُسکے تھوڑے عرصہ کے بعد اُسکا عقد مدعی کے ساتھ غالباً خود اُسکی رضامندی سے اور حنفی رسوم کے موافق ہوا۔ مگر اُسکا باپ مدعی کے ساتھ اُسکا نکاح کرنے سے کبھی نہ راضی ہوا تھا۔ پس جب مدعی نے اُسکے باپ پر اپنی زوجہ کے خلاف

[1] بمبئی لا رپورٹ جلد ۱ صفحہ ۲۳۶ سنہ ۱۲

شرع روکنے کی نالش کی تو اصل بحث اس مسئلہ شرعیہ مین ہوئی کہ آیا مدعی کا نکاح جو اس لڑکی کے ساتھ ہوا ہے اِسوجہ سے ناجائز ہے کہ لڑکی کے باپ کی رضامندی سے نہین ہوا ہے۔ اُسوقت ہائی کورٹ بمبئی مین ہاس صاحب چیف جسٹس اور کوچ صاحب جسٹس کا اجلاس تھا۔ اُنھون نے ایک مبسوط اور متین فیصلہ لکھا اور یہ تجویز کیا کہ ''(۱) مسلمان لڑکی جو اہل سنت کے چار فرقون مین سے کسی فرقہ سے ہو بعد بلوغ اس فرقہ سے نکلکر اور جس فرقہ مین چاہے داخل ہو سکتی ہے اور اُسکے مابعد کے افعال کا جواز اُس امام کے فتوے پر موقوف ہوگا جسکی تقلید اُسنے اب اختیار کی ہے ۔ (۲) مذہب حنفی مین یہ ہے کہ اگر کسی مسلمہ کا عقد اُسکے باپ یا ولی شرعی نے نہ کردیا ہو تو بعد بلوغ اُسکو اختیار ہے کہ جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح کرلے اور اپنے باپ یا ولی شرعی کے اذن کا مطلق خیال نہ کرے اگرچہ امام شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ باکرہ نہ قبل بلوغ نہ بعد بلوغ اپنا عقد بغیر اذن اپنے باپ کے کرسکتی ہے (۳) لہذا جو نکاح خدیجہ نے خود اپنی مرضی سے کرلیا ہے وہ شرعاً صحیح و جائز ہے۔ اور اُسکی پابندی لازم ہے۔ جب باپ ناقص العقل ہونے کی وجہ سے اس قابل نہو کہ حق الجبر کو عمل مین لاسکے تو اُسکے بعد جو ولی شرعی ہو وہ اُس حق کو عمل مین لائیگا اور اسی طرح سے جب باپ اتنے فاصلہ پر ہو کہ کوئی کارروائی نہ کرسکتا ہو تب بھی اُسکے بعد جو ولی ہو وہ شرعاً اُسکی اولاد کا نکاح کرسکتا ہے جامع الشتات مین چند مثالین اسکی لکھی ہین کہ جب باپ کہین دور چلا گیا ہے تو اُسکی غیبت مین مان نے اولاد نابالغ کا عقد کردیا ہے اور وہ عقد شرعاً جائز قرار دیا گیا ہے۔ فقہاء نے خاص اس امر کو تحقیق کیا ہے کہ کس قسم کی غیبت یا فاصلہ سے اُس شخص کو جو باپ کے

لہ اس فیصلہ مین عالم ججون نے یہ لکھا ہے کہ۔ وہ کوئی خاص رسم شرعی نہین ادا کیا جاتا جس سے معلوم ہو کہ اس شخص نے ایک فرقہ کو چھوڑ کر دوسرا فرقہ اختیار کرلیا ہے۔ شافعیہ اور حنفیہ مین فرق ظاہری صرف اتنا ہے کہ شافعیہ نماز کے بعد لفظ آمین باواز بلند کہتے ہین اور حنفیہ چپکے سے کہتے ہین اور شافعیہ ہاتھ کھولکر مگر حنفیہ ہاتھ باندھکر نماز پڑھتے ہین ۔۔ ۱۲ منہ

بعد ولی شرعی ہو حق الجبر عمل مین لانا جائز ہو جاتا ہے — ہدایہ مین لکھا ہے — کہ وو اگر باپ یا پہلا ولی شرعی کسی نابالغ لڑکے کا اِسقدر فاصلہ پر ہو جسکو غیبتُ المنقطع کہتے ہین تو ایسی صورت مین شرعًا جائز ہے کہ دوسرے درجہ کا ولی نابالغ کا نکاح کردے [1] اور غیبتُ المنقطع کے معنی ہدایہ مین یہ لکھے ہین کہ — رجب ولی ایسے شہر مین چلا گیا ہو جو کاروانون کے راستہ سے علیحدہ ہو یا جہان کوئی کاروان سال بھر مین ایک دفعہ بھی نہ جاتا ہو — مگر بعض علمانے غیبتُ المنقطع کی تعریف یہ لکھی ہے کہ وہ فاصلہ جو تین دن کی راہ کے برابر ہو[1] ۔۔ —

فصول عمادیہ کے موافق غیبت المنقطع سے وہ فاصلہ یا وہ غیبت مراد ہے جسمین باپ کی منظوری اُس نکاح کی نسبت جو ولی شرعی نے کسی نابالغ کا کردیا ہو حاصل کرنا بغیر دقت عظیم کے غیر ممکن ہو۔ فتاوائے عالمگیری و فتاوائے قاضیخان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے — ان کتابون سے یہ نتیجہ عمومًا نکلتا ہے کہ ایسے ہر مقدمہ کا فیصلہ اُسکی خاص روداد پر کیا جائیگا —

ہائی کورٹ کلکتہ نے یہ فیصلہ[2] کیا ہے کہ جب باپ قید خانہ مین ہو تو جو نکاح دختر نابالغ کا اُسکی مان یا دادی نے باپ کی اجازت سے کردیا ہو وہ جائز ہے اور اُسکی پابندی لازم ہے — مگر اس مقدمہ کا جو رپورٹ ہوا ہے اُس سے یہ نہین معلوم ہوتا کہ آیا فریقین شافعی یا حنفی یا شیعہ تھے ان مذاہب کے بموجب نتیجہ ایک ہی ہوگا اگر باپ اِسطرح سے قید ہو کہ اُسکی منظوری نکاح کی نسبت حاصل کرنا غیر ممکن ہو۔ اگر اُسکی رضامندی بلا دقت حاصل ہو سکتی تو اِس فیصلہ کی صحت مین شک ہو جاتا۔

دوسرے مقدمہ مین جو ہائی کورٹ کلکتہ نے بصیغہ ابتدائی فیصلہ کیا تھا باپ کے مرتد ہو جانے سے اُسکا حق الجبر زائل ہوگیا تھا — اِس مقدمہ مین ایک مسلمان عورت نے ایک یہودی سے عقد کرلیا تھا جو اب مسلمان ہوگیا تھا اور اُس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی جسنے مذہب شیعہ مین

---

[1] فتاوائے عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۱۰۱۴ — فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۰۶ — شافعیہ کے نزدیک باپ کی غیبت مین حق الجبر سلطان یا قاضی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے — فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۰۶ — ۱۲ — منہ

[2] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۰۱۴ — فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۰۶ — ۱۲ منہ — [3] سدرلینڈ صاحب کا ویکلی رپورٹر جلد ۱۲ صفحہ ۱۰ — ۱۲ منہ

جو اُسکی ماں کا مذہب تھا تربیت پائی تھی مگر اُسکے پیدا ہونے کے تھوڑی مدت کے بعد اُسکا باپ مرتد ہوکر یہودی ہوگیا تھا۔ بعد ازآں ماں نے اُس لڑکی کا عقد ایک شیعہ مسلمان کے ساتھ کردیا باپ نے اِس مضمون کی ایک درخواست گذرانی کہ چونکہ بغیر میری رضامندی کے اِس لڑکی کی ماں نے اسکا نکاح کر دیا ہے لہذا نکاح ناجائز ہے اور یہ لڑکی مجھے دلا ملے۔ اِس درخواست کا فیصلہ جسٹس میکفرسن صاحب نے یہ کیا کہ شرع محمدی کے بموجب مرتد اسکا مستحق نہیں ہے کہ اُس اولاد کے نکاح سے رضامندی ظاہر کرنے کا حق عمل میں لائے جبکا نکاح اُسکے بعد جو ولی شرعی ہو اُسنے کردیا ہو۔ لہذا سائل کی بیٹی کا عقد جو بغیر اُسکی رضامندی کے ہوا صحیح و جائز تھا[1]

جامع الشتات میں بھی ایک ایسا ہی مقدمہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے مجتہد سے پوچھا کہ آیا وہ نکاح جو ماں نے اپنی بیٹی کا بلا اجازت اسکے باپ کے جو نصرانی ہوگیا ہے کردیا ہو شرعًا جائز ہے یا نہیں۔ مجتہد نے جواب دیا کہ جائز ہے۔

شافعیہ اور شیعہ کے نزدیک باپ کی عدم موجودگی میں دادا کو حق الجبر حاصل ہوجاتا ہے مگر مالکیہ کے نزدیک حق الجبر حق شخصی مخصوص ہے اور خاص باپ سے باین حیثیت کہ وہ باپ ہے متعلق ہے اور جب باپ موجود نہو تو اِس فرقہ کے نزدیک حق الجبر اُسکے وصی یا قاضی کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک حق الجبر نہ صرف ولی وصیتی کو حاصل ہے بلکہ سب اولیاء شرعی کو حاصل ہے چنانچہ شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ۔ وو اولیاء نکاح ذوی الفروض یا عصبات اسی ترتیب سے ہوتے ہیں جس ترتیب سے وہ میراث پاتے ہیں یا مجوب الارث ہوجاتے ہیں عصبات سے مراد عصبات بنفسہ ہیں یعنے اقرباء ذکور جو بلا وساطت اُناث متوفی سے قرابت رکھتے ہوں۔ یعنی پہلے اَن پھر دور کے رشتہ دار باعتبار قرب و بُعد قرابت۔ اُسکے بعد مولے الموالاۃ

---

[1] مقدمہ مہین بی بی لا رپورٹ بنگالہ جلد ۱۳ صفحہ ۱۶۰۔ ۱۲۔ سنہ ۵۲ المحرر۔ کتاب الانوار۔ مفاتیح۔ شرایع الاسلام۔ اختلافات الائمہ۔ فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۰۵۔ ۴۰۷۔ ۱۲۔ منہ

جو ازروے معاہدہ وارث ہو - بعد اُسکے قاضی[1]،، اور فتاواے عالمگیری[2] مین لکھا ہے
کہ ،، ولی نکاح اوّلاً عصبہ بلحاظ ترتیب میراث ہوگا یعنی قریب بعید کا حاجب ہوگا،، -

اولیاء نکاح اقرباء ذکور پدری بہ ترتیب ذیل ہین -

(۱) - اولاد ذکور - (۲) - اجداد ذکور - (۳) - اقرباء ذکور بہ ترتیب وراثت - جو اقرباء
باپ اور مان دونون کی جانب سے قرابت رکھتے ہون وہ اُنپر ترجیح رکھتے ہین جو صرف باپ
کی طرف سے قرابت دار ہون -

فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ ،، یہ سب اولیا حق الجبر لڑکے اور لڑکی پر اُنکی نابالغی کے
زمانہ مین رکھتے ہین ،،

شیعون کے نزدیک حق الجبر باپ اور دادا کو حاصل ہے اور کسی عزیز کو حاصل نہین ہے -
اور اس مسئلہ مین شافعی اُنسے متفق ہین - چنانچہ شرایع الاسلام مین لکھا ہے ،، وصی کو کوئی
حق نکاح مین حاصل نہین ہے گو موصی نے اُسکو یہ حق صریحًا دیدیا ہو - اور نہ حاکم شرع
اُس شخص پر کچھ اختیار رکھتا ہے جو بالغ و رشید ہو[3] ،،

مسلوب العقل کے باب مین ولی وصیتی اور حاکم شرع دونون کو ایک مقید اختیار حاصل ہے -
حنفیہ کے نزدیک درصورت نہونے اقرباء ذکور پدری کے حق الجبر ذوی الارحام کو
موافق ترتیب[4] وراثت ملیگا اور جب وہ بھی نہون تو مولے الموالات کو اور جب وہ بھی نہو
تو بادشاہ وقت اور قاضی[5] کو -

مگر جب[6] مان ازروے وصیت ولیہ ہو یا اپنے شوہر متوفی کے وصیہ ہو تو اُسکو
اورون پر ترجیح ہے -

---

[1] شرح وقایہ جلد ۱ صفحہ ۳۲۹ - ۱۲ منہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۹۹ - ۱۲ منہ [3] فتاواے قاضیخان صفحہ ۴۰۵ - ۱۲ منہ
[4] شرایع الاسلام صفحہ ۲۶۳ - مفاتیح - ارشاد علامہ ۱۲ - منہ [5] مان کا درجہ عصبۂ نسبیہ او عصبہ سببیہ کے بعد ہے
[6] فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۰۰ - ۱۲ منہ [7] اس مقام پر یہ لکھنا ضرور ہے کہ فتاواے عالمگیری کی عبارت اس باب مین

شیعوں کے مذہب مین ماں کچھ اختیار اپنی اولاد کا نکاح کرنے کا نہین رکھتی ہے حتی کہ اگر وہ اُنکے باپ کی وصیہ ہو تو بھی کچھ اختیار نہین رکھتی ہے ـ

عام قاعدہ یہ ہے کہ جب ولی الجبر[۵] موجود ہو اور حق الجبر کو عمل مین لانے کی قابلیت رکھتا ہو یا جو نکاح نابالغ اولاد کی طرف سے کر لیا گیا ہو اُسکا اذن دے سکتا ہو تو ماں کو یہ اختیار نہین ہے کہ ایسی اولاد کا عقد ولی مرجح کی مرضی کے خلاف کردے ـ مگر سب مذاہب کا اتفاق اسمین معلوم ہوتا ہے کہ جب ولی الجبر اولاد نابالغ کی نقصان رسانی یا حق تلفی کے لیے حق الجبر عمل مین لاوے تو ماں دست اندازی کرنے کا حق رکھتی ہے ـ سید خلیل[۱] فرماتے ہین کہ جب باپ اپنے غریب لڑکی کی شادی کسی ایسے ہی غریب آدمی کے ساتھ کرنا چاہے تو ماں دست اندازی کا حق رکھتی ہے ۔"

اسی مضمون کی عبارتین کتب شیعہ مین سے جامع الشتات مین اور کتب حنفیہ مین سے فصول عمادیہ اور فتاواے قاضی خان مین موجود ہین ـ اِس باب مین مختلف مذاہب اسلام کے علما کے اقوال دیکھنے سے کچھ شک وشبہ باقی نہین رہتا کہ ماں کا حق مداخلت ہر خاص صورت کی ضرورتون کے موافق قرار دیا جائیگا ـ

حاشیہ ۱

اِس کتاب کے ہندوستانی ناظرین شاید یہ بات سنکر تعجب کرینگے کہ فرانسیس کے قانون کے بموجب کوئی مرد اٹھارہ برس کے سن تک شادی نہین کرسکتا اور کوئی عورت پندرہ برس کی عمر تک شادی نہین کرسکتی ـ اور اگر بیٹے کا سن پچیس برس سے کم ہو اور بیٹی کی عمر اکیس ۲۱

مشکوک ہے ـ اسمین لکھا ہے کہ ـ الوصی لا ولایۃ لہ فی انکاح الصغیر والصغیرۃ سواء اوصی الیہ الاب اولم یوص لا اذا کان الوصی ولیھما فیملک الانکاح بحکم الولایۃ لا بحکم الوصایۃ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وصی یہ اختیار نہین رکھتا ہے کہ نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کردے الا اسکے کہ وصی ولی شرعی ہو تب اسکو بحق ولایت نہ بحق وصیت اسکا عقد کردینے کا اختیار ہوگا ـ مگر ماں بھی اکیلے ولی شرعی ہے ـ کتاب فقہ الحبیس مطبوعہ ۱۸۹۳ع ملاحظہ ہو ـ ۱۲ منہ سے یعنی وہ ولی جسکو شرعاً حق الجبر حاصل ہو ـ ۱۲ منہ ۳ شاید علماء مالکیہ مین سے کوئی عالم ہین ـ ۱۲ ـ مترجم

برس سے کم ہو تو نکاح والدین کے اذن سے مشروط ہے - اگر والدین مین اختلاف ہو تو
باپ کی اجازت کافی ہوتی ہے - اگر والدین زندہ نہون تو جواز نکاح دادا اور دادی کی اجازت
پر موقوف ہے اور جب وہ بھی نہون تو سارے خاندانی کونسل کی رضامندی حاصل کرنی ضرور ہے
جب مرد کا سن ۲۵ برس کا اور عورت کا ۲۱ برس کا ہو تب بھی اُن دونون پر فرض ہے کہ ایک
باضابطہ اشتہار کے ذریعہ سے والدین کا اذن حاصل کرین اور جبتک مرد کا سن ۳۰ سال کا
اور عورت کا ۲۵ سال کا ہو جائے اُسوقت تک یہ فعل ایک ایک مہینہ کے فاصلہ سے تین مرتبہ
کرنا چاہیئے اور تیسری درخواست کے ایک مہینہ کے بعد طرفین کو جائز ہے کہ باجازت یا
بلا اجازت والدین شادی کرلین - جب مرد کا سن بیس برس کا ہو جائے تو پہلے
دو رجسٹرارون یا ایک رجسٹرار اور دو گواہون کے ذریعہ سے والدین پر باضابطہ اطلاعنامہ
جاری کرے اسکے مہینہ بھر کے بعد اُس مرد یا عورت کو بلا اذن والدین شادی کرلینا جائز ہے
قانون انگلستان کے بموجب مرد اور عورت دونون بیس برس کے سن تک بلا رضامندی
والدین شادی نہین کرسکتے - مگر مین نے سنا ہے کہ ضلع لنکا نشائر کے ہزارہا مزدور اور کسان
وغیرہ بلا اجازت والدین شادی کرلیتے ہین -

چھٹا باب

حق الحضانت یعنی ماں کا حق حراست اولاد کا

فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے[۲] کہ حالت زوجیت مین اور قطع زوجیت کے بعد بھی ماں
سب سے زیادہ حق اولاد نابالغ کی حراست کا رکھتی ہے -
یہ حق ماں کا من حیث الامیت ہے اور کسی بات سے یہ حق زائل نہین ہوتا ہے سوائے خود
ماں کی بداعمالی کے -

---

[۱] مجموعہ قوانین نپولین مضمون ۱۸۲ - ۱۲ - منہ [۲] احق الناس بحضانة الصغیر حال قیام النکاح
وبعد الفرقة الام فتاوائے عالمگیری - صفحہ ۲۰۷ - ۱۲ منہ -

اختیار پدری جسپر پانچوین باب مین بحث کی گئی نابالغ اولاد کی جان و مال پر عمل مین لایا جاتا ہے
اور غالباً اُنکے فائدہ کے لیے عمل مین لایا جاتا ہے - مگر جب اولاد کے صغیر السن یا ناقص العقل
ہونیکی وجہ سے مان کی حراست کی ضرورت ہوتی ہے تو اس حالت مین شرع محمدی اُس حق
کی تائید کرتی ہے جو مان کو حراست اولاد کا بالطبع حاصل ہے اور ایک مدتِ معینہ تک اُسکے حق کو
باپ کے حق پر مقدم و مرجح رکھتی ہے —

جب اولاد کو مان کی حراست کی ضرورت نہ باقی رہے اُسوقت باپ اُنکی تعلیم و تربیت
اور نگرانی کا حق رکھتا ہے اور اُنکی جان کی حفاظت کا مان سے زیادہ مستحق ہے —

حنفیہ کے نزدیک مان اپنے بیٹیون کی حراست کا اختیار اُنکے بلوغ تک رکھتی ہے اور
مالکیہ اور شافعیہ اور حنبلیہ کے نزدیک مان کی حراست اُنپر اُنکی شادی کے زمانہ تک باقی رہتی ہے
صوبہ الجیرس مین اکثر یادگار فیصلے ایسے ہوے ہین جنسے ثابت ہوتا ہے کہ حنفی قاضیون نے
اِس مسئلہ مین امام مالک کی تقلید کی ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ مان اپنی بچی کی حراست کا اختیار اُسکے
نکاح کے زمانہ تک رکھتی ہے —

بلاد ایشیا کے حنفی مذہب مسلمانون کی مستند کتابون مین جو فتاوے لکھے ہین اُنکے تحقیق
کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ کا اختلاف اِس مسئلہ مین کہ کتنی مدت تک مان کی
حراست باقی رہتی ہے ایسا اختلاف عظیم اور بیّن نہین ہے جیسا بادی النظر مین معلوم ہوتا ہے
فتاوائے عالمگیری جسمین چند فقہا کے اقوال لکھے ہین یہ فتوےٰ دیتی ہے کہ حق حضانت اُسوقت[1]
ختم ہوجاتا ہے جب لڑکی بیاہنے کے قابل ہوجاتی ہے —

مگر مالکیہ کا قول یہ ہے کہ یہ حق اُسوقت تک باقی رہتا ہے جبتک لڑکی کی شادی فی الواقع ہوجائے
چونکہ مشرقی ملکون مین دستور ہے کہ لڑکی کی شادی اُسکے جوان ہوتے کے ساتھ کر دیجاتی ہے
بلکہ کبھی کبھی قبل بلوغ ہی کر دیجاتی ہے لہذا ظاہر ہے کہ حنفیہ اور مالکیہ مین اِس مسئلہ مین عملاً کچھ اختلاف

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۳۰ - اور فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۸۷ — ۱۲ — منہ

نہین ہے ۔ مگر یہ گذارش کیا جاتا ہے کہ مالکیہ کے مسائل زیادہ تر موافق فطرت سلیم ہین اور ایک
محدود معیار اُن لوگون کی ہدایت کے لیے نہیا کر دیتے ہین جنکو احکام شرع کا نافذ کرنا منظور ہے
غالباً اس مسئلہ مین جو بحثین پیدا ہونگی اُنکا تصفیہ ہندوستان کی انگریزی عدالتین الجیریا کی
عدالتون کے فیصلجات کے موافق کرینگی جنھون نے امام مالک کا مذہب ایسے تمام معاملات
مین اختیار کر لیا ہے ۔

ماں کی حراست اولاد ذکور کے باب مین مختلف فرق اہل سنت مین اسمیں بھی زیادہ اختلاف ہے
مالکیہ کا قول یہ ہے کہ حق الحضانت اولاد ذکور کی نسبت اُنکے بلوغ کے زمانہ تک باقی رہتا ہے
چنانچہ ساٹیر صاحب اپنی کتاب مین لکھتے ہین[1] ۔ کہ "یہی معیار سیدی خلیل و علمائے مالکی کا
ہمیشہ فقہ مین کام آتا ہے " ۔

شافعیہ اور حنبلیہ کے نزدیک سات برس کے سن مین لڑکے کو اختیار حاصل ہو جاتا ہے
کہ چاہے باپ کے ساتھ رہے چاہے ماں کے ساتھ ۔ اگر وہ ماں کے ساتھ رہنا پسند
کرے تو زمانہ بلوغ تک اُسکے ساتھ رہ سکتا ہے بعد بلوغ اُسکو کچھ اختیار نہین رہتا اور اُسکی
ولایت باپ سے متعلق ہو جاتی ہے ۔ مگر جو حق حراست باپ لڑکے کی ذات پر رکھتا ہے
وہ بمجرد اُسکے بالغ ہونے کے عملاً تمام ہو جاتا ہے کیونکہ اُسوقت اُسکی ذات پر باپ کا کچھ
اختیار نہین باقی رہتا ۔

فقہاے حنفی کے نزدیک ماں کا حق الحضانت منسبت بہ اولاد ذکور اُسوقت تمام
ہو جاتا ہے جب لڑکے کا سن سات برس کا ہو جائے ۔ چنانچہ فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے
کہ[2] ماں اور نانی لڑکے کی حراست کی مستحق اُسوقت تک ہین جبتک اُسکو انکی ضرورت باقی رہے
یعنی سات برس کے سن تک[3] ۔ مگر اسکے بعد پھر اسی کتاب مین لکھا ہے کہ[4] قدوری
فرماتے ہین کہ ماں کا حق الحضانت اُسوقت تک باقی رہتا ہے جبتک لڑکا کھانے پینے اور

---

[1] ساٹیر صاحب کی کتاب صفحہ ۲۳۴ ۔ ۱۲ منہ [2] کتاب الانوار ۔ ۱۲ منہ +

طہارت ضروری کرنے کے قابل ہو جائے — ابو بکر رازی نے نو برس کا سن قرار دیا ہے —
مگر فتویٰ پہلے قول کے مواقف ہے[ل] —

شیعون کے نزدیک مان اولاد ذکور و اناث دونون کی حراست کا حق اُسوقت تک رکھتی ہے
جبتک اُنکا دودھ چھوٹے[ل] — یہ مدت دو برس پر محدود ہے اور اس عرصہ مین اولاد کسی حال
مین مان کی حراست سے بغیر اسکی مرضی کے نہین نکل سکتی — دودھ چھوٹنے کے بعد اگر لڑکا ہے
تو اُسکی حراست باپ سے اور اگر لڑکی ہے تو اُسکی حضانت مان سے متعلق ہو جاتی ہے —
مان کی حضانت بیٹی پر سات برس کے سن تک رہتی ہے مگر باپ کو اختیار ہے کہ مان کی حراست کو
اولاد ذکور و اناث دونون پہ مدت شرعیہ منقضی ہو جانے کے بعد قائم رکھے[ل] —

پس معلوم ہوا کہ اگرچہ مدت حضانت مختلف فرقون مین مختلف ہے مگر عالم اصول جو اس مدت سے
متعلق ہے وہ خاص کر اولاد کے حفظ حقوق پر مبنی ہے — چنانچہ ڈمی اوہسن صاحب فرماتے
ہین کہ نو برس کے سن مین لڑکا اقربائے اناث کی حراست سے نکلکر اپنے باپ کے اختیار مین
آجاتا ہے تاکہ باپ اُسکی تعلیم و تربیت ایسی کرے جو اُسکے مرتبہ اور حالت اور دولت کے مناسب ہو[ل]
جب باپ اور مان دونون کا مذہب ایک ہو تو مدت حضانت بآسانی معین ہو سکتی ہے
لیکن اگر اُنکے مذہب مین اختلاف ہو تو جس اصول کے موافق مدت حضانت مقرر ہونی چاہیے
وہ دقت سے خالی نہین ہے — مگر عموماً یہ کہہ سکتے ہین کہ چونکہ حق الحضانت کا مقصود و مآل خاص کر
نابالغ اولاد کی نفع رسانی ہے لہذا ہر مقدمہ کا فیصلہ اُس فرقہ کے مذہب کے موافق کرنا چاہیے

ل الام والجدۃ احق بالغلام حتی یستغنی وقدر بسبع سنین وقال القدوری حتی یاکل وحدہ و
یشرب وحدہ ویستنجی وحدہ وقدرہ ابو بکر الرازی بتسع سنین والفتوی علی الاول
ل جامع الشتات — جامع عباسی — شرایع الاسلام — ۱۲ منہ ل جامع الشتات — ۱۲ منہ
ل سلطنت عثمانیہ مین ترکون نے مدت حضانت کو نو برس تک بڑھا دیا ہے — ۱۲ منہ ل ڈمی اوہسن
صاحب فرماتے ہین کہ مان کا حق حراست اولاد ذکور پر سات یا آٹھ یا نو برس تک رہتا ہے اور اولاد اناث پر
اُنکے بلوغ یا نکاح کے زمانہ تک — ڈمی اوہسن صاحب کی کتاب صفحہ ۱۰۴ — ۱۲ منہ

جسکی نسبت گمان ہو کہ یہ لڑکا اس فرقہ سے ہے یا اگر یہ تحقیق نہو سکے تو ایسے مقدمہ کے
فیصلہ مین یہ ضرور خیال رکھا جائے کہ کیا بات اِس لڑکے کے حق مین بہ این حیثیت کہ وہ ایک طفل
مسلم ہے سب سے زیادہ مفید ہوگی — یہی قاعدہ صوبۂ الجیرس کی عدالتون نے اختیار کیا ہے
اور خاص خاص صورتون مین یہ قاعدہ جاری کرنے مین کوئی دقت نہین واقع ہوئی ہے —

الجیرس کی عدالت نے ایک فیصلہ ۱۵- اپریل ۱۸۶۲ء کو صادر کیا اُسمین ایسے کلمات
لکھے ہین کہ اِس مسئلہ مین کوئی شک و شبہ کی گنجایش نہین باقی رہی ہے — ایک مقدمہ اُس
عدالت مین ایسا پیش ہوا جسمین ایک شخص لحل ابن محمد نامی نے ایک لڑکی عایشہ بنت مصطفیٰ
کے ساتھ عقد کرلیا اور اُس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام محمد تھا بعد اُسکے لحل اور عایشہ مین
جدائی ہوگئی — جب اُس لڑکے کا سن سات برس کا ہوا تو لحل نے حنفی قاضی سے استدعا کی
کہ میرا لڑکا مجھے دلایا جائے — اُس قاضی نے لحل کو ڈگری دیدی مگر جب اُسکا اپیل یا مرافعہ
الجیرس کی عدالت اپیل مین ہوا تو وہ فیصلہ منسوخ ہوگیا اور وہ لڑکا مذہب مالکی کے موافق اپنی
مان پاس رکھا گیا —

بہ پابندی اُن قیود کے جو مدت حضانت کے باب مین سابق مین بیان کیے گئے حراست
اطفالِ صغیر کی اوّلاً اقربائے اُناث سے متعلق ہوتی ہے اور جب عورتون مین سے کوئی عزیز
نہو تب یہ حق اقربائے ذکور کو پہونچتا ہے —

مالکیہ اور حنفیہ مین اُس ترتیب کی باب مین کچھ اختلاف ہے جس ترتیب سے حق حراست
مختلف اقربا کو حاصل ہے — مثلاً مالکیہ کا قول یہ ہے کہ جب لڑکے کی مان نہو تو اُسکے حضانت
(۱) نانی سے (۲) پرنانی سے (۳) خالہ اور اُسکی خالہ سے (۴) خواہر حقیقی سے (۵) خواہر
اخیافی سے (۶) خواہر علاتی سے (۷) پھوپھی سے متعلق ہوگی — جب اِن طبقون کا کوئی
عزیز نہو یا کوئی حق الحضانت کے بجالانے کی قابلیت یا مرضی نہ رکھتا ہو تو یہ حق باپ کو ملتا ہے
اور جب وہ بھی نہو تو اُسکے وصی کو اور اُسکے بیٹے اور بھتیجے اور چچا زاد بھائی کو

حنفیہ کے نزدیک حق الحضانت اِس ترتیب سے ملتا ہے (۱) ماں (۲) نانی (۳) خواہر عینی (۴) خواہر اخیافی (۵) خواہر علاتی (۶) خواہر عینی کی دختر (۷) خواہر اخیافی کی دختر (۸) خواہر علاتی کی دختر (۹) خالہ (۱۰) پھوپھی[1] — وہ اصول جس پر ان اقربا کا حق الحضانت مبنی ہے حنفیہ اور مالکیہ دونوں کے نزدیک ایک ہے یعنی یہ اصول کہ وہ صغیر السن لڑکے کی حراست کا حق اُسکی ماں کے رشتہ داروں سے متعلق ہے اور جو لوگ ماں کے ذریعہ سے قرابت رکھتے ہوں — (یعنی اقربار مادری) وہ اُن اشخاص پر ترجیح رکھتے ہیں جو صرف باپ کے واسطہ سے قرابت رکھتے ہوں[2] (یعنی اقرباء پدری) —

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر اقربار اُناث نہ ہوں یا اُنہیں سے کوئی حق الحضانت عمل میں لانے کا شرعًا مجاز نہو تو وہ حق (۱) باپ کو (۲) اگر وہ نہو تو دادا کو (۳) اُسکے بعد تیسرے درجہ یا اُس سے بھی اوپر کے جد اعلیٰ کو (۴) برادر عینی (۵) برادر علاتی کو (۶) برادر عینی کے بیٹے کو (۷) برادر علاتی کے بیٹے کو (۸) عینی چچا کو (۹) علاتی چچا کو (۱۰) چچا کی بیٹے کو اِسی ترتیب سے ملتا ہے — اِن اقربار میں بھی قریب ہمیشہ بعید کا حاجب ہوتا ہے —

کوئی مرد کسی لڑکی کی حراست کا حق نہیں رکھتا ہے تاوقتیکہ اُسکا محرم شرعی نہو یعنی اُن محارم شرعیہ میں سے نہو جنکا نکاح اُس لڑکی سے حرام مطلق ہے — اگر یہ لڑکا چچازاد بھائی کے سپرد ہوسکتا ہے مگر لڑکی اُسکے سپرد نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ اُسکا محرم شرعی[3] نہیں ہے — اور عصبہ فاسق بھی لڑکی کی حضانت کا مستحق نہیں ہے —

جب متعدد رشتہ دار ہوں اور سب ایک ہی طبقہ یا درجہ کے ہوں اور سب لڑکے کی حراست کے قابل اور طالب برابر ہوں تو اُسکی حراست اُس شخص کے متعلق کیجائیگی جو سب سے زیادہ اُسپر شفقت[4] کرتا ہو جب اولیار شرعی نہوں یا اُنہیں سے کوئی نابالغ کی حراست کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو اُسکی حراست

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۲۸ — ۷۲۹ — ۱۲ منہ [2] فتاوائے عالمگیری و کتاب الانوار — ۱۲ منہ [3] فصول عمادیہ — فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۲۹ — ۱۲ منہ [4] ہدایہ صفحہ ۳۸۵ — ۳۸۶ — ۳۸۹ — ۱۲ منہ

قاضی سے متعلق ہو جائیگی جو اسکو کسی معتبر مرد یا عورت کے سپرد کر دیگا یعنی اگر لڑکا ہو تو مرد کے اور اگر لڑکی ہو تو عورت کے سپرد کریگا[1]۔

حق الحضانت مادر مسلمہ اور مادر غیر مسلمہ دونوں سے برابر متعلق ہے پس جب کوئی مسلم کسی غیر مسلمہ سے شادی کرے اور اُس سے اولاد ہو تو وہ ماں اُس اولاد کی حضانت کی مستحق اُسی طرح ہو گی جسطرح مادر مسلمہ ہے۔ مصنف الکرخی نے اسکی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ حق الحضانت ماں سے بحیثیت مادری متعلق ہوتا ہے لہذا غیر مسلمہ ہونے کی وجہ سے اُسکا یہ حق نہیں زائل ہو جاتا چونکہ ماں کا مرتد یا بدوضع ہو جانا اولاد کے حق مین مضر سمجھا گیا ہے لہذا ماں کا ارتداد یا بداعمالی مانع حضانت قرار دی گئی ہے۔

اصول عامۂ حضانت کے باب مین سُنّی اور شیعہ مین اتفاق ہے۔ مگر شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ جب ماں نہ ہو تو یہ حق باپ پائیگا اور جب وہ بھی نہو تو دادا دادی اور دیگر اجداد کو ملیگا اور جب اجداد مین سے کوئی نہو تو حق الحضانت اُن اقربا کو ملیگا جو لڑکی کے محارم شرعیہ مین سے ہون اور قریب بعید کا حاجب ہوگا۔

حق الحضانت کو عمل مین لانے کے لیے یہ اوصاف لازم ہین (۱) حضنیہ (یعنی وہ عورت جسکے سپرد لڑکا یا لڑکی کیجاسے) صحیح العقل ہو۔ (۲) وہ اتنی سن ہو کہ اُس لڑکے کی حراست کما حقہ یا بقدر ضرورت کر سکے۔ (۳) اُسکا چال چلن اچھا ہو۔ (۴) وہ ایسے مقام رہتی ہو جہاں لڑکے کو کوئی جسمانی یا اخلاقی ضرر پہونچنے کا خوف نہو۔

سب فرقون مین حق الحضانت ان وجوہ سے زائل ہو جاتا ہے (۱) حضنیہ کے دمن بعد اپنا عقد کر لینے سے (۲) اسکے بدوضعی سے (۳) اُسکے مقام سکونت بدل دینے سے جس سے باپ یا معلم لڑکے پر نگرانی ضروری نہ کرسکے۔

۱۔ جب کوئی عورت کسی غیر شخص کے ساتھ نکاح کر لے تو اُسکا حق حراست اولاد کی نسبت

---

[1] فتاوای عالمگیری صفحہ ۔۔۔ فصول عمادیہ ۔ ۱۲ ۔ منہ

زائل ہو جائیگا کیونکہ شرعًا یہ قیاس کیا گیا ہے کہ جب عورت ایک نئے خاندان مین چلی گئی تو وہ ایسی شفقت اور نگرانی لڑکے کی نہین کرسکتی جیسی پیشتر کرتی تھی۔ لیکن اگر عورت اُس لڑکے کے اقربا مین سے کسی ایسے شخص سے عقد کرلے جو اُسکے محارم شرعیہ مین داخل ہو تو اُسکا حق الحضانت نہین زائل ہوگا۔ مثلاً اگر ماں لڑکے کے چچا سے نکاح کرلے تو چونکہ ایسا نکاح شرعًا جائز ہے لہذا اُسکا حق حراست نسبت اُس لڑکے کے نہ زائل ہوگا۔

صوبۂ الجیرس کی عدالتون نے بعض فیصلے ایسے کیے ہین جو کل فرقۂ اسلامیہ کے اعتقاد کے موافق ہین اور جنسے چند اصول ایسے بہم پہونچے ہین جنکے باعث سے قاعدۂ مذکورہ بالا خوب صاف و واضح ہوگیا ہے۔

الجیرس کی عدالت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب کوئی عورت ایک شوہر سے طلاق لیکر دوسرا شوہر اس غرض سے کرے کہ اُسکی اولاد کو بہتر اور کافی تر معاش حاصل ہو تو اُسکا حق الحضانت زائل نہین ہو جاتا۔

اگر لڑکے کا ماں کے زیر حراست رہنا لڑکے کے حق مین مفید ہو تو عدالت اُسکو اُسی کی حراست مین رہنے دیگی۔

الجیرس کے ایک مفتی کے فتوے کے موافق یہ بھی فیصلہ ہوا ہے کہ جب حضینہ دوسرا نکاح کرلے اور اُس نکاح کی تاریخ سے یا اُس تاریخ سے جس تاریخ اُس لڑکے کے باپ کو اُسکا علم ہوا ہو بیس روز کے اندر باپ اُسکا دعوے نہ کرے تو اُسکی نسبت یہ قیاس کیا جائیگا کہ اپنے لڑکے کی حراست سے دست بردار ہوگیا ہے اور اُسوقت سے وہ لڑکا اپنی ماں ہی کی حراست مین رہیگا۔[1]

جب ماں یا اور کسی رشتہ دار عورت کا حق الحضانت اُسکے عقد کرلینے کی وجہ سے زائل ہو جائے تو فسخ نکاح یا طلاق کے بعد وہ حق عود کریگا۔[2]

لہ دیگر بہاسے ... عدالت الجیرس بتاریخ ۱۸ اکتوبر ۱۸۶۲ع و ۲۹ جون ۱۸۶۳ع ۔ و ۹ دسمبر ۱۸۶۴ع - ۱۲ منہ

عہ فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۵ ... فصول عمادیہ - فتاواے قاضیخان صفحہ ۳۰ - ان امور مین سنی اور شیعہ مین کچھ اختلاف نہین ہے - ۱۲ منہ

۲ - حق الحضانت حضینہ کی بدکرداری سے بھی زائل ہو جاتا ہے - اگر یہ معلوم ہو جائے کہ یہ عورت فاحشہ ہے یا فاحشہ عورتون کی صحبت مین اکثر جاتی ہے یا اُسپر سرقہ کا جرم ثابت ہو تو اُسکا حق حراست صغیر السن لڑکے کی نسبت جاتا رہیگا -

سابق مین عرض کیا گیا کہ فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ ماں سب سے زیادہ اولاد کی حراست کی مستحق ہے مگر اِسمین یہ قید لگادی ہے کہ الا اینکہ وہ [illegible] یا فاحشہ ہو یا قابل اعتبار نہو[1] پھر اسی کتاب مین یہ بھی لکھا ہے کہ اگر وہ عورت اکثر اپنے گھر سے نکل جاتی ہو اور اپنی اولاد سے غفلت کرتی ہو اور اُنکی فاقہ کشی کو گوارا کرتی ہو تو وہ اس قابل نہین ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے اُسکے سپرد کیے جائین - کتاب الفائق مین لکھا ہے کہ اگر عورت چور یا زناکار ہو یا عام صحبت مین گاتی ناچتی ہو یا ماتم پرسے کا پیشہ کرتی ہو تو وہ کسی لڑکے کی حراست کی مستحق نہین ہے گانے بجانے والی اور ماتم پُرسا دینے والی عورتین ممالک ایشیا مین اِس وجہ سے بدنام ہوگئی ہین کہ فسق و فجور عموماً اُنکے پیشہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے -

جو فتوے فتاواے عالمگیری مین لکھے ہین اُنسے وہ عام اصول نکل آتا ہے جسکی پابندی ایسے مقدمات مین کرنی چاہیے - اسمین لکھا ہے کہ وہ بدوضعی جو ماں یا اور کسی رشتہ دار عورت کے حق الحضانت کو زائل کردیتی ہے وہ اُس قسم کی بدکرداری ہے جو لڑکے کے حق مین مضر ہو[1]

پس معلوم ہوا کہ بدوضع عورت حق الحضانت کا دعوے نہین کرسکتی - علی ہذا القیاس اگر حق الحضانت حاصل کرتے اور لڑکے کو اپنے زیر حراست کر لینے کے بعد کوئی عورت آوارہ ہو جائے تو اُسکی حضانت جاتی رہیگی اور باپ یا اور کوئی شخص جو اُسکا قائم مقام ہو اُس لڑکے کی نگرانی اختیار کریگا -

بمقدمہ عباسی بنام ڈن ہائی کورٹ الہ آباد نے اسی آخر الذکر اصول کے موافق فیصلہ کیا[2]

---

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۸ - ۱۲ منہ [2] انڈین لا رپورٹ جلد ۱ - سلسلہ الہ آباد صفحہ ۵۹ - ۱۲ منہ

یعنی یہ تجویز کیا کہ زن بازاری اپنے نابالغ بہن کی حراست شرعاً نہیں کرسکتی ہے — اسمین شک نہیں ہے کہ یہ فیصلہ شرع شریف کے موافق ہوا — مگر اس فیصلہ مین مدعیہ کے اس بیان پر کچھ توجہ نہین کی گئی کہ جن لوگون کے سپرد مجسٹریٹ نے اُسکی بہن کو کیا تھا وہ اُسکو عیسائی مذہب کے اعتقادات تعلیم کر رہے تھے — بجز اُس صورت کے جسمین مان غیر مسلمہ ہو مسلمان لڑکے کی حراست شرعاً کسی سے نہین متعلق ہوسکتی سوا ے مسلم یا مسلمہ کے — لہذا جو حکم مجسٹریٹ نے بمقدمہ عباسی بنام ڈنج صادر کیا تھا اور جسکے بموجب وہ لڑکی ایک عیسائی یتیم خانہ مین بھیجدی گئی تھی اور عیسائی مذہب مین پرورش پائی تھی وہ حکم خلاف شرع تھا اور ہائی کورٹ کو اُس سے کچھ تعرض کرنا چاہیئے تھا —

ارتداد بھی مانع حق الحضانت ہے — پس جو عورت یہ حق حاصل ہونے سے قبل یا بعد دین اسلام سے مرتد ہو جائے وہ مسلمان لڑکے کی نسبت حق الحضانت نہ عمل مین لاسکتی ہے نہ اُسکا دعوے کرسکتی ہے —

ایکٹ ۲۱ ۱۸۵۰ء سے شرع محمدی کے اصول حضانت مین کچھ تغیر نہین ہوا — بلکہ اُس ایکٹ کا اثر مسائل میراث پر محدود رہا — لہذا جو عورت مسلمہ عیسائی مذہب اختیار کرلے اُسکا حق وراثت تو اس ایکٹ کے رو سے نہ زائل ہو جائیگا مگر اپنے نابالغ رشتہ دارون کی حراست کا حق زائل ہو جائیگا — مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مرنے کے بعد دو بیٹیان چھوڑ جائے اور انمین سے ایک بیٹی نابالغ ہو تو اُسکی بڑی بہن درصورت نہونے دیگر اقربا اُناث کے اُسکی حراست کی مستحق ہوگی — لکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ بڑی بیٹی اپنے باپ کی وفات کے پیشتر مرتد ہوگئی تھی تو وہ اپنی بہن کی حق حضانت کا دعوے شرعاً نہ کرسکیگی گو اُسکا حق وراثت بموجب ایکٹ ۲۱ ۱۸۵۰ء باقی رہیگا —

نشاستہ ہونا مین عورت کا عفیفہ نہونا مانع ارث ہے — لکن اگر اُسکو کوئی جائداد ولشتا

لہ الکرخی — ۱۷ منہ

رل چکی ہو اور اُسکے بعد وہ غیر عفیفہ ہو جائے تو وہ جائداد اس سے نہ لی جائیگی - مگر شرع محمدی میں عدم عفت عورت کو مانع ارث نہیں ہے گو اخلاق عامہ کے لحاظ سے عدم عفت عورت کو مانع حق حضانت قرار دیگئی ہے -

۳ - حق الحضانت اُسوقت بھی زائل ہو جاتا ہے جب حاضنہ لڑکے کو بلا اجازت اُسکے باپ یا ولی شرعی کے اتنے فاصلے پر اُٹھا لیجائے کہ باپ یا ولی کو اُسکی نگرانی بقدر ضرورت کرنا محال ہو جائے - مثلاً جو عورت نوکری پیشہ ہو اُسکو اپنے مالک کے ساتھ جسکی وہ نوکر ہے ایک مقام سے دوسرے مقام پر جانا پڑتا ہے اور اپنے لڑکے کو ساتھ لیجانا پڑتا ہے پس اگر کوئی عورت چاہے کہ اپنی اولاد کو منتقل جائے سکونت سے کہیں اور اُٹھا لیجائے اور اُسکا شوہر قاضی یا حاکم سے استدعا کرے کہ میرے لڑکے بھیجوا دیئے جائیں کیونکہ انکی ماں انکو اور جگہ لیجانا چاہتی ہے تو قاضی پر فرض ہے کہ اس مقدمہ کے واقعات کی تحقیق کرے اور جب اُسکو اطمینان ہو جائے کہ نقل مکان چند روزہ ہے اور لڑکے کے حق میں مفید ہوگا تو اُسکو ماں کی حراست میں رہنے دے -

جبتک نکاح باقی رہے اُسوقت تک جہاں زن و شوہر سکونت دائمی رکھتے ہوں وہی مکان حضانت ہے - پس جس گھر میں زن و شوہر اکثر یکجا رہتے ہوں اُسی گھر میں لڑکے کی پرورش و پرداخت ہونی چاہیئے - اسی وجہ سے اگر باپ اُس شہر سے باہر جانا چاہے جہاں اُنکی بود و باش ہو تو اولاد کو ماں کی حراست سے نکالکر اپنے ہمراہ نہیں لیجا سکتا -

اگر شوہر و زوجہ میں تفرقہ پڑجائے تو ماں اس بات کی مستحق ہے کہ اپنی نابالغ اولاد کو لیکر اپنے وطن میں چلی جائے بشرطیکہ نکاح وہیں ہوا ہو گو اُسکا وطن اُسکے شوہر کی جائے سکونت سے کتنا ہی دور ہو - پھر فتاوائے عالمگیری لکھا ہے کہ[۳] اگر زوجہ کا نکاح اُسکے وطن میں نہ ہوا ہو

---

[۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۳۷ - جامع الشتات - فصول عمادیہ - ۱۲ منہ [۲] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۴۰ کتاب الانوار - ۱۲ منہ [۳] اذا وقعت الفرقة بین الرجل وامرأته فارادت ان تخرج بالولد عند انقضاء عدتها

تووہ ایسا نہین کرسکتی اِلّا اینکہ اُسکا وطن شوہر کے مسکن سے اسقدر قریب ہو کہ اگر وہ وہان سے صبح کو
اپنی اولاد کو دیکھنے کے لیے چلے تو قبل از شب اپنے مکان کو واپس آسکے ۔ نہ مان اولاد کو
اور کسی شہر مین کسی شرط سے لیجا سکتی ہے ۔

عبارت ذیل ہدایہ سے نقل کیجاتی ہے جس سے اس اصول کی توضیح بخوبی ہوگئی ہے ۔
"عورت کے اپنی اولاد کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لیجانے کو دو باتین شرعاً لازم ہین
ایک یہ کہ عورت اُس مقام کی باشندہ ہو جہان وہ جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ اُسکا نکاح
وہین ہوا ہو۔ ۔ ۔ دیگر یہ اُسی صورت مین ہوگا جبکہ ان دونون مقامات مین فاصلہ ہو
لکن اگر وہ مقامات ایسے قریب ہون کہ باپ صبح کو اپنی اولاد کو دیکھنے جائے اور قبل از شب
پھر آئے تو اسمین کچھ قباحت نہین ہے کہ زوجہ اولاد کو اپنے ساتھ لیجاکر قیام کرے ۔ اور
یہ ہمیشہ جائز ہے چاہے اُن مقامات کی وسعت اور درجہ کیسا ہی ہو یعنی شہر ہون خواہ دیہات"
ہدایہ ترجمہ انگریزی صفحہ ۱۳۹ ۔ پھر اُسکے بعد جو عبارت ہے وہ بھی لائق غور ہے "اور اسمین بھی کچھ قباحت
نہین ہے کہ مان اپنی اولاد کو لیکر گاؤن سے ضلع کے کسی شہر یا قصبہ مین چلی جائے کیونکہ اس سے
باپ کا کچھ نقصان نہین متصور ہے اور اولاد کا فائدہ ہے ۔ مگر اسکے بالعکس یعنی مان کا کسی شہر یا قصبے سے
اپنی اولاد کو کسی گاؤن مین لیجانا اولاد کے حق مین مضر ہوگا کیونکہ اولاد دیہاتیون کی کمینے عادات
اور رذیل خیالات سیکھ لیگی ۔ لہٰذا عورت شرعاً اسکی مجاز نہین ہے کہ اپنی اولاد کو شہر سے
گاؤن مین لیجائے اِلّا اینکہ وہ گاؤن اُسکا وطن ہو اور اُسکا نکاح وہین ہوا ہو"

فقہائے مالکیہ کے نزدیک چھ بریدؐ کا بُعد ایسا فاصلہ ہے کہ باپ کو اپنی اولاد کی نگرانی
کرنے سے مانع ہے باوجودیکہ مالکیہ اور حنفیہ نے ایسا سخت قاعدہ مقرر کیا ہے تاہم ہر ایک

الی مصرها فان کان النکاح وقع فی مصرها فلها ذلک وان کان وقع النکاح فی غیر مصرها فلیس
لها ذلک الا ان یکون بین موضع الفرقة و بین مصرها قرب بحیث لو خرج الاب لمطالعة الولد یمکنه
الرجوع الی منزله قبل اللیل ۔ ۱۲ ؐ ایک برید چار فرسخ کے برابر ہے اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے اور ایک میل ۴۰۰۰ گز کا ۔ ۱۲

مقدمہ کا فیصلہ اُسکے روداد کے موافق کیا جاتا ہے۔

اگر باپ نقل مکان کرے یا اُس مقام سے چلا جائے جہان حضینہ رہتی ہو اور حق الحضانۃ کو عمل مین لاتی ہو تو بعض حالات مین باپ کو اختیار ہوگا کہ لڑکے کو حضینہ کی حراست سے نکال لے یہ اختیار بھی لڑکے کے فوائد کے تابع کر دیا گیا ہے۔ اگر لڑکا ماں کی نگرانی کا محتاج نہو یا اگر اسمین شک ہو کہ جب اُسکی ماں اُسکے باپ کی نگرانی سے آزاد ہو جائیگی تو ویسی ہی شفقت اور خبر گیری لڑکے کی کریگی جیسی پہلے کرتی تھی تو قاضی کو اختیار ہے کہ باپ اگر لڑکے کو لیجانے کی استدعا کرے تو اُسکو منظور کر لے۔

الہ‌آباد کی عدالت نے جو ۱۱- فروری ۱۸۶۵ء کو ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے اُس سے خوب ظاہر ہے کہ مقدمات حضانت کا فیصلہ کس اصول کے موافق کرنا چاہیئے۔

یہ حق ابتداءً لڑکے کے فائدہ کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور چاہیئے کہ وہ اقربا اسکو عمل مین لائین جنکی نسبت ظن غالب ہو کہ لڑکے کی خبر گیری اور اُسپر شفقت سب سے زیادہ کرینگے۔ حق الحضانت ایک حق شخصی ہے جسکو فریقین ایک جوڈیشل یعنی عدالتی کاروائی کے ذریعہ سے نافذ کر سکتے ہین۔ دفعہ ۱- ایکٹ ۹ ۱۸۶۱ء مین لکھا ہے کہ وہ نابالغ کا کوئی عزیز یا ملی جو ایسے نابالغ کی حراست یا ولایت کا دعوی کرنا چاہے اصالتاً یا مختار رحجان کے ذریعہ سے ضلع کی سب سے بڑی ابتدائی عدالت دیوانی مین بذریعہ عرضی درخواست کر سکتا ہے "۔ اور دفعہ ۳- مین لکھا ہے کہ وہ اُس عدالت کو اختیار ہے کہ فریقین کے بیانات کو سنکر اور شہادت لیکر جیسا حکم مناسب سمجھے صادر کرے "۔

اِس ایکٹ کے بموجب وہ اختیارات جو شرع محمدی مین قاضی کو دیے گیے ہین ضلع کی سب سے بڑے ابتدائی عدالت دیوانی کو عطا کیے گیے ہین پس اُس عدالت پر فرض ہے کہ تمام مقدمات مین جو مسلمان لڑکون کی حضانت سے متعلق ہون احکام شرع متعلقہ حضانت جاری کرین۔

ایکٹ ۵ ؁۱۸۷۵ع مین لکھا ہے کہ عدالت دیوانی جس شخص کو نابالغ کی حراست کے لائق سمجھے اور وہ شخص راضی بھی ہو اُسکو اُسکا ولی مقرر کرسکتی ہے۔ مگر اس ایکٹ مین قانونی تعریف لفظ وولائت ،،، کی نہین لکھی ہے۔ پس اسمین کچھ شک نہین ہے کہ قابلیت ولایت کا تصفیہ شرع محمدی کے موافق کیا جائیگا۔ مگر چونکہ اس ایکٹ کی دفعہ ۲۷ مین لکھا ہے کہ نابالغ لڑکی کی ذات خاص کا ولی سوائے عورت کے کوئی مقرر کیا جائیگا،، لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنیون کے مذہب مین جو عصبات ذکور کو لڑکی کی حضانت کا حق حاصل ہے ایکٹ ۵ ؁۱۸۷۵ع کے احکام سے اُسمین تغیر عظیم واقع ہوگا۔

اولاد غیر حلال کی حراست خاص کر مان اور اُسکے رشتہ دارون سے متعلق ہے۔

اگر لڑکے کو اُسکے مان باپ نے چھوڑ دیا ہو تو اُسکی حراست اُس شخص سے متعلق ہوگی جسنے اُسکو کہین پالیا ہو یا سرکار سے متعلق ہوگی۔[1]

مان کو اختیار ہے کہ اپنی اولاد کو لیکر اپنے وطن مین چلی جاوے مگر اور کسی حضینہ کو شرعاً یہ اختیار نہین ہے فقط۔

ساتوان باب

نکاح کی حالت۔ اُسکی قابلیت۔ اُسکا طرز۔ اُسکے موانع شرعی

شرع محمدی مین نکاح ایک معاہدہ ہے۔ اُسکا جواز متناکحین کے ایجاب و قبول پر موقوف ہے۔ اُسکے جواز کو کسی رسم شرعی کا ادا کرنا لازم نہین ہے نہ گواہون کے موجود ہونے پر اُسکی حلت موقوف ہے۔ فی الواقع معاہدہ نکاح مثل دیگر معاہدات کے ہے اور نتیجہ کے اعتبار سے ایک معمولی قسم کی مشارکت کے مشابہ ہے۔ طرفین کے حقوق شخصی ایک دوسرے کے مقابل اور غیرون کے مقابل بھی بدستور قائم رہتے ہین اور طرفین کو فسخ نکاح کا اختیار ہے اگر حالات اسی کے مقتضی ہون۔

[1] سائیر صاحب کی کتاب موسومہ بہ دولت عثمانیہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۱ ۔ ۱۴۸ ۔ ۲ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۰۲ ۔ ۲ ۱۲ منہ

ویلی صاحب فرماتے ہین کہ دوسرا اور معاہدات کی طرح نکاح بھی ایجاب وقبول کا نام ہے مگر نکاح سے کوئی حق شوہر وزوجہ کو ایک دوسرے کی جائداد پر نہین حاصل ہوجاتا - اور زوجہ کی حیثیت شرعی شوہر کے ساتھ خلط نہین کردی گئی ہے بلکہ زوجہ کو ایسے اختیارات حاصل رہتے ہین گویا اُسکا نکاح ابتک نہین ہوا ہے یعنی جسطرح چاہے اپنے مال کو صرف کرے جو چاہے اُسکو کرے اور تمام معاہدات اُسکی نسبت کرسکتی ہے اور بلا اجازت شوہر دوسرے پر نالش کرسکتی ہے اور وہ اُسپر نالش کرسکتا ہے - بلکہ وہ اپنے شوہر پر بھی بلا وساطت کسی امین یا ولی کے نالش کرسکتی ہے اور شوہر کسی طرح سے اُسکا ولی شرعی نہین ہے۔

شرع کی اصطلاح مین اور عرف مین بھی اس معاہدہ کے باقاعدہ انجام دینے کو عقد کہتے ہین اور عقد سے وہی معنی پیدا ہوتے ہین جو رومیون کے قانون مین لفظ ‘‘ فرض ’’ سے پیدا ہوتے ہین - فی الواقع عقد تکمیل نکاح کا نام ہے جسکی ابتدا ایجاب سے ہوتی ہے اور خاتمہ قبول پر ہوتا ہے -

قابلیتِ نکاح

جواز نکاح شرعًا دو شرطون پر موقوف ہے - اوّلًا طرفین کی قابلیت ازدواج پر - ثانیًا اس بات پر کہ نکاح اُس طرز یا اُس صورت سے کیا جائے جو اُس مقام پر رائج ہو جہان نکاح ہوا ہے یا جو مسلمانون کے رسم ورواج کے موافق مشروع ومباح سمجھا جائے -

یہ ایک اصول مسلمہ قانونی ہے کہ طرفین کی قابلیت ازدواج ہر ایک کے وطن یا ملک کے قانون کے موافق قیاس کرنی چاہیئے - اگر مرد اور عورت خواہ ایک ہی ملک کے رہنے والے ہون خواہ مختلف ملکون کے باشندے ہون اپنے اپنے ملک کے قانون کے موافق ایک دوسرے سے نکاح کرسکتے ہون تو اُنکو قابلیت ازدواج بموجب اُس قاعدہ کے حاصل ہے جسکی تحقیق ہو رہی ہے خلاصہ یہ کہ اور معاہدات کی طرح نکاح مین قابلیت شخصی مناکحت کی مسکن دائمی کے قانون پر موقوف ہے[1]

[1] ڈائسی صاحب کی تقریر مسکن دائمی پر - ۱۲ منہ -

جس مسلمان نے انگلستان مین بود و باش اختیار کرلی ہو اُسکی قابلیت ازدواج قانونِ انگلستان کے
موافق قرار دیجائیگی - مگر جو مسلمان بلادالاسلام مین سکونت دائمی رکھتا ہو اُسکی قابلیت تزویج شرع
محمدی کے موافق سمجھی جائیگی - پس یہ تحقیق کرنا ضرور ہے کہ وہ شرائط ضروریہ کیا ہین جنسے آدمی
ایک مشروع و مباح نکاح کرنے کے قابل ہو جاتا ہے - قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ شرع شریف مین
نکاح شرعی کرنے کی قابلیت اُسی بنا پر مبنی ہے جس بنا پر اور معاہدات کرنے کی قابلیت موقوف ہے -
فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ[۱] منجملہ اُن شرائط کے جو جواز نکاح کو لازم ہین متناکحین کا
عاقل و بالغ اور آزاد ہونا ہے - صرف فرق اتنا ہے کہ درحالیکہ پہلی شرط یعنی عاقل ہونا جواز نکاح کی شرط
ضروری ہے کیونکہ مجنون یا بے عقل لڑکا نکاح نہین کرسکتا اور دو شرطین یعنی بلوغ شرعی اور آزادی
صرف نفاذ نکاح کے لیے لازم ہین کیونکہ نابالغ مگر عاقل لڑکا جو نکاح کرے اُسکا نفاذ اُسکے ولی کی
رضامندی پر موقوف ہے[۱] پس معلوم ہوا کہ بلوغ و رشد شرائط ضروریہ جواز نکاح کی ہین -
جو لڑکا شرعاً نابالغ ہو وہ کسی قسم کے تصرفاتِ شرعیہ نہین کرسکتا ہے لہذا نکاح کرنے کے
قابل بھی نہین ہے - مگر قانون انگلستان کی طرح شرع محمدی مین بھی صغیر و سر یعنی اُس
لڑکے مین جو نابالغ اور بے شعور ہو اور اُس لڑکے مین جو صرف نابالغ ہو فرق کیا گیا ہے -
جب صغیر یعنی ایسا لڑکا نکاح کرلے جو سن تمیز کو نہ پہونچا ہو یا عقل و شعور نہ رکھتا ہو
یا اپنے اس فعل کے نتائج کو نہ سمجھ سکتا ہو تو وہ نکاح کالعدم ہوگا -
شرع محمدی مین رشد یعنی سن تمیز کی کوئی خاص مدت نہین مقرر ہے - مگر قانون انگلستان کی
رو سے سات برس کا سن لڑکے کی بے شعوری اور اُسکی اس قابلیت مین کہ وہ اپنے افعال کے
نتائج قانونی کو سمجھ سکے فارق قرار دیا گیا ہے - اور تعزیرات ہند مین بھی سات برس لکھے ہین جسے

---

[۱] اما شروطه فمنها العقل والبلوغ والحرية فی العاقد الا ان الاول شرط الانعقاد فلا ینعقد
نکاح المجنون والصبی الذی لا یعقل والاخیرین شرطا النفاذ فان نکاح الصبی العاقل یتوقف نفاذه
علی اجازة ولیه - فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۷۷ - فتاواے قاضیخان صفحہ ۳۸۰ - ۱۲ منہ

لڑکا ارتکاب جرائم کا مواخذہ دار قرار دیا گیا ہے – پس یہ فرض کر لینا شاید خلاف عقل نہین ہے کہ شرع محمدی کے رو سے بھی یہی اصول مقدمات مین جاری کرنا چاہیے یعنی جب سات برس سے کم عمر کا لڑکا نکاح کرے لے تو وہ کالعدم سمجھا جائیگا[1] –

مگر جو نکاح سر برسے کر لیا ہوا اُسکا اور یہی حکم ہے – اُسکی نسبت فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ وہ ایسا نکاح شرعاً جائز ہے گو اُسکا جواز ولی کی اجازت پر موقوف ہے[2]،،

جو نکاح مجنون سے کر لیا ہو وہ باطل و ناجائز ہے الّا اینکہ اُس زمانہ مین کیا ہو جب اُسکے ہوش و حواس درست ہون –

لونڈی اور غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح نہین کر سکتے – اسی وجہ سے علماے اسلام نے حریت کو ایک شرط قابلیت ازدواج کی گردانا ہے –

حنفیہ اور شیعہ دونون کے نزدیک لڑکے اور لڑکی دونون کا بلوغ شرعی پندرھوان سال تمام ہونے پر فرض کر لیا جائیگا الّا اینکہ شہادت سے یہ ثابت کر دیا جائے کہ بلوغ اِس سے بیشتر ہو چکا تھا –

صدر کورٹ کلکتہ نے بمقدمہ شمس النسا بنام اشرف النساء وغیرہ یہ تجویز کیا تھا کہ جب لڑکی نے اپنے بلوغ کا خود اقرار کر لیا ہو اور اُسکی صورت سے کوئی بات ایسی نہ پائی جائے کہ جس سے خلاف گمان ہو تو اُسکے اقرار سے اُسکا بلوغ ثابت ہو جائیگا[3]

علاوہ بلوغ اور رشد کے قابلیت تزویج کو یہ بھی لازم ہے کہ طرفین کی مناکحت کا کوئی مانع شرعی نہو یا یہ کہیئے کہ وہ ایک دوسرے کے محارم شرعیہ مین سے نہون باہم ایسی قرابت نہ رکھتے ہون کہ اُنکی مناکحت شرعاً حرام ہو[4]

اسباب التحریم یعنی مناکحت کے موانع شرعی

شرع محمدی مین موانع نکاح دیگر شرایع اور قوانین کی بہ نسبت زیادہ ہین – مگر دراصل وہ موانع بھی

---

[1] تیب صاحب کی کتاب نکاح وطلاق صفحہ ۱۹۴ ملاحظہ ہو ۱۲ منہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۰۲ – فتاوا مین ایسے لڑکے کو بھی العاقل لکھا ہے – ۱۲ منہ [3] مولوی صاحب کی نظائر جلد ۱ صفحہ ۳۰ – ۱۲ منہ [4] فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۸۵ – ارشاد علامہ جامع الشتات ۱۲ منہ

اسی قسم کے ہین جیسے قانون انگلستان اور قانون فرانسیس ہین بعض اقربا سے شادی کرنا ممنوع ہے۔

اسباب تحریم یا موانع نکاح چار قسم کے ہین۔ ۱۔ سبب مطلق۔ ۲۔ سبب بالنسبۃ۔ ۳۔ سبب صحریم۔ ۴۔ سبب محکم۔

یہ اسباب اولاً تحلیل یا تحریم نسب سے پیدا ہوتے ہین۔ ثانیاً مصاہرت یعنی قرابت نسبتی سے۔ ثالثاً رضاع یعنی دودھ پلانے سے۔ رابعاً تکمیل عدد شرعی ازواج سے۔

کاسن ڈی پرسول صاحب نے اپنی تاریخ عرب صفحہ ۱۵۳ مین لکھا ہے کہ اگلے زمانہ مین عرب سوتیلی مان اور ساس کا نکاح سوتیلے بیٹے اور داماد کے ساتھ جائز جانتے تھے۔ قرآن مجید مین اس رسم قبیح کی ممانعت قطعی کردی ہے اور فرمایا ہے کہ۔ وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا یعنی نکاح کرو اُن عورتون سے جنسے تمھارے باپ نے نکاح کیا ہو مگر وہ بات جو زمانہ سابق مین ہوئی تھی تحقیق کہ وہ بیحیائی اور برائی اور بدکرداری تھی۔ (قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۲۶)۔ اسکے بعد محرمات شرعیہ کی تشریح کردی ہے حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ (سورۂ آل عمران آیت ۲۷)۔

ؔ یعنی حرام کی گئین تم پر تمھاری مائین اور تمھاری بیٹیان اور تمھاری بہنین اور تمھاری پھوپھیان اور تمھاری خالائین اور تمھاری بھتیجیان اور تمھاری بھانجیان اور تمھاری دودھ مائین اور تمھاری دودھ بہنین اور تمھاری ساسین اور تمھاری لے پالک لڑکیان جو تمھاری اُن بیبیون کی گود مین ہون جو تمھاری مدخولہ ہون پس اگر تمنے اُنکے دخول نہ کیا ہو تو تمکو قباحت تمھارے واسطے نہین ہے اور منکوحہ بیبیان تمھاری اُن بیٹون کی جو تمھارے صلب سے ہون اور یہ کہ تم دو بہنون سے ایکہی وقت مین نکاح کرو

تحریم النسب یعنی وہ موانع نکاح جو قرابت نسبی سے متعلق ہین سنّی اور شیعہ دونون کے متفق علیہ
ہین۔ نکاح اِن اشخاص سے کرنا حرام ہے۔ (۱) اجداد سے (۲) اولاد سے (۳) دوسرے
طبقہ کے رشتہ دارون سے جیسے بھائی بہنین اور انکی اولاد۔ (۴) چچا اور ماموان اور پھوپھی اور خالہ سے
حرامی اولاد اور اسکی اولاد سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔

شیعون کے نزدیک رضاعت بھی ایک ویسا ہی سبب اسباب تحریم نکاح مین سے ہے جیسا نسب ہے
مگر سنیون کے نزدیک رضاعت اِن صورتون مین مانع شرعی نکاح کا نہین ہے۔ (۱) لڑکے کا
باپ اُسکی انا کی مان کے ساتھ عقد کرسکتا ہے۔ (۲) اُسکی بہن کے ساتھ بھی کرسکتا ہے۔ (۳)
انا اُس لڑکے کے بھائی سے نکاح کرسکتی ہے جسکو اُسنے دودھ پلایا ہے۔ (۴) چچا اور پھوپھی کی انا سے
نکاح کرنا جائز ہے۔

شیعون کے نزدیک رضاعت سے قرابت اُسوقت پیدا ہوتی ہے جبکہ لڑکے نے انا کے دودھ سے
فی الواقع پرورش پائی ہو۔

مصاہرت یعنی قرابت نسبتی یا دامادی سے جو موانع نکاح پیدا ہوتے ہین اُنکے باب مین بھی شیعہ اور
سنّی مین کچھ اختلاف نہین ہے۔

شیعون کے مذہب مین وہ عورت جسکو اُسکے شوہر نے بعلت زنا لعان دیا ہو اور لعان باعث
اُسکی طلاق کا ہوا ہو کسی حال مین اُس سے دوبارا نکاح نہین کرسکتی۔ شافعیہ اور مالکیہ اس مسئلہ مین
شیعہ سے متفق ہین۔ مگر حنفیہ اُس عورت سے نکاح کرنا جائز جانتے ہین جسکو بذریعہ لعان طلاق دیا گیا ہو۔

مگر وہ بات جو سابق مین گذر چکی ہے تحقیق کہ خدا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور شوہر دار عورتین مگر جنپر پھیلے داہنے ہاتھ قابض
ہوں یعنی لونڈیان۔ ۱۲ منہ۔ سلہ شیعون کے نزدیک ضرور ہے کہ لڑکے نے کم سے کم پندرہ مرتبہ یا اقل مراتب ایک دن اور ایک
رات دودھ پیا ہو۔ مگر حنفیہ کے نزدیک ایک دفعہ کا دودھ پلانا بھی کافی ہے۔ اور شافعیہ کے نزدیک اقل مراتب چار مرتبہ
دودھ پلانا شرط ہے۔ ۱۲ منہ۔ سلہ بعض علماے شیعہ کا قول ہے کہ زوجہ کی بھانجی یا بھتیجی سے زوجہ کی اجازت سے
نکاح کرنا جائز ہے۔ مگر اکثر علماے شیعہ اور اہل سنت کے نزدیک ایسا نکاح ناجائز ہے۔ ۱۲ منہ۔ سلہ قاد ... ملگئی
صفحہ ۴۸ — ۵ — ۱۲ منہ

شیعہ اور مالکیہ اور شافعیہ اور حنبلیہ ان سب کے نزدیک اُس عورت سے نکاح کرنا حرام مطلق ہے جسکو اور شخص کا حمل موجود ہو — مگر ہدایہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ[له] اور اُنکے شاگرد امام ابو محمد کے نزدیک ایسا نکاح جائز ہے — ہندوستان کے حنفیون مین اسکا عمل درآمد مختلف ہے — مگر عموماً ایسے نکاح نہایت معیوب سمجھے جاتے ہین —

شافعیہ اور مالکیہ اور حنبلیہ کے نزدیک نکاح کرنا احرام کی حالت مین ممنوع ہے پس جب مرد و عورت دونون مین سے ایک بھی ان تینون فرقون مین سے کسی فرقہ سے ہو اور عالم حج مین نکاح کرلے تو وہ نکاح حرام ہوگا — مگر حنفیہ[له] کے نزدیک ایسا نکاح درست ہے — شیعہ کے نزدیک یہ ہے کہ احرام کی حالت مین نکاح کرنا بہر حال ناجائز ہے مگر وہ عورت ہمیشہ کے لیے اُس مرد پر حرام نہین ہو جاتی الّا اینکہ وہ مرد ایسے نکاح کے ناجائز ہونے سے واقف ہو

سب فرقون کے نزدیک ایک ہی زمانہ مین دو ایسی عورتون سے نکاح کرنا حرام ہے جو باہم ایسی قرابت رکھتی ہون کہ فرض کیجیے کہ اگر انمین سے ایک مرد ہوتا تو ان دونون مین نکاح شرعاً حرام ہوتی

شیعہ اور حنفیہ[له] کے نزدیک جب مرد اور عورت مین زنا واقع ہوا ہو تو وہ مرد اس عورت کی ماں یا بہن سے نکاح نہین کر سکتا —

جس شخص نے ان دو بڑے اسلامی فرقون (سُنّی اور شیعہ) کی شرع کو نظر تعمق سے دیکھا ہے اُس سے یہ بات مخفی نہین ہے کہ بیرونی لوگون یعنی غیر مسلمین کے ساتھ اُنکے برتاؤ مین کیا فرق رہا ہے — معلوم ہوتا ہے کہ جن قومون نے مذہب شیعہ قبول کرلیا اُنکو یورپ کی عیسائی قومون سے بہت سابقہ نہین پڑا مگر ایشیا کی قوم مجوس سے اُنکو ہمیشہ تعلق تام و دائمی رہا مگر برخلاف اسکے سنیون پر یورپ کی قومون کی تاثیر ہمیشہ کم و بیش ہوا کی — چونکہ شیعہ اور سُنّی کا

[له] ہدایہ مجموعہ — امام ابو یوسف نے ان دونون صاحبون سے اختلاف کرکے فرمایا ہے کہ ایسا نکاح ناجائز ہے — اور ہدایہ مین بھی لکھا ہے کہ ایسا نکاح اُس صورت مین باتفاق علما حرام ہے جبکہ جنین یعنی پیٹ کے لڑکے کا نسب معلوم یا ثابت ہو جائے ۱۲ منہ [له] ہدایہ کتاب ۴ باب ۳ جامع الشتات ۲ منہ [له] شافعیہ کو حنفیہ سے اس مسئلہ مین اختلاف ہے ۱۲ منہ

برتاؤ غیر مسلمین کے ساتھ بالکل جداگانہ رہا ہے لہٰذا ان دونوں فرقوں کے مذہب میں مسلم اور غیر مسلم کی مناکحت کے باب میں اختلاف عظیم ہے۔ سابق میں بیان کیا گیا کہ بعض مصالح ملکی سے مسلمین کو قرآن مجید میں منع کر دیا گیا ہے کہ کسی قسم کی موالفت و اتحاد مشرکین سے نہ رکھیں۔ چنانچہ کلام اللہ میں لکھا ہے کہ لا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن یعنی نہ شادی کرو مشرک عورتوں سے تاوقتیکہ وہ اسلام نہ قبول کر لیں۔ مگر قرآن مجید میں یہ بھی فرمایا ہے کہ والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب الی آخر قولہ تعالیٰ یعنی وہ عورتیں اہل کتاب کی یعنی یہود و نصاریٰ کی جو عفیفہ ہوں مسلمانوں پر حلال ہیں۔ ان آیات سے اور بعض اور آیات سے بھی فریقین کے علما نے کسی قدر مختلف نتائج کا استخراج کیا ہے۔ سنیوں کے نزدیک[1] مسلم کو یہودیہ یا نصرانیہ سے عقد کرنا جائز ہے۔ مگر ان کے نزدیک بھی مسلمان مرد کو زن مجوسیہ یا ہندو عورت کے ساتھ عقد کرنا حرام ہے۔ اس مسئلہ میں اخباری شیعوں اور معتزلے نے حنفیہ سے اتفاق کیا ہے۔ مگر اصولی[2] شیعوں کے نزدیک نکاح دائمی مسلم کا غیر مسلمہ کے ساتھ جائز نہیں ہے۔ گو انکے نزدیک بھی یہودیہ اور نصرانیہ اور مجوسیہ سے متعہ یعنی نکاح منقطع کرنا جائز ہے[3]۔ فریقین[4] کے نزدیک مسلم کو بت پرست یا ستارہ پرست یا کسی قسم کی صنم پرست عورت سے عقد کرنا جائز نہیں ہے۔

یہ موانع نکاح فی نفسہ اور باعتبار نتیجہ کے اضافی ہیں۔ یعنی نکاح کو بالکل کالعدم نہیں کر دیتے ہیں مثلاً اگر کوئی مسلم کسی ہندو عورت سے ایسے مقام پر نکاح کرلے جہاں احکام شرع جاری ہوں تو ایسا نکاح صرف شرعاً ناجائز ہوگا مگر اولاد کی حلت نسب میں[5] فرق نہ آئیگا۔

---

[1] ہدایہ صفحہ ۸۵۔ فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۹۰۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک مسلم صابیہ یعنی ستارہ پرست عورت کے ساتھ عقد کرسکتا ہے۔ مگر امام ابو یوسف اور امام محمد اور دیگر علماے اہل سنت کے نزدیک ایسا عقد کرنا ناجائز ہے۔ البتہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ مسلمہ کسی حال میں غیر مسلم سے عقد نہیں کرسکتی ۱۲ منہ [2] مفاتیح۔ شرائع الاسلام صفحہ ۲۷۴۔ [3] شیعوں کے نزدیک مجوس کا دین بھی ایک دین الہامی ہے۔ [4] دہلی کے سلاطین مغلیہ نے اکثر عورات ہنود سے شادی کرلی جو شادی کے بعد بھی اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ اُنسے جو اولاد ہوئی وہ حلالی سمجھی جاتی تھی اور بعد ازاں وہی مسلم بادشاہ کیجاتی تھی [5] فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۹۳ جو مسلمان انگلستان میں بودوباش اختیار کرلے وہ بت پرست عورت سے بھی عقد کرسکتا ہے

طرز یا صورت نکاح

کتب فقہ مین اور چند شرائط نکاح بھی لکھے ہین لکن اگر غور کیجیے تو یہ سب شرائط تکلفات[1] ظاہری معلوم ہوتے ہین ۔ مثلاً یہ ضرور ہے کہ (۱) متناکحین ایک دوسرے کے کلام کو سنین یعنی[2] شرائط نکاح کو طرفین سمجھ جائین ۔ (۲) اگر بالغ و عاقل ہون تو واقعی رضامندی نکاح سے ظاہر کرین (۳) شوہر اور زوجہ کی تصریح بخوبی کردیجائے تاکہ اُنکی شناخت مین کچھ شک[3] نہ واقع ہو ۔ ان شرائط ظاہری کے باب مین سُنّی اور شیعہ مین اتفاق ہے ۔ مگر سنیون کے نزدیک ایجاب و قبول ایک ہی جلسہ مین ہونا چاہیئے اور ایجاب و قبول مین اختلاف نہونا چاہیئے ۔ شیعون[4] کے نزدیک ایجاب و قبول مین توافق لفظی ہونا کچھ ضرور نہین ہے ۔

سنیون کے مذہب مین تصدیق نکاح کے لیے گواہون کا ہونا بھی ضرور ہے ۔ مگر شیعون کے نزدیک حضوری گواہون کی کسی اَمر متعلقہ نکاح مین ضرور نہین ہے ۔ پس اگر مرد اور عورت خود یا اُنکے اولیا رشرعی پوشیدہ طور سے نکاح پڑھ لین تو شرعاً جائز ہے ۔ بلکہ اگر پوشیدہ نکاح پڑھنے کا حکم ہو تو بھی نکاح نہ باطل[5] ہوگا ۔

کوئی خاص رسم شادی رچانے کا شرعاً معین نہین ہے ۔ اور چونکہ فریقین کے نزدیک نکاح عبادات مین داخل نہین ہے بلکہ معاملات مین داخل ہے لہذا جواز نکاح کسی قسم کے رسوم مذہبی بجالانے پر بھی موقوف نہین ہے ۔

مختص المقام صورتین نکاح کی

ہندوستان مین اور دیگر ممالک اسلامیہ مین بھی بہت سے رسوم مختص المقام نکاح کے ساتھ شریک کیے گئے ہین ۔ مگر نکاح کا جواز یا عدم جواز اُن رسوم کے فعل یا ترک پر کسی طرح موقوف نہین ہے

---

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۷۷ و ۳۸۱ ۔ شرایع الاسلام صفحہ ۲۶۳ ۔ ۱۲ منہ [2] جامع الشتات مفاتیح ۔ شرایع الاسلام صفحہ ۲۶۲ ۔ ۱۲ منہ [3] شرایع الاسلام صفحہ ۲۶۲ ۔ [4] ماچین سرکار کے لکچر شرع محمدی پنجم جلد صفحہ ۳۳۸ ۔ ۱۲ منہ

جو اور قوموں کے قرب و اتصال کی وجہ سے اہل اسلام کے رسوم و عادات میں شامل ہوگئے ہیں

جب دو شخص کہ شرعاً مناکحت کی قابلیت رکھتے ہوں باہم نکاح کرلیں تو وہ نکاح شرعاً جائز اور واجب العمل ہوگا بشرطیکہ طرفین کی رضامندی سے دو گواہوں کے سامنے ہوا ہو۔

شیعوں کے نزدیک حضوری شاہدین بھی نکاح میں شرط نہیں ہے۔

شرایع الاسلام میں لکھا ہے کہ ؏ جب کوئی مرد کہدے کہ میں فلاں عورت کا شوہر ہوں اور وہ عورت کہدے کہ ہاں یہ سچ کہتا ہے یا جب کوئی عورت کہدے کہ فلاں مرد کی زوجہ ہوں اور وہ مرد کہدے کہ ہاں یہ میری زوجہ ہے تو یہ تجویز کیا جائیگا کہ ظاہراً ان دونوں کا نکاح باہم ہوگیا ہے ؏

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں جواز نکاح کسی خاص رسم مذہبی یا غیر مذہبی کے ادا کرنے پر شرعاً موقوف نہیں ہے بلکہ اگر طرفین خود آپسمیں اپنا نکاح پڑھ لیں تو وہ بھی شرعاً جائز اور واجب العمل ہوگا۔

مگر چونکہ ہندوستان میں کچھ رسوم بھی ادا کیے جاتے ہیں لہذا اس ملک میں دو مختلف صورتیں نکاح کی عموماً پائی جاتی ہیں یعنی نکاح عرفی جسکو عرفاً شادی بیاہ کہتے ہیں۔ اور نکاح شرعی جسمیں صرف احکام شرعی کی پابندی کیجاتی ہے۔ نکاح عرفی شیعہ اور سنی دونوں میں پُر تکلف رسوم کے ساتھ اُسی طرح کیا جاتا ہے جسطرح ترکی یعنی دولت عثمانیہ میں ہوتا ہے۔ ترکوں میں جن رسوم کے ساتھ نکاح ہوتا ہے انکو ڈی اوہسن صاحب مورخ فرانسیسی نے خوب پوست کندہ بیان کیا ہے۔ نکاح شرعی میں کسی رسم کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس قسم کے نکاح میں فقط شرع کی پابندی کیجاتی ہے۔ چونکہ لفظ عرفی اور لفظ شرعی اکثر اُن مقدمات میں پیش آتا ہے جنمیں کسی لڑکے کا حلالی ہونا یا اُسکی ماں کے نکاح کا وقوع و عدم وقوع مورد نزاع ہوتا ہے لہذا ان دونوں قسموں کے نکاح میں فرق بیان رکھنا ضروری ہے۔ مگر یہ بھی یاد رکھنا لازم ہے کہ جہانتک نکاح کے نتائج شرعی متعلق ہیں وہانتک نکاح کی پابندی بدرجہ مساوی واجب ہے خواہ بصورت عرفی ہوا ہو خواہ بصورت شرعی۔

ؔ جامع الشتات میں مسائل نکاح ملاحظہ ہوں ۔ ۱۲ منہ ۔

البتہ عرفی نکاح مین جب اعلان کے ساتھ رسوم ادا کیے جاتے ہین اُس سے یہ ظن غالب پیدا ہوتا ہے
کہ جب کبھی وقوع نکاح پر کوئی تنازع ہوگا تو لائق اطمینان شہادت اُسکی نسبت بہم پہونچ جائیگی
مگر نکاح شرعی مین چونکہ صرف احکام شرع کی تعمیل کیجاتی ہے اور اعلان بہت کم ہوتا ہے لہذا
جب ایسے مقدمات مین لائق اعتبار شہادت پیش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اُسکا پیش کرنا ایسا
آسان نہین ہوتا جیسا نکاح عرفی مین ہوتا ہے الا اینکہ اُس نکاح کی رجسٹری[1] ہوگئی ہو۔

پہلا نکاح غربا مین بھی بصورت عرفی ہوتا ہے۔

ہندوستان کے سنی اور شیعہ کے رسوم نکاح مین کچھ ایسا فرق نہین ہے۔ سب شادیون کی ابتدا
منگنی سے ہوتی ہے جو کئی سال یا کئی مہینہ یا کئی ہفتہ رہتی ہے۔ اور نکاح نابالغون مین بھی اور بالغون
مین بھی باہم کر دیا جاتا ہے۔

عموماً نکاح دولھن کے باپ یا ولی کے گھر مین بموجودگی وکلا طرفین (اگر کوئی ہو) اور مہمانون کے
ہوتا ہے اور بعض مہمانون کی گواہی نکاح نامہ پر لکھدی جاتی ہے۔ اِس دستاویز مین وہ تمام شرائط
جنکی پابندی کا اقرار ناکح نے کیا ہے اور تعداد مہر اور اُسکی ادائی کی صورت اور امور متعلقہ حراست
اولاد اور اور ایسے ہی امور درج کیے جاتے ہین۔ اور اُسپر دولھا اور دولھن کے اولیا رشرعی اور
وکلا (اگر کوئی ہو) کی شہادت لکھی جاتی ہے۔ معزز خاندانون مین بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ایسی ایک
دستاویز جسمین شرائط نکاح درج ہون نہ تحریر کرا لیجائے علی الخصوص پہلی شادی مین اور جب طرفین
کفو یا ہم حیثیم ہون تو ضرور نکاح نامہ لکھوا لیا جاتا ہے۔ اُسکو کابین نامہ بھی کہتے ہین۔

[1] بعض اضلاع بنگالہ مین جو ایکٹ ازدواج اہل اسلام جاری ہے اُسکے بموجب طرفین یا اُنکے ولیون کو نکاح کی رجسٹری
کرانے نہ کرانے کا اختیار ہے۔ جب یہ بل قانون ہونے کو تھا اُسوقت اِس کتاب کے مولف نے حکام کونسل سے باصرار
عرض کیا تھا کہ نکاح کی رجسٹری کرانے کو جبری کر دینا مناسب ہے مگر اور صاحبون کی راے غالب آئی۔ اُسوقت سے یہ
تسلیم کر لیا گیا ہے کہ رجسٹری نکاح کرانے یا نہ کرانے کا اختیار طرفین کو دیدینے سے انتظام عدالت مین بڑی بڑی دقتین
واقع ہوتی ہین۔ صوبہ الجیرس مین نکاح کو رجسٹری کرانا جبری ہے۔ ۱۲ منہ ۔ مگر یہ یاد رہے کہ نکاح عرفی تدریجاً موقوف
ہوتا جاتا ہے کیونکہ اُسمین فضول خرچی اور اسراف بہت ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

سنی اور شیعہ کے رسوم نکاح میں عملاً کچھ فرق نہیں ہے جیسا سابق میں بیان کیا گیا۔ مگر عقائداً ان دونوں فرقوں کے رسوم ازدواج میں فرق ہے جسکا لحاظ صورت نکاح کا تصفیہ کرنے میں ضرور رکھنا چاہیئے سنیوں کے نزدیک نکاح پڑھنے کے پیشتر خطبہ پڑھنا اور اسکے بعد سورۃ الفاتحہ پڑھنا صرف مستحب ہے مگر شیعوں کے نزدیک یہ دونوں باتیں واجب ہیں۔ اور انکے نزدیک یہ بھی ہے کہ ابتدا اور انتہا دونوں میں دعا پڑھنی چاہیئے اور جو شخص نکاح میں قاضی یا مجتہد کا کام کرتا ہے وہ صیغہ[1] نکاح پڑھنے کے بعد خطبہ اور سورۃ الفاتحہ پڑھتا ہے تاکہ خداوند عالم اس مواصلت میں برکت عنایت فرمائے۔

ہدایہ میں لکھا ہے کہ "وہ نکاح بذریعہ ایجاب و قبول ہوتا ہے اور یہ دونوں بصیغۂ ماضی بیان کیے جاتے ہیں" مگر شیعوں کے نزدیک کچھ ضرور نہیں ہے کہ طرفین بصیغۂ ماضی صیغہ نکاح پڑھیں بلکہ جبتک قبول نتیجہ ضروری ایجاب کا ہو اور ناکحہ کے اذن یا رضامندی کا اظہار کافی طور سے کرے اسوقت تک وہ شرعاً صحیح[2] و جائز ہے۔

شرع کی اصطلاح[3] میں ایجاب سے یہ مراد ہے کہ متناکحین میں سے ایک کہے کہ میں نکاح کرتا ہوں

---

[1] سنی اور شیعہ دونوں میں صیغہ نکاح پڑھا جاتا ہے۔ صیغہ اقرار زبانی معاہدہ نکاح کا نام ہے اور ایجاب و قبول کے بعد چند مقدس و متبرک کلمات میں پڑھا جاتا ہے تاکہ نکاح کامل ہو جائے اور قابل تنسیخ نہ باقی رہے۔ ۱۲ منہ [2] شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۲ - جامع الشتات ۱۲ - منہ [3] شیعوں میں نکاح کی ترکیب یہ ہے کہ پہلے مقدار مہر باہم طے کر لیجاتی ہے اسکے بعد عورت کا وکیل گھر کے اندر جا کر عورت سے پوچھتا ہے کہ فلاں شخص کے ساتھ تمہارا عقد اتنے مہر پر کیا جاتا ہے تم راضی ہو۔ جب وہ اقرار کر لیتی ہے تو مرد سے اسکا وکیل پوچھتا ہے کہ فلاں عورت کے ساتھ تمہارا عقد اتنے مہر پر کیا جاتا ہے تم نے قبول کیا۔ جب وہ قبول کر لیتا ہے تو مرد کا وکیل یہ خطبہ پڑھتا ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا و صهرا و كان ربك قديرا ۔ و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ الطاہرین ۔ و بعد فقد قال اللہ تبارک و تعالی و انکحوا الایامی منکم و الصالحین من عبادکم و امائکم ان یکونوا فقراء یغنهم اللہ من فضلہ واللہ واسع علیم ۔ و قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم النکاح سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی و قال صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تناکحوا

اور قبول سے یہ مراد ہے کہ دوسرا کہے کہ میں نے نکاح کو قبول کیا۔

سنیوں کے نزدیک عقد لفظ نکاح یا تزویج (انکحتُ، زوّجتُ) کے استعمال سے ہوسکتا ہے کہ ان الفاظ کے معنے صریح و واضح ہیں۔ یا لفظ ہبہ (وہبتُ) یا تملیک (ملّکتُ)، یا بیع (بعتُ) کے استعمال سے بھی ہوسکتا ہے کہ یہ الفاظ ضمناً تزویج پر دلالت کرتی ہے۔

مگر شیعوں کے نزدیک یہ ہے کہ نکاح صحیح تبھی ہوتا ہے کہ جب لفظ نکاح یا تزویج استعمال کیا جائے (کہ یہ الفاظ ہی نکاح پر دلالت کرتے ہیں) اور انکے نزدیک جو نکاح اور الفاظ سے پڑھا جائے وہ باطل ہے۔ مگر جب نکاح ایسے الفاظ سے پڑھ گیا ہو جو شیعوں کے مذہب میں جائز نہیں ہے مگر

تناسلوا تکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیامۃ ولو بالسقط۔ اسکے بعد تین صیغے پڑھے جاتے ہیں تین صیغے ایجاب کے عورت کا وکیل پڑھتا ہے اور تین صیغے قبول کے اسکے جواب میں مرد کا وکیل پڑھتا ہے۔ (عورت کا وکیل) انکحتُ موکّلتی موکّلک علی المھر المعلوم (مرد کا وکیل) قبلتُ النکاح علی المھر المعلوم (عورت کا وکیل) انکحتُ و زوّجتُ موکّلتی موکّلک علی الصداق المعلوم (مرد کا وکیل) قبلتُ النکاح والتزویج علی الصداق المعلوم (عورت کا وکیل) انکحتُ موکّلتی موکّلک علی المھر المعیّن المعلوم (مرد کا وکیل) قبلتُ النکاح علی المھر المعیّن المعلوم۔ پس تیسرے صیغہ کے جواب پر نکاح کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اہل سنت میں نکاح کے خطبے متعدد ہیں لیکن حنفیوں میں یہ خطبہ متعارف ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ المحمود بنعمتہ المعبود بقدرتہ المطاع بسلطانہ المرھوب من عذابہ وسطوتہ النافذ امرہ فی سمائہ وارضہ الذی خلق الخلق بقدرتہ وامرھم باحکامہ واعزھم بدینہ واکرمھم بنبیہ محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وازواجہ واصحابہ وسلم ان اللہ تبارک اسمہ وتعالت عظمتہ جعل المصاھرۃ سببا لاحقا وامرا مفترضا اوشج بہ الارحام والزم الانام فقال عز من قائل وھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصھرا وکان ربک قدیرا فامر اللہ تعالی یجری الی قضائہ وقضاؤہ یجری الی قدرہ فلکل قضاء قدر ولکل قدر اجل ولکل اجل کتاب یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب۔ اسکے بعد ایجاب و قبول طرفین سے باواز بلند کرایا جاتا ہے اگر عربی زبان سمجھتے ہوں تو عربی میں ایجاب و قبول کرنا مستحب ہے ورنہ ایک بار عربی زبان میں اور دوبار طرفین کی زبان میں اور انکے وکلاء ایجاب و قبول کرتے ہیں بعد اسکے ناکح کی طرف متوجہ ہوکر کہا جاتا ہے بارک اللہ لک وبارک اللہ علیک وجمع بینکما فی الخیر سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین۔ اسکے بعد

اوسکی تکمیل یعنی نفاذ ہوگیا ہو تو ایسے نکاح سے تمام اوصاف اور تکالیف نکاح شروع کے شرعاً متعلق کیے جاوینگے[۱]۔

سنی اور شیعہ دونوں کا اتفاق اس مسئلہ میں ہے کہ لفظ اجارہ یا لفظ عاریت[۲] استعمال کرنے سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ نکاح المتعہ[۳] (اہل سنت کے نزدیک) قطعاً باطل اور حرام ہے۔

سنیوں[۴] کے مذہب میں ایجاب کو قبول پر مقدم ہونا چاہیئے تاکہ متناکحین کا ارادہ بخوبی ظاہر ہوجاوے۔ مگر شیعوں[۵] کے نزدیک یہ ضرور نہیں ہے کہ ایجاب قبول پر مقدم رکھا جاوے نکاح زبان سے پڑھا جاتا ہے۔ لیکن اگر مرد یا عورت گونگی[۶] ہو تو ایسے اشارات سے بھی نکاح ہوسکتا ہے جنسے دونوں کا منشا خوب سمجھ میں آجاوے۔

سب فرقوں[۷] کے نزدیک دولہا دولھن کو قبل وقوع عقد دیکھ سکتا ہے۔ مگر مشرقی رسوم اکثر اس حق کو عمل میں لانے سے مانع ہوتے ہیں اور دولہا دولھن کو عموماً پہلے پہل اُسوقت دیکھتا ہے جب اُسکو شادی کے حجرے میں لیجاتا ہے۔ اُن عیوب کو دفع کرنے کے لیے جو اُن قیود سے خواہ مخواہ پیدا ہوتے ہیں جو مشرقی رسوم و دستورات کے موافق مرد اور عورت کے باہمی ملاقات و راہ و رسم پر لگا دیے گئے ہیں مشاطوں کا دستور نکالا گیا ہے جو شادی کروادیتی ہیں اور دولہا دولھن کے خاندانوں میں قبل شادی کے موافقت پیدا کرتی ہیں۔ مشاطہ کا یہ کام ہے کہ دونوں خاندان کے لوگوں میں ملاقات کراکے شادی کے شرائط اور جہیز وغیرہ طے کرادیتی ہے اور طرفین کے معاش اور تمول دریافت کرلیتی ہے اور عموماً کارندہ گری اُن لوگوں کی کرتی ہے جنکو اُس شادی سے کچھ تعلق ہوتا ہے۔

صفحہ ۳۶ — النکاح ینعقد بلفظ النکاح والتزویج کان علی وجہ الخبر عن الماضی بعنوان تقول المرءة زوجت نفسی منک بکذا بمحضر من الشہود فیقول الرجل قبلت — ۱۲ منہ [۱] شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۲ مفاتیح ۱۲ منہ [۲] زمانہ جاہلیت میں یعنی قبل شیوع اسلام ایسا نکاح جائز سمجھا جاتا تھا مگر شرع شریف میں حرام کردیا گیا رومیوں میں بھی نکاح العاریت کا رواج تھا۔ ۱۲ منہ [۳] فتاوی عالمگیری صفحہ ۳۰۹ — ۱۲ [۴] جامع الشتات شرائع الاسلام صفحہ ۴۲ — ۱۲ منہ [۵] جامع الشتات — ۱۲ منہ [۶] درالمختار صفحہ ۱۹۷ — حزن صاحب کی کتاب بنسوان العرب صفحہ ۵۲۵ — ۱۲

رضامندی

کوئی معاہدہ کامل نہین ہوسکتا تا وقتیکہ طرفین اسکی حقیقت کو سمجھکر اپنی رضامندی نہ ظاہر کرین - پس معاہدہ نکاح سے بھی رضامندی طرفین سمجھی جاتی ہے - اور جب طرفین ایک دوسرے کو دیکھ سکین اور برضا و رغبت خود نکاح کا اقرار کرلین اور ایسا اقرار کرنے کے قابل بھی شرعاً ہون تو ایسے نکاح کے جواز مین کچھ شک و شبہ نہین ہوسکتا - مگر چونکہ مشرقی عورتین عموماً پردہ مین رہتی ہین اور اپنی شادی کے امور مین اپنی خاص مرضی کو عمل مین لانے مین بڑی بڑی دقتین انکو پیش آتی ہین لہذا شرع محمدی مین وہ اصول تفصیلاً لکھدیے گئے ہین جنسے عورتین نہ صرف اپنے اولیاء کی حرص و طمع سے اپنے تئین بچا سکتی ہین بلکہ کچھ اختیار اپنے شوہرون کو پسند کرلینے کا بھی رکھتے ہین -

مثلاً جب مرد بالغ باذن بالغہ کی طرف سے نکاح پڑھا جاوے تو ایسے نکاح کے جواز کے لیے ضرور ہے کہ وہ شخص اپنی رضامندی ظاہر ہے - یا یون کہیے کہ جو نکاح بغیر اجازت یا بلا رضامندی ناکح یا منکوحہ کیا گیا ہو وہ باطل ہے چاہے کسی شخص نے وہ نکاح کردیا ہو -

حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک بالغ و رشیدہ اور صحیح العقل عورت اپنا نکاح کرلینے کی قابلیت مطلقاً رکھتی ہے - شیعون کے احکام اس باب مین بہت صریح و واضح ہین - انکے یہان یہ حکم ہے کہ بالغہ و رشیدہ کے نکاح مین کسی ولی کی ضرورت نہین ہے - ہدایہ مین بھی یہی قول لکھا ہے کہ بالغ اور صحیح العقل عورت کا نکاح خود اسکی رضامندی سے ہوسکتا ہے گو اسکے اولیا نے اسکا نکاح نہ کردیا ہو یا نہ منظور کیا ہو اور خواہ وہ عورت باکرہ ہو خواہ ثیبہ [۱] -

شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک بھی باکرہ رشیدہ کی رضامندی اسکے جواز نکاح کو لازم ہے بلکہ الزام ہے کہ جسطرح حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک ہے مگر وہ اپنا نکاح بلا وساطت ولی نہین کرسکتی -

---

[۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۰۵ فتاوائے قاضیخان صفحہ ۱۰۸ شرایع الاسلام صفحہ ۲۶۲ - ۲۶۳ - ۱۲ منہ

[۲] ہدایہ کا ترجمہ انگریزی صفحہ ۹۵ - ۱۲ منہ

شافعیہ کے نزدیک عورت خود اپنے نکاح کی اجازت نہین دے سکتی۔ بلکہ اُسکے ولی شرعی کا ہونا جواز نکاح کو لازم ہے۔ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک ولی کی وساطت اِسلیے درکار ہے کہ یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ عورت نکاح کی حقیقت سمجھنے کے قابل نہین ہے یعنی شرائط نکاح اور دیگر امور متعلقہ تزویج نہین سمجھ سکتی مبادا کوئی بے ایمان آدمی اُسکو فریب دیکر خراب کرے یا وہ ایسے شخص سے نکاح کرلے جو اخلاق یا خاندان کے لحاظ سے اُسکا شوہر ہونے کے قابل نہو۔

چونکہ شرع مین ولی سے اہم اور مختلف فرائض متعلق کیئے گئے ہین لہذا علماے اہل سنت نے خاص اِس مسئلہ کی تحقیق کی ہے کہ حق ولایت کس ترتیب سے اُن اشخاص کو حاصل ہے جو اِس حق کے مستحق ہین۔

ترتیب ولایت کے باب مین اہل سنت کے فرقے متفق نہین ہین۔ حنفیہ کے نزدیک حق ولایت سب سے پہلے عصبات کو بترتیب وراثت حاصل ہے بعد اُسکے ماں اور بہن اور اقربا مادری کو اور سب کے بعد قاضی کو۔

شافعیہ کے نزد ترتیب ولایت یہ ہے۔ باپ۔ دادا۔ بیٹا۔ (پہلے شوہر سے)۔ برادر عینی۔ برادر علاتی۔ بھتیجا۔ چچا۔ چچازاد بھائی۔ معتق۔ اور سب کے بعد قاضی۔ پس اُنکے نزدیک اقربا مادری بالکل ولایت سے خارج ہین۔

مالکیہ نے اِس بات مین شافعیہ سے اتفاق کیا ہے کہ خدمت ولایت مردون کے سپرد کی ہے مگر ترتیب ولایت کسیقدر مختلف اُنھون نے اختیار کی ہے۔ یعنی اُنھون نے پہلا درجہ اُس عورت کے بیٹون کو (جو پہلے شوہر سے ہون) بخشا ہے اور دوسرا درجہ اُسکے باپ کو

سلہ بمبئی کے بوہرے اور میمن اکثر شافعی ہین اور خوجے جو آغا خان کے مرید ہین اسمعیلیہ ہین اور اُنکے رسوم علحدہ ہین جو شرع محمدی کے احکام سے اختلاف عظیم رکھتے ہین اور ہندو کی قانون اور رسوم سے مشابہ ہین۔ ہائی کورٹ بمبئی کے فیصلجات بمقدمہ دشیری حسن بنام دتوماجی خوجہ اور ہیرابائی بنام گوربائی لا رپورٹ جلد ۱۲ سلسلہ بمبئی صفحہ ۲۸۱ و ۲۹۴ - ۱۲ منہ۔

بعد اسکے برادر عینی اور بھتیجے اور دادا اور چچا اور چچا زاد بھائی اور عاتق کو علی الترتیب اور ان سب کے بعد قاضی کو
شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک چونکہ ولی کا ہونا ہمیشہ صحت نکاح کے لیے ضرور ہے لہذا اس
مسئلہ میں دو قول پیدا ہو گئے ہیں - ایک قول یہ ہے کہ ولی کو بالکل شرع سے اختیارات حاصل
ہوئے ہیں لہذا نہ صرف ولی کا نکاح میں موجود ہونا ضرور ہے بلکہ اجازت نکاح میں بھی اسکا شریک
ہونا واجب ہے - پس اس قول کے موافق جو نکاح ولی بعید کے ذریعہ سے ہوا ہو درحالیکہ اس سے
قریب کوئی ولی موجود ہو وہ صرف ناجائز ہی نہیں ہے بلکہ ولی قریب بعد وقوع نکاح اجازت دیکر
اس نکاح کو جائز نہیں کر سکتا جو پیشتر بغیر اسکی رضامندی کے کر لیا گیا ہو -

مگر یہ سخت مسئلہ کسی گروہ میں جو شافعی یا مالکی طریق رکھتا ہے جاری نہیں ہے

دوسرا قول پہلے قول کی نقیض ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شیخ زیاد نے اس قول کو امام
مالک کا قول کہدیا تھا -

اس قول کے موافق یہ ہے کہ حق ولایت تو بیشک شرع نے ولی کو بخشا ہے مگر وہ حق اس
اختیار کے بموجب عمل میں لایا جاتا ہے جو عورت نے ولی کو عطا کیا ہے اسواسطیکہ جب عورت
اپنے باپ کے اختیار سے نکل گئی ہو تو پھر وہ اپنے افعال کی خود مالک اور مواخذہ دار ہے پس
امور تزویج میں صرف اس سے مشورہ ہی نہ لینا چاہیئے بلکہ اسکو اختیار ہے کہ جس شخص کو چاہے
اپنا ولی اور اپنے حقوق شرعیہ کا حافظ مقرر کرے - اگر وہ ولی قریب کو اپنا دشمن یا بدخواہ سمجھتی
ہے تو کسی عزیز بعید کو ولی مقرر کر سکتی ہے کہ اسکے نکاح میں اسکی طرف سے کارروائی کرے -

اس قول کے موافق ولی اس عورت کے وکیل کے طور پر کام کرتا ہے اور سب اختیارات ولایت
اسی سے حاصل کرتا ہے اور اسی کے فائدہ کے لیے کام کرتا ہے[1] -

---

[1] محمد عاصم کی کتاب النکاح - کتاب الانوار - ہدایہ کتاب ۲ - باب ۳ - میں لکھا ہے کہ امام مالک اور امام شافعی کا
قول ہے کہ عورت کسی حال میں اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی نہ باجازت ولی نہ بلا اجازت ولی نہ وہ اپنی بیٹی یا لونڈی یا غلام کا
نکاح کر سکتی ہے البتہ کسی کی وکیل نکاح بن سکتی ہے - ۱۲ منہ

یہ قول الکرخی اور ابن القاسم اور ابن سلیمان نے اختیار کر لیا ہے اور صدر الجرح کے فیصلون
چند متواتر فیصلون مین اسکی تائید لکھی ہے۔

جب وہ ولی جسکو بترجیح دیگر اشخاص حق ولایت حاصل ہو غیر حاضر ہو اور یہ نہ معلوم ہو کہ
وہ کہان ہے یا جب وہ قید ہو یا غلام بنا ڈالا گیا ہو یا جب وہ اُس مقام سے جہان وہ عورت رہتی ہو
دس روز کی راہ پر ہو یا مجنون یا نابالغ ہو تب ولایت اُس شخص کو ملیگی جو اُسکے بعد مستحق ولایت ہو۔
حنفیہ کے نزدیک عورت ہمیشہ اسکی مستحق ہے کہ بلا وساطت ولی اپنے نکاح کی اجازت دے
اور جب ولی مقرر ہو کر اُسکی طرف سے نکاح مین کارروائی کرتا ہے تو اُسکی نسبت ہمیشہ یہی گمان
کیا جاتا ہے کہ اُسکو اختیارات ولایت صرف اُسی عورت سے حاصل ہوے ہین پس وہ کسی حال مین
اُس اجازت یا ہدایت کے خلاف کوئی کارروائی نہین کرسکتا جو اُس عورت سے اُسکو حاصل ہوئی ہے
جب عورت اپنے ولی کو اجازت دیدے کہ کسی خاص شخص کے ساتھ اُسکا نکاح کردے یا کسی
خاص شخص کے ساتھ اپنا نکاح کرنے سے رضامندی ظاہر کر چکی ہو تو ولی کو یہ اختیار نہین ہے کہ
اُسکا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ کردے۔

شیعون کے نزدیک بالغہ رشیدہ خود اپنا نکاح کرسکتی ہے اور کسی وکیل یا درمیانی آدمی کی
ضرورت نہین رکھتی ہے جسکے ذریعہ سے وہ اپنی رضامندی ظاہر کرے۔ چنانچہ شرائع اسلام
مین لکھا ہے کہ وو اگر کسی عورت کے اولیا اُسکی خواہش کے موافق اُسکے کفو یا ہم چشم سے اُسکا
نکاح نہ کرین تو اسمین کچھ شک نہین ہے کہ وہ اُنکی مرضی کے خلاف خود اپنا نکاح کرلینے کی مستحق ہے
شیعہ اور حنفیہ اس مسئلہ مین متفق ہین کہ معاہدہ نکاح مین عورتین اورون کی وکالت یا
قائم مقامی کرسکتی ہین۔ چنانچہ شرائع الاسلام (صفحہ ۲۶۲) مین لکھا ہے کہ وو کہ معاہدہ نکاح
مین زن بالغہ وصحیح العقل کے کلام کا لحاظ رکھنا ضرور ہے۔ لیکن وہ صرف اپنا ہی نکاح کر لینے کی

سلہ فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۰۰ — ۱۲ منہ سلہ فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۹۰ — ۱۲ منہ سلہ شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۳

سلہ یعنی باپ اور دادا کہ شیعون کے نزدیک یہی دو ولی اجبار ہین — ۱۲ منہ

مجاز نہین ہے بلکہ دوسرے شخص کی طرف سے بھی وکالتًا ایجاب وقبول کرسکتی ہے ۔ ما
مفاتیح اور جامع الشتات مین بھی لکھا ہے کہ "یہ ضرور نہین ہے کہ وکلاے متناکحین مرد
ہون کیونکہ ہم شیعون کے نزدیک عورتون کی وکالت یعنی اُنکے ذریعہ سے نکاح ہونا بھی جائز ہے"
اختلافات مصرحہ بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک زن بالغہ کا نکاح صحیح نہین ہے
تاوقتیکہ اُسکی رضامندی نہ حاصل کیجائے اور یہ رضامندی کسی ولی مجاز کے ذریعہ سے حاصل کرنی چاہیے
جو اُسکی طرف سے وکالتًا اُسکا نکاح کردے ۔ مگر شیعہ[1] اور حنفیہ کے نزدیک عورت اپنے نکاح سے
خود رضامندی ظاہر کرسکتی ہے خواہ بوساطت خواہ بلا وساطت ولی ۔

رضامندی صریحی یا ضمنی

رضامندی الفاظ صریح سے یا ضمنًا دونون طرح ظاہر ہوسکتی ہے ۔ جس عورت کا نکاح
ایک مرتبہ ہوچکا ہو یا جو نکاح کی حقیقت سے واقف ہو اُسکی رضامندی صریحی حاصل کرنی چاہیے
لیکن جب یہ صورت نہو یعنی عورت باکرہ ہو تو سب فرقون کے فقہا کا اجماع ہے کہ مسکرا دینا
ہنس دینا یا خاموش رہنا رضامندی ضمنی سمجھی جائیگی[2] ۔

فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ "جب باپ اپنی بیٹی سے اُسکے نکاح کے پیشتر استصواب کرے
اور کہے کہ مین تیرا نکاح کرنے والا ہون مگر مہر یا شوہر کا نام نہ بیان کرے اور لڑکی خاموش رہے
تو اِس صورت مین خاموشی رضامندی نہوگی اور لڑکی کو اختیار ہوگا کہ بعد ازآن اُس
نکاح کو منسوخ کردے "

---

[1] جب عورت بالغہ و رشیدہ ہو تو کوئی اُسکا ولی ہونے کا حق نہین رکھتا ہے مگر عورت کو مناسب اور زیبا بھی ہے
کہ اپنے باپ یا دادا کو اجازت دے کہ شرائط نکاح طے کرلین ۔ اگر اُسکا باپ یا دادا نہ ہو تو بہتر ہے کہ اپنے بھائی کو
اپنی طرف سے کارروائی کرنے کے لیے مقرر کردے " جامع الشتات ۔ ۱۲ ۔ [2] باکرہ کے نکاح مین اُسکی رضامندی
اُسکی خاموشی سے سمجھ لیجائیگی مگر جو عورت باکرہ نہ ہو اُسکو یہ تکلیف ضرور دینی چاہیے کہ اپنی رضامندی کلام سے
ظاہر کرے ۔ شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۵ ۔ جب وہ ولی جسکو نکاح کردینے کا اختیار دیا گیا ہے باکرہ بالغہ سے
اُسکے نکاح کی اجازت طلب کرے پس اگر وہ مسکرا دے یا خاموش رہے تو یہی اُسکی رضامندی ہے ۔ اسواسطے کہ

رضامندی اسوقت جائز نہین ہے جب کوئی عورت کسی سخت بیماری مین مبتلا ہو جسمین اسکی جان کا اندیشہ ہو۔ اِس امر کو الجیرس کی عدالت العالیہ نے ۹ - نومبر سنہ ۱۸۳۶ع کو طے کر دیا تھا اُس مقدمہ مین معلوم ہوا کہ ایک شخص طیب نامی نے ایک عورت زہرہ نامی کے ساتھ اس عالم مین عقد کیا تھا جب اسکو دق کا آخری درجہ شروع ہو چکا تھا۔ نکاح کے چار ہی مہینہ کے بعد وہ عورت مرگئی۔ جب طیب نے زہرہ کی جائداد پر حقوق شوہری کا دعوی کیا تو الجیرس کے قاضی نے اسکو ڈگری دی۔ مگر اپیل مین قاضی کا حکم منسوخ ہو گیا اور وہ نکاح ناجائز قرار دیا گیا۔

ایم بوردلنس لاسیلس صاحب (عالم فرانسیسی) کے نزدیک یہ امر مشکوک ہے کہ آیا نکاح شرعی ایجاب وقبول بموجودگی گواہان کا نام ہے یا ایسے ایجاب وقبول کو صرف منگنی کے طور پر سمجھنا چاہیئے۔ مگر اسمین کچھ شک نہین ہے کہ تمام فرقہاے اسلام کے نزدیک نکاح اُسوقت کامل ہے جبکہ ایجاب کے جواب مین قبول کیا جائے۔

منگنی کا رسم گو ہندوستان مین ہے مگر شرعًا واجب نہین ہے۔ جب معاہدہ نکاح کی تکمیل عقد سے نہوئی ہو اور صیغہ نہ پڑھا گیا ہو تو ایسا نکاح نافذ نہین ہو سکتا۔

پس شرع محمدی کے روسے اقرار نکاح کے خلاف ورزی کی نالش نہین ہو سکتی۔ بلکہ جب عقد ہو چکے اور تکمیل معاہدہ فی الواقع ہو چکی ہو تب ہی شوہر یا زوجہ حقوق زوجیت دلاپانے کی نالش کر سکتی ہے۔

شہادت

شیعون کے مذہب مین جواز نکاح حضوری گواہان پر موقوف نہین ہے مگر حنفیہ[۱] کے نزدیک

۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ باکرہ سے استصواب ہر بات مین کرنا چاہیئے جو اُس سے متعلق ہو اور اگر وہ خاموش رہے تو رضامندی سمجھی جائیگی اور اُسکی رضامندی فرض کر لینی چاہیئے کہ وہ شرم کے مارے زبان سے نہین کہہ سکتی اور خاموشی سے بھی زیادہ ہنسنا دلیل رضامندی کی ہے برخلاف رو دینے کے جو نارضامندی کی دلیل ہے۔ بعض علما کا قول ہے کہ اگر ہنسی مضحکہ یا توہین کی راہ سے ہو تو وہ رضامندی نہین ہے۔ ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۷۹ - فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۰۸ - ۱۲ منہ [۱] فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۷۹ - ۱۲ منہ -

گواہون کا ہونا جواز نکاح کی شرط ہے -- اور صحت نکاح کے وقت گواہون کا موجود ہونا ضروری ہے بلکہ یہ بھی لازم ہے کہ وہ شرائط نکاح سے واقف ہون -- اور یہ بھی ضرور ہے کہ گواہ اُن اشخاص کی شناخت کر سکین جنھون نے ایجاب و قبول کیا ہے -- اگر کوئی عورت ایسی پوشیدہ یا نقاب پوش ہو کہ کوئی گواہ اُسکو نہ پہچان سکے اور یہ نہ کہہ سکے کہ اُس کمرہ مین اسی عورت نے یا اور کسی عورت نے رضامندی ظاہر کی تھی تو اُنکی شہادت کافی نہوگی -

گواہون کا ہونا اُسوقت ضرور ہے جبکہ عقد یعنی ایجاب و قبول ہو رہا ہو -- فتاوا ے عالمگیری مین لکھا ہے کہ وہ یہ بھی شرط[1] ہے کہ گواہ متناکحین کے کلام کو سنین -- اگر گواہ صرف ناکح یا صرف منکوحہ کے کلام سنین تو نکاح ناجائز ہوگا - اسی طرح سے جب دونون گواہ طرفین کے کلام کو سنین مگر علیحدہ علیحدہ سنین تب بھی نکاح ناجائز ہوگا[1] اور نکاح شرعًا اُسوقت بھی واجب العمل نہوگا جبکہ ایسے اشخاص کے سامنے پڑھا جاے جو متناکحین کا کلام تو سنین مگر اُنکے الفاظ کے معنی نہ سمجھین یا اُنکی زبان نہ سمجھتے ہون -

تاہم شہادت ایسی شرط ضروری نکاح کی نہین ہے جس سے مفر ممکن نہو - پس اگر کوئی نکاح ایسے ملک مین ہوا ہو جہان شرط شہادت جو اہل سنت کے نزدیک معتبر ہے پوری نہو سکے تو وہ نکاح ناجائز نہوگا - جب شہادت ممکن ہو تاہم نکاح بغیر شہادت کر لیا جاے تب وہ نکاح ناجائز تصور کیا جائیگا - مگر تب بھی اس نقص کا علاج زفاف ہے -

گواہون کا معتبر ہونا چار شرطون سے مشروط ہے - یعنی حریت[1] - سلامت عقل - بلوغ - اسلام -

---

[1] فتاوا ے عالمگیری صفحہ ۳۰۷ جلد ۳ -- فصول عمادیہ -- ۱۲ منہ [1] فتاوا ے عالمگیری صفحہ ۳۷۷ -- یہ گواہون کے اسلام کی خصوصیت مسلمانون ہی سے مخصوص نہین ہے -- بلکہ لارڈ کوک صاحب نے فرمایا ہے کہ کافر اسوجہ سے معتبر گواہ نہین ہو سکتا کہ سب کفار قانونًا عداوت رکھتے ہین کیونکہ اُنمین باہم ہمیشہ نفاق رہتا ہے اور کبھی صلح نہین رہتی ہے جیسے اُنمین اور شیطان مین ہمیشہ لڑائی رہتی ہے جسکے وہ بندے ہین -- ۱۲ منہ

مگر جب شوہر مسلم اور زوجہ غیر مسلمہ ہو تو نکاح دو غیر مسلم گواہوں کے سامنے ہو سکتا ہے جو عورت کے ہم مذہب ہوں یا اور کوئی مذہب رکھتے ہوں بشرطیکہ کوئی مانع شرعی شہادت کا انہیں نہ موجود ہو۔[1]

اہل سنت کے نزدیک نکاح کے گواہوں کا عادل ہونا شرط نہیں ہے۔ پس اُن گواہوں کی شہادت تسلیم کر لیجائیگی جو مجرم یا سزا یافتہ ہوں یا عوض غیبت یا زنا محصنہ یا غیر محصنہ کے متہم ہو چکے ہوں بہرے آدمی گواہ ہونے کے قابل اسوجہ سے نہیں ہیں کہ وہ طرفین کا کلام نہیں سن سکتے۔ حنفیہ کے نزدیک اندھوں[2] کی گواہی نکاح میں جائز ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی ہے مگر صرف عورتوں ہی کے سامنے نکاح نہیں ہو سکتا۔ مالکیہ کے نزدیک سب گواہوں کا مرد ہونا ضرور[3] ہے۔ اگرچہ شرعاً دو ہی گواہوں کا ہونا نکاح میں شرط ہے بشرطیکہ دونوں مرد ہوں اور خلفائے راشدین رضہ ہمیشہ نکاح شرعی کرتے تھے مگر خاص کر ہندوستان کے مسلمانوں میں کمتر ایسے شرعی اور بے نمایش شادیاں ہوتی ہیں جنمیں دو گواہوں سے زیادہ نہ موجود ہوں۔[4]

سنی اور شیعہ دونوں کے نزدیک ایجاب تحریراً اور وکالتاً دونوں طرح سے ہو سکتا ہے۔ لکن جب ایجاب تحریری ہو تو سنیوں کے نزدیک ضرور ہے کہ عورت اپنی رضامندی دو گواہوں کے سامنے ظاہر کرے جنکے سامنے وہ تحریر دیجائے اور جو اسکے مضمون سے واقف[5] ہوں اسی طرح سے جب ایجاب وکالتاً کیا جائے تو گواہ

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۷۷ - ۳ - فتاوائے قاضی خان صفحہ ۳۰۸ - ۳ - فصول عمادیہ ویجوز نکاح المسلم الذمیۃ بشہادۃ الذمیین۔ قاضیخان - ۱۲ منہ [2] فتاوائے قاضیخان صفحہ ۳۰۸ - ۳ - فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۷۷ - ۳ - ۱۲ منہ [3] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۲۷ - فتاوائے قاضیخان صفحہ ۳۰۰ - ۳ - فتاوائے عالمگیری ۲۷۸ - ۳ - ۱۲ منہ

[4] شیعوں کے نزدیک پوشیدہ اور بغیر گواہوں کے نکاح کر لینا جائز ہے مگر شہادت باقی رکھنے کا حکم ہے تاکہ تنازعات ہونے پائیں۔ جامع الشتات ۱۲ منہ [5] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۰۰ - ۳ - فتاوائے قاضیخان صفحہ ۳۸۱ و ۳۸۲ - ۳ - ۱۲ منہ —

ایجاب کی خبر دیتی ہوئی اور رضامندی ظاہر کرتی ہے۔ سُنیون و شیعون کے نزدیک وکیل کو بالغ ہونا کچھ ضرور نہین ہے۔

وکلاءِ نکاح

سُنی اور شیعہ دونون کے نزدیک نکاح وکلاء کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔ اور اُنکو مقرر کرنے کے لیے گواہ درکار نہین ہین اور اُنکے اختیارات سے وہی احکام شرع متعلق ہین جو اور معاہدات مین جاری ہوتے ہین۔ اگر دو شخص بالمشارکت کام کرنے کے لیے مقرر کیے گئے ہون تو اُنمین سے ایک بالانفراد کام نہین کر سکتا۔ اگر کوئی وکیل اپنے اختیارات سے تجاوز کرے تو جو معاہدہ اُسنے کیا ہے وہ جائز نہوگا تاوقتیکہ موکل اُسکی تصدیق نہ کرے۔ وکیل کو شرعًا جائز نہین ہے کہ اپنی موکلہ کا نکاح اپنے ساتھ یا اپنے کسی رشتہ دار کے ساتھ کرے اِلّا اسکے کہ خود اُسکی موکّلہ نے اُسکو ایسا کرنے کا اختیار دیا ہو۔ یہی قاعدہ اُس عورت کے باب مین بھی جاری ہوگا جو کسی مرد کی وکالت کرے۔ وہ اُس مرد کا نکاح اپنے کسی عزیزہ کے ساتھ نہین کر سکتی اِلّا اُسکے موکل نے اجازت خاص دی ہو۔ اگر کوئی وکیلِ نکاح اپنے موکل یا موکلہ کی نسبت بدنیتی سے کارروائی کرے یا اُسکی ضرر رسانی کے لیے کارروائی کرے یعنی اُسکا نکاح کسی غلام یا خنثیٰ یا مجنون وغیرہ کے ساتھ کر دے تو وہ نکاح ناجائز ہوگا۔

شخص غیر مجاز (فضولی) دوسرے شخص کا عقد کر سکتا ہے مگر ایسا عقد شرعًا جائز نہوگا تاوقتیکہ متناکحین اُسکی تصدیق نہ کردین۔

شیعون کے مذہب مین ہر شخص جو کسی بالغہ رشیدہ کی طرف سے کوئی کارروائی کرے وکالت فضولی کرتا ہے تاوقتیکہ اُسکی اجازت خاص اُس عورت سے نہ حاصل کر لے۔

شرائط نکاح

اگرچہ اقرارِ نکاح شرع محمدی مین غیر مؤثر ہے تاہم اگر وقوع نکاح کے بعد ... شرط کر لیجائے

سلہ قداوے قاضیخان صفحہ ۳۲۸ — جامع الشتات ۴۰۸ — جامع الشتات ۴۰۸ اگر کوئی مسلمان انگلستان مین کسی عورت سے شادی کا اقرار کرے تو غالبًا اس سے وہی نتائج پیدا ہونگے کہ گویا وہ مسلمان نہ تھا۔ ... صفحہ ۳۰ —

کہ ایک مدت معینہ منقضی ہونے تک زفاف نہوگا تو ایسی شرط کرنا شرعاً جائز ہے - نابالغوں کے نکاح میں ایسی شرط ہمیشہ رہجاتی ہے حالانکہ اس قسم کے شرائط کرنا شرعاً کچھ ضرور نہیں ہے سوا اسکے کہ مسلمان شوہر نابالغ زوجہ کی ذات کی حراست کا مستحق اُسکے بلوغ تک نہیں ہے -

شرائط نکاح جائز اور ناجائز دونوں ہوسکتے ہیں - ناجائز شرائط وہ ہیں جو نکاح کے جواز میں مخل ہوں اور اُسکو باطل کردیں تاوقتیکہ زفاف وقوع میں نہ آئے - جب زفاف ہوجائے تو صرف وہ شرط باطل ہوجائیگی -

سنیوں[1] کے نزدیک وہ شرط ناجائز ہے جو بقاے نکاح کو ایک مدت مخصوصہ پر محدود کردے - ایسے چند روزہ شادیاں (نکاح موقت) زمانہ جاہلیت کے دستورات کے موافق جائز تھیں اور جب شریعت اسلامیہ جاری ہوئی اُسوقت یہود اور مشرکین عرب دونوں میں یہ رائج تھیں اور ایسی شادیاں عیسائی قوموں میں بھی ہوتی تھیں جو مسئلہ متنازعہ میں داخل ہونے کی تیس ورس بعد رسول اللہ صلعم نے ایسی شادیوں کی ممانعت[2] فرمائی اور فرمایا کہ نکاح موقت اصول اسلام کے خلاف ہے -

شیعوں میں فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے نزدیک نکاح موقت یا متعہ جائز ہے اُنکے نزدیک نکاح الدائم اور نکاح الموقت دونوں کی شرائط ایکساں ہیں - صرف فرق اتنا ہے کہ نکاح دائمی مہر کا ذکر نہ کرنے سے فی نفسہ باطل و ناجائز نہیں ہوجاتا مگر متعہ باطل ہوجاتا ہے -
اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ اگر نکاح موقت ہوکر زفاف بھی ہوجائے تو وہ نکاح دائمی کا حکم رکھیگا -

زمانہ جاہلیت میں مشرکین عرب کا یہ بھی دستور تھا کہ اپنی بیٹیوں اور عورتوں کی شادیاں

[1] نظیر مقدمہ خدیجہ بی بی لا رپورٹ سلسلہ بنگالہ صفحہ ۳۰۵ - ۱۲ منہ [1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۰۹
[2] صحیح بخاری - مشکات المصابیح - مثلاً اگر کوئی مرد کسی عورت سے دو گواہوں کے سامنے دس روز کا میعادی نکاح کرلے تو ایسا نکاح موقت باطل ہے ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۹ - ۱۲ منہ [2] مفاتیح - ۱۲ منہ

بالمبادلہ کرنے سے یعنی ایک عورت دوسری کے مہر مین دیجاتی تھی - اس قسم کا نکاح نکاح الشغار کہلاتا تھا ایک حدیث صحیح مین جو سب فرقون کے نزدیک معتبر ہے آیا ہے کہ پیغمبر خدا صلعم نے ایسے نکاح کی ممانعت فرمائی - شیعہ اور مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک ایسا نکاح ناجائز ہے تاوقتیکہ زفاف نہو جائے اور جب زفاف ہو جائے تو مہر کی شرط باطل ہو جائیگی اور مہر المثل اس عورت کا قرار دیا جائیگا - مگر حنفیہ کے نزدیک اس قسم کا نکاح جائز ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ایسے نکاح مین ابتدا ہی سے مہر المثل فرض کر لیا جائیگا -

جو شرائط نکاح اخلاق عامہ کے خلاف ہون وہ باطل ہین گو انکے بطلان سے جواز نکاح مین نہین فرق آتا - مثلاً ایسی شرط باطل ہے کہ شوہر اسکا مستحق نہوگا کہ اپنی زوجہ کو مقامات فسق و فجور مین جانے سے مانع ہو - اسی طرح اگر کوئی عورت اپنے نان و نفقہ سے دست بردار ہو جائے تو ایسی شرط شرعاً باطل اور کالعدم ہوگی -

منجملہ شرائط جائزہ نکاح کے شرائط ذیل بھی ہین[1]

(الف) یہ شرط کہ شوہر زوجہ کی حیات مین دوسرا عقد نہ کریگا -

(ب) یہ شرط کہ شوہر زوجہ کو بغیر اسکی رضامندی کے اس مقام سے جہان نکاح ہوا تھا دوسری جگہ نہ لیجائیگا -

(ج) یہ شرط کہ شوہر ایک میعاد معین سے زیادہ اپنے گھر سے غائب نہ رہیگا -

(د) یہ شرط کہ شوہر اور زوجہ کسی خاص مقام پر رہینگے -

(ہ) یہ شرط کہ ایک جزو مہر فوراً یا ایک میعاد معین کے اندر ادا کیا جائیگا اور باقی ماندہ اسوقت دیا جائیگا کہ جب فسخ نکاح بسبب موت یا طلاق وقوع مین آئے -

[1] ہدایہ صفحہ ۱۳۰ - ۱۲ - امتہ سنہ ۵۲ سلطان ملک شاہ سلجوقی نے یہ شرط پہلے خلیفہ مہدی عباسی سے کر کے اپنی بیٹی کا عقد اس سے کر دیا - وان ہیمیر صاحب کی تاریخ دولت عثمانیہ جلد ۳ صفحہ ۱۷ - ۱۸ - اور تاریخ و مقاصد - ۱۵ مقدمہ سر یو نو بی بی بنام فیض بخش لا رپورٹ جلد ۱۵ سلسلہ بنگالہ صفحہ ۵ ملاحظہ ہو - بعض علماء امامیہ کے نزدیک یہ شرط جائز نہین ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ ایران مین بھی جہان مذہب امامیہ جاری ہے یہ شرط اکثر کر لیجاتی ہے -

(ز) یہ شرط کہ شوہر زوجہ کو ایک مقدار معین گذارہ کی دیگا۔

(ح) یہ شرط کہ شوہر زوجہ کے پہلے شوہر کے لڑکون کی پرورش کریگا۔

(ط) یہ شرط کہ شوہر زوجہ کو اپنے رشتہ دارون سے ملنے کو منع نہ کریگا۔

چونکہ یہ سب شرائط قبل وقوع نکاح ہو جاتی ہین اور نکاح کے معاوضہ مین کیے جاتے ہین

لہذا یہ سب شرعاً جائز اور لائق نفاذ ہین۔

جواز نکاح کے لیے یہ ضروری نہین ہے کہ شرائط نکاح قلمبند کر لیے جائین اور ایجاب و

قبول ایک باضابطہ دستاویز مین لکھ لیا جاوے۔ تاہم ہمیشہ یہی مستحسن سمجھا جاتا ہے کہ یہ شرائط

نکاح نامہ مین درج کیے جائین۔ خلفا مین سے خاص کر ہارون الرشید نے سب مسلمانون کو جو

جو اسکی رعایا تھے حکم دیا کہ اپنے نکاحون کی تصدیق قاضیون کے سامنے کر دین۔ اور صوبہ الجیریا مین

نکاح نامہ قانوناً رجسٹری ہو کر اسکی نقل قاضی کے محکمہ مین رکھی جاتی ہے۔

نکاح نامہ جسکو ہندوستان مین کابین نامہ بھی کہتے ہین ہمیشہ عورت ہی پاس رہتا ہے۔

نکاح نامہ زوجہ یا اُسکے ولیون کو حوالہ کر دینے کا دستور اسلام کے پیشتر سے چلا آتا ہے اور

جن ملکون مین نکاح نامون کے نقول کسی سرکاری دفتر مین نہین رکھی جاتین وہان یہ دستور

عورت کے حقوق کے تحفظ کے لیے ضرور ہے۔

خلوت صحیحہ

اکثر صورتون مین نکاح ناجائز وقوع زفاف کے سبب سے جائز ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ کل مہر

اُسوقت تک واجب الادا نہین ہوتا جبتک کہ زفاف یا وطی حقیقتاً یا مجازاً وقوع مین نہ آوے

لہذا مقدمات نکاح مین اکثر مسئلہ زفاف مین بحث کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک زفاف کا گمان اِسوجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ شوہر اور زوجہ خلوت کدہ مین ایسے

حالات مین چلے جائین جس سے خواہ مخواہ یہ ظن ہو کہ مباشرت ہوئی خلوت صحیحہ[1] اسی کو کہتے ہین۔

---

[1] الخلوۃ الصحیحۃ ان یجتمعا فی مکان لیس ھناک مانع یمنعہ من الوطی حساً و شرعاً و طبعاً کذا فی فتاویٰ قاضیخان صفحہ ۳۰۴ فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۲۹ جلد دوم

مگر جب کوئی مانع شرعی یا اخلاقی یا جسمانی مباشرت کا موجود ہو تو زفاف یا وطی کا قیاس نہ کیا جائیگا اور خلوت صحیحہ نہ تصور کیجائیگی۔ مثلاً اگر شوہر و زوجہ رمضان کا روزہ رکھتے ہون یا شوہر یا زوجہ کسی ایسے مرض مین مبتلا ہو جو مانع جماع ہو تو خلوت صحیحہ سے زفاف کا گمان نہ پیدا ہوگا۔

مغربی بلاد الاسلام مین خلوت صحیحہ بناء[1] کے نام سے مشہور ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک خلوت صحیحہ کی وہی حقیقت ہے اور وہی نتایج شرعی اُس سے پیدا ہوتے ہین جیسے کہ دولہن دولھن کو بستر شادی پر لیجانے کی رسم سے پیدا ہوتے ہین۔

خلوت صحیحہ سے نکاح کی تکمیل ہو جاتی ہے اور اُسی وقت سے حقوق زوجیت شروع ہو جاتے ہین اور زوجہ کا پورا مہر واجب الادا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ[2] ہمارے علما نے خلوت صحیحہ کو بعض نتائج کے اعتبار سے بمنزلہ زفاف یا وطی واقعی کے قرار دیا ہے اور بعض اعتبارات سے نہین قرار دیا ہے۔ انھون نے درباب ثبوت مہر اور ثبوت نسب یا ابوت اور پابندی عدۃ اور زوجہ کے حق نان و نفقہ اور حرمت نکاح انکی خواہر سے ایسا ہی کیا ہے ''۔

شیعہ اور شافعیہ[3] کے نزدیک محض خلوت صحیحہ سے کچھ قیاس نہین ہو سکتا بلکہ صرف وطی واقعی سے حقوق و فرائض زوجیت پیدا ہوتے ہین۔

ثبوت نکاح

ثبوت نکاح صریحاً اور ضمناً دونون طرح سے ہو سکتا ہے۔ صریحاً نکاح اسطرح ثابت ہو سکتا ہے کہ جن گواہون کے سامنے نکاح ہوا تھا وہ اُسکے وقوع کی گواہی دین یا شہادت تحریری بصورت نکاح نامہ پیش کیجائے۔

---

[1] اس لفظ کے معنی لغوی عمارت ہین چونکہ قدیم عرب مین دستور تھا کہ ایک خاص خیمہ نصب کرکے دولھن کو اُسمین لیجاکر رکھتے تھے لہذا دولھا دولھن کی شادی کے حجرہ مین چلے جانے کو بنا کہنے لگے۔ ڈبی سیبی صاحب کی تاریخ عرب ملاحظہ ہو۔ [2] دیکھو کتاب فقہ ہیو صفحہ ۱۶۷۔ [3] اصحابنا اقاموا الخلوة الصحيحة مقام الوطی فی حق بعض الاحکام دون البعض فاقاموها مقامه فی حق تأكد المهر وثبوت النسب والعدة والنفقة والسكنى وحرمة النكاح اختها۔ فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۲۱۔ [3] دیکھو ہدایہ

نکاح شوہر و زوجہ کے بیانات اور انکے باہمی برتاؤ سے ضمنًا ثابت ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فتاوائے عالمگیری میں لکھا ہے کہ "جب کوئی شخص مرد اور عورت کو ایک ہی مکان میں رہتے اور باہم زن و شوہر کا بے تکلفانہ برتاؤ کرتے دیکھے تو اسکو یہ گواہی دینا شرعًا جائز ہے کہ یہ عورت اس شخص کی زوجہ ہے۔

نکاح کے نتائج شرعی

نکاح سے مرد اور عورت کا ہمبستر ہونا جائز ہو جاتا ہے اور شوہر پر مہر ادا کرنا اور جو شرائط قبل از عقد ہوئے ہوں انکو پورا کرنا فرض ہو جاتا ہے اور طرفین کے حقوق وراثت قائم ہو جاتے ہیں اور انمیں قرابت نسبتی حرام ہو جاتی ہے اور شوہر کو واجب ہو جاتا ہے کہ اپنی زوجہ کے ساتھ عدل کرے اور اسکی عزت اور محبت کرے۔ اور اسکے معاوضہ میں زوجہ کو شوہر کی اطاعت اور اس سے وفاداری کرنی پڑتی ہے۔

آٹھواں باب

غیر مشروع اور ناجائز نکاح۔ حق اعتراض ولی کا۔

حق اختیار۔ اسباب تنسیخ نکاح۔ ارتداد کا اثر نکاح پر

جو نکاح خلاف شرع ہو وہ فی نفسہ باطل و کالعدم ہے اور کسی قسم کے حقوق و فرائض متناکحین کے ایسے نکاح سے نہیں پیدا ہوتے۔ اور زوجہ کو شوہر پر مہر کا حق نہیں ہوتا اور نہ ایک دوسرے کی میراث پانے کا مستحق ہوتا ہے درانحالیکہ انمیں سے کوئی اس زمانہ میں مرجائے جبکہ معاہدہ نکاح موجود ہو ایسے نکاح اسی تاریخ سے خلاف شرع ہوتے ہیں جس تاریخ وہ واقع ہوئے تھے اور حقیقۃً اور شرعًا دونوں طرح سے معدوم محض سمجھے جاتے ہیں۔

جو نکاح محارم شرعیہ یا محرمات شرعیہ کے ساتھ کر لیے گئے ہوں وہ شرعًا اس قسم کی تزویج میں داخل ہیں جو فی نفسہ باطل ہے اور کچھ حقوق اُنسے نہیں پیدا ہوتے نہ کوئی اثر یا نتیجہ شرعی اُنسے

کتاب ۲۲ باب ۱ ۔ کتاب الانوار ۔ اختلافات الائمہ ۔ جامع الشتات ۔ ۲ مسئلہ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۔ ۳ شیعوں کے نزدیک بھی قانون انگلستان کی طرح اہل سنت کے مذہب میں بھی زوجہ ناشزہ کو خفیف سی گوشمالی سزا شوہر کو جائز ہے شیعوں کے نزدیک شوہر کو اپنی زوجہ کو غصہ سے ہاتھ لگانا بھی حرام مطلق ہے ۔ جامع الشتات ۔ تیل المرام ۔

پیدا ہوتا ہے۔ ایسے نکاح کا خلاف شرع ہونا اِس بات سے بھی رفع نہین ہوتا کہ نیک نیتی سے اور اُس عالم مین نکاح ہوا تھا جبکہ طرفین یہ نہ جانتے تھے کہ ایک دوسرے پر شرعًا حرام ہے۔ اگر ایسے نکاح سے کوئی اولاد ہو تو حنفیہ کے نزدیک حلالی نہو گی گو اُس عورت کو دوسرا نکاح کرنے سے پیشتر عدۂ شرعیہ کی پابندی کرنی پڑیگی۔

مگر جو نکاح اِس قسم کے عیب سے جسکا ذکر کیا گیا فاسد اور باطل نہوگئے ہون اُنکا اور ہی حکم ہے ایسے نکاحون مین تخالف سے وہ عیب شرعی جو اُنکے جواز کا مانع ہے رفع ہو جاتا ہے اور بقاء نکاح کے زمانہ مین جس اولاد کا حمل رہا ہو یا جو اولاد پیدا ہوئی ہو وہ حلالی سمجھی جاتی ہے اور زوجہ کو مہر کا حق حاصل ہو جاتا ہے مثلًا اگر کوئی شخص دو وکیلون کو حکم دے کہ ایک عورت سے اُسکا نکاح کر دین اور وہ دونون علٰحدہ علٰحدہ کارروائی کرکے اسکا عقد دو حقیقی بہنون کے ساتھ کر دین تو جو نکاح زمانًا مقدم ہو وہ جائز سمجھا جائیگا اور دوسرا نکاح باطل ہو جائیگا بغیر اسکے کہ قاضی سے فیصلہ کرانا پڑے یا شوہر سے طلاق لینے کی ضرورت ہو۔ اور جب یہ نہ دریافت ہو سکے کہ دو نکاحون مین کون مقدم تھا اور کون موخر تو دونون باطل ہو جائینگے[۱]۔

یہی اصول شرع اس عورت کے ساتھ نکاح کر لینے پر بھی صادق آتا ہے جسکا نکاح ہو چکا ہو۔ جب کسی لڑکی کا عقد دو مردون سے علی الاتصال کر دیا جائے اور ایک مرد سے اسکے باپ نے اسکا عقد کر دیا ہو اور دوسرے مرد سے اور کسی ولی شرعی نے یا جب دو مرد ایک عورت سے نکاح کے مدعی ہون تو جو نکاح زمانًا مقدم ہو یعنی پہلے ہوا ہو صرف وہی

---

[۱] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۸۰ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۹۲ — شرائع الاسلام صفحہ ۲۷۲ — جامع الشتات جب دو بہنون کا نکاح ایک ہی معاہدہ کے ذریعہ سے ایک شخص سے ہو جائے تو دونون کا نکاح باطل ہوگا اور اگر طلاق قبل از زفاف ہو جائے تو وہ عورتین مہر کی مستحق نہ ہونگی لیکن اگر دونون کا زفاف ہو گیا ہو تو باوجود فسخ نکاح کے دونون مہر کی مستحق ہونگی۔ اگر اُن دونون کا عقد علٰحدہ علٰحدہ ہوا ہو اور یہ نہ معلوم ہو کہ پہلے کسکا عقد ہوا تھا پس اگر قبل زفاف طلاق ہو گیا ہو تو دونون نصف مہر کی مستحق ہونگی لیکن اگر طلاق کے بعد زفاف ہوا ہو تو دونون اپنا پورا پورا مہر پائینگی۔ اور اگر ایک منکوحہ کا زفاف ہوا ہو اور دوسری کا نہو تو جسکا زفاف ہو گیا ہے اسی کا نکاح جائز سمجھا جائیگا گو وہ دوسری کے بعد ہوا ہو۔ خلاصہ احکام دیہہ ۳۱ مشم

جائز و مؤثر سمجھا جائیگا اور دوسرا بغیر طلاق یا حکم قاضی کے باطل ہوجائیگا - لیکن اگر یہ دریافت کرنا غیر ممکن ہو کہ دونوں میں سے کون نکاح پہلے ہوا تھا تو دونوں نکاح باطل سمجھے جائینگے اور اگر وہ ایک یا دو مرد جو زوجیت کے مدعی ہیں مرجائیں تو وہ دونوں عورتیں انکی میراث کی مستحق نہونگی - لیکن اگر پہلے نکاح میں زفاف ہوچکا ہو تو اخلاق عامہ کے تحفظ کے خیال سے وہ جائز سمجھا جائیگا[1] -

اگر کوئی شخص کسی عورت سے اُسکے عدہ کے زمانہ میں نکاح کرلے درحالیکہ اس بات کا علم رکھتا ہو کہ عورت عدہ کی حالت میں ہے تو ایسا نکاح باطل ہوگا - مگر بعد انقضاء عدہ وہ شخص اس عورت سے اپنا عقد کرسکتا ہے[2]

اگر زفاف عدہ کی میعاد میں واقع ہو تو وہ عورت اُس مرد پر حرام مطلق ہوجائیگی -

مگر جو اولاد ایسے نکاح سے پیدا ہوگی وہ حلالی سمجھی جائیگی اور وہ عورت طلاق کے بعد مہر کی مستحق ہوگی[3] -

یہ مسئلہ شرعی مشکوک ہے کہ جب کوئی شخص کسی عورت سے بحالت لاعلمی اسکے عدہ کے نکاح کرلے تو آیا وہ عورت اُسپر حرام مطلق ہوجائیگی - صوبہ الجیریس میں چند مقدمات کا فیصلہ ایسا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نکاح نیک نیتی سے ہوا ہو اور طرفین اس فعل کے حرام ہونے سے آگاہ نہوں تو ایسا نکاح شرعاً جائز تصور کیا جائیگا -

شیعوں کے نزدیک ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شوہر دار عورت سے زنا کرے تو اسکے شوہر کی وفات کے بعد اُس سے عقد نہیں کرسکتا بلکہ وہ عورت اُسپر حرام مؤبد یعنی ہمیشہ کے لیے حرام ہوجاتی ہے - اگر باوجود اس حرمت شرعیہ کے حکم شرع سے لاعلمی کی وجہ سے وہ مرد اُس عورت سے نکاح کرکے وطی بھی کرلے تو غالباً ایسا نکاح شرعاً باقی رہیگا[4] -

---

[1] ہندوستان کی بعض عدالتوں نے مقدمات کا فیصلہ اس اصول کے خلاف کیا ہے ۱۲ منہ [2] شرائع الاسلام صفحہ ۲۷۲ و ۲۷۳ - فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۹۳ - کنز الدقائق - فصول عمادیہ - ۱۲ منہ [3] مفاتیح ۱۲ منہ [4] جامع الشتات کے مسائل ملاحظہ ہوں ۱۲ منہ [5] عدہ کے حکم کی علت یہ ہے کہ شارع اسلام کو اولاد کے حلالی قرار پانے کی فکر

حاملہ کے ساتھ نکاح کرنا ویسا ہے جیسا اُس عورت سے نکاح کرنا جو عدہ مین ہو۔ ایسے نکاح کا حرام ہونا قرآن مجید مین منصوص ہے اور الجیرس کے قاضیون نے اکثر اُسکی عورت کو ناقد کر دیا ہے چنانچہ ۱۳ جولائی سنہ ۱۸۶۲ء کو الجیرس کے ایک قاضی نے یہ حکم لکھا کہ ایک عورت بخنہ بنت یحیی اپنے شوہر اول عبد القادر سے تین مہینہ ہوے تھے کہ طلاق لے چکی تھی اسکا دوسرا نکاح ۱۴ اپریل سنہ ۱۸۶۲ء کو احمد ابن بیاض سے ہوا۔ اور ۹ جولائی سنہ ۱۸۶۲ء کو ایک لڑکا ہوا۔ یہ بات قاضی کو ۱۳ جولائی کو معلوم ہوئی اُسنے اُس عورت کے شوہر ثانی کو اور اُسکے باپ یحیی کو اپنے پاس بلا کر تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ یہ واقعات صحیح ہین۔ پس قاضی نے احمد اور بخنہ کے نکاح کو باطل قرار دیا اور ایک کو دوسرے پر حرام کر دیا۔

حنفیہ کے نزدیک حاملہ سے نکاح کرنا حرام مطلق نہین ہے تاوقتیکہ یہ نہ معلوم ہو کہ اُسکو کسکا حمل ہے۔

جب کوئی شخص ایک عورت کو طلاق دیکر اُسکے ساتھ دوبارا نکاح کرے اور اس اثنا مین وہ عورت دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کر کے اُس سے طلاق نہ لے چکی ہو تو ایسا دوبارا نکاح کرنا حرام ہے۔ اس حکم کا سبب یہ ہوا کہ مشرکین عرب مین یہ دستور تھا کہ عورتون کو متواتر طلاق دیدیکر اُنسے دوبارا نکاح کر لیتے تھے جس سے اخلاق عامہ مین فتور واقع ہوتا تھا۔ لہذا اس حکم کے خلاف کرنا باعث بطلان نکاح کا ہوتا ہے۔

تھی اور نکاح جائز یا نکاح مشکوک سے جو اولاد پیدا ہو اُسکو حرامی بنا دینے سے نفرت کلی تھی۔ جو عورت اپنے شوہر سے جدا ہو گئی ہو یا بیوہ ہو اُسکو ایک مدت معینہ تک دوسرا عقد کرنا شرعاً حرام ہے تاوقتیکہ یقین نہو جاے کہ یہ عورت حاملہ ہے یا نہین۔ بیوہ کا عدہ چار مہینے دس دن اور مطلقہ کا عدہ صرف تین ہی مہینے ہین۔ اس ممانعت سے اولاد کے نسب مین فتور نہین پڑ سکتا۔ سلہ چونکہ بلاد اسلام کا قاضی حافظ شریعت اور مصلح اخلاق عامہ ہوتا ہے لہذا اُسکو ہر فعل غیر مشروع کو منسوخ کر دینے اور اُسکی سزا دینے کا اختیار ہے بغیر اسکے کہ مدعی اسکے اجلاس مین یا مدعا علیہ نالش دائر کیا گئے ہو...

لیکن اگر طلاق ایسے حالات میں ہوا ہو کہ یہ گمان ہو کہ شوہر زوجہ میں نااتفاقی
ہوئی تھی اور اُسوقت وہ غصہ کے مارے آپے سے باہر ہو گئے تھے تو بعض علماء کا
قول ہے کہ اُنکے ساتھ کچھ رعایت کرنی چاہیئے اور اُنکو باہم دوبارہ عقد کرنے کی
اجازت دینی چاہیئے بغیر اِسکے کہ زوجہ کو دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنے کی
ذلت اُٹھانی پڑے۔

مذہب مختار سب فرقوں کے نزدیک یہ ہے کہ مرد چار[1] نکاح ایک ہی وقت میں کرسکتا ہے
اور پانچوین عورت سے نکاح باطل ہے لیکن اگر [illegible] ناواقفیت سے ہو چکا ہو [illegible]
ہو جائیگی تاہم اپنے مہر کی مستحق ہوگی۔

ناجائز نکاح

ناجائز نکاح وہ ہے جو بالکل غیر مشروع یا باطل تو نہو مگر قانون شریعت کے حکم سے یا شوہر و زوجہ کے
فعل سے باطل ہو گیا ہو۔ لہذا ایسے نکاح کے ناجائز ہونے کے سبب سے متناکحین خود یا وہ
لوگ جو بجائے اولیا کے ہوں رفع کر سکتے ہیں۔

نابالغ نے جو نکاح کر لیا ہو وہ سب فرقوں کے نزدیک ناجائز ہے۔ اور جب وہ نابالغ جو
رشید یعنی ذی شعور ہو اپنا نکاح کر لے تو اُسکا نکاح اُسکے ولی کے تصدیق کر دینے سے
جائز ہو جاتا[2] ہے۔

سُنیوں کے مذہب میں جو نکاح کسی مجنون نے یا اُس شخص نے جو مجنون تو نہو مگر مختل الحواس ہو
کر لیا ہو وہ ناجائز ہے لیکن اگر اُسکا ولی اُس نکاح کی تصدیق کر دے تو اُسکا[3] عدم جواز رفع

مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ ساکنۂ عرب کے اخلاق کا خراب ہو جانا اسی سے ثابت ہے
کہ شارع اسلام نے اُس عورت کے ساتھ چوتھی دفعہ نکاح کرنا قطعاً حرام کر دیا ہے جسکو اُسکا خاوند تین مرتبہ طلاق
دے چکا ہو۔ شیعوں کے مذہب میں ایسا نکاح حرام ہے۔ شرائع الاسلام صفحہ ۲۷۰ [1] امامیہ اثنا عشریہ کے نزدیک
مرد چار نکاحوں کے علاوہ بہت سے متعہ کر سکتا ہے۔ اہل سنت کے نزدیک متعہ حرام ہے اور اُنکا قول صحیح ہے کہ یہ ایک فعل قبیح ہے
[illegible] ہدایہ [illegible] [2] فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۲۷۰ شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۳ [3] فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۴۰۲

ہوجائیگا۔ تاہم شیعون کے مذہب مین ایسا نکاح شرعًا بالکل غیر موثر اور باطل ہے۔

شیعہ اور سنی دونون کے نزدیک وہ نکاح باطل ہے جو نشہ کے عالم مین ہوا ہو الّا اونکہ نشہ اُترجانے کے بعد اُسکی تصدیق کیجائے یا بحال رکھا جاوے۔

جو نکاح کسی شخص نے عالم جانکنی مین یا کسی مرض مہلک کے عالم مین کرلیا ہو وہ بھی ناجائز ہے لیکن اگر بیماری ایسی ہو کہ مریض اُس سے شفا پاکر زفاف کرے تو اُس نکاح کا عدم جواز رفع ہوجائیگا

جس نکاح کی رضامندی جبرًا یا بفریب لیگئی ہو تو ایسا نکاح ناجائز ہے الّا اونکہ جبر موقوف ہونے کے بعد یا قید سے رہا ہونے کے بعد اسکی تصدیق کیجائے یا یہ کہ جس فریق نے رضامندی ظاہر کی ہے فریب رفع ہونے کے بعد وہ اسکی تصدیق کرے

اگر کوئی شخص جسنے ایجاب یا قبول کیا ہو بعد ازآن بیہوش یا بدحواس ہوجائے د گو تھوڑی ہی

؎ جامع الشتات۔ شرائع الاسلام صفحہ ۲۶۲۔ کتاب من لایحضرہ الفقیہ ۱۲ منہ ؎ مفاتیح۔ مگر شرائع الاسلام سے اس مسئلہ مین مرد اور عورت مین فرق لکھا ہے۔ یعنی اگر مرد نشہ کے عالم مین نکاح کرے تو نکاح جائز ہوگا گو ہوش مین آنے کے بعد اُسکی تصدیق کرے۔ لیکن اگر عورت نشہ کے عالم مین نکاح کرے اور جب ہوش مین آجائے تو اُسکی تصدیق کرے تو وہ نکاح جائز ہوگا۔ مفاتیح مین جو قول علامہ حلی رحمۃ اللہ کا لکھا ہے وہ اصح ہے اور اُسکی تائید مین چند مسائل جامع الشتات مین لکھے ہین۔ ۱۲ منہ ؎ شرائع الاسلام صفحہ ۲۵۴ مین لکھا ہے کہ جو نکاح مریض نے کرلیا ہو اُسکا جواز زفاف پر موقوف ہے۔ پس اگر وہ مریض اُس بیماری سے مرجائے اور زفاف نہوا ہو تو نکاح باطل ہے اور وہ عورت مہر اور میراث کی مستحق نہین ہے ؎ جامع الشتات مین لکھا ہے کہ اگر کوئی مریض نکاح کرلے اور زفاف کرنیکے بعد انتقال کرے یا اُس بیماری سے صحت پاکر اور کسی مرض سے مرجائے تو وہ نکاح جائز ہے اور زوجہ مہر اور میراث کی مستحق ہوگی ؎ لیکن اگر کوئی صحیح و سالم عورت کسی شخص سے نکاح کرے اور بعد زفاف مرجائے تو اکثر علما کا قول یہ ہے کہ اُسکا شوہر اُسکی میراث کا مستحق ہوگا گو یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ مگر جب کوئی عورت جانکنی کے عالم مین یا مرض مہلک کی حالت مین کسی صحیح و سالم مرد سے نکاح کرے اور وہ مرد بغیر زفاف مرجائے تو وہ نکاح جائز سمجھا جائیگا اور وہ عورت اپنے شوہر متوفی سے مہر اور میراث پانے کی مستحق ہوگی۔ اگرچہ ان مسائل مین صرف کتب شیعہ کا حوالہ دیا گیا ہے مگر یہ عرض کرنا کیا ضرور ہے کہ ایسی سنی اور شیعہ مین بہت کم اختلاف ہے ۱۲ منہ ؎ بعض اسناد فتاوائے عالمگیری مین ایسے لکھے ہین جنسے بادی النظر مین معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی عورت جبرًا اور بلارضا و رغبت خود

مدت سہی، تو اُسکا ایجاب اگر قبول کیا گیا ہو تو ناجائز ہوگا -

شرع محمدی میں باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی نابالغ اولاد کا عقد جبراً کردے جیسا اوپر میں بیان کیا گیا - جو عقد باپ نے یا اُسکی عدم موجودگی میں دادا نے جو اُسکا قائم مقام ہے کر دیا ہو وہ بالعموم اولاد کے فائدہ کیلئے سمجھا جاتا ہے - پس جب نابالغ کا نکاح اُسکے باپ یا دادا نے کر دیا ہو وہ اکثر فرقوں کے نزدیک بعد بلوغ اُس نکاح کو بحال رکھنے یا منسوخ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے الا اُسکا نکاح کسی غیر کفو سے کر دیا گیا ہو یا مہر فریب کر کے محض نامناسب رکھا گیا ہو یا متناکحین میں سے کوئی ایسے مرض میں مبتلا ہو جو لا علاج ہو بسبب اُس قید کے جس سے باپ کا اختیار نکاح محدود و مقید کر دیا گیا ہے یہ تجویز کیا گیا ہے کہ جو نکاح باپ نے یا اُس شخص نے جو باپ کا قائم مقام ہو کر دیا ہو اُسکو چاہیئے کہ نابالغ کے حق میں مضر نہو - پس اگر باپ نے اپنی دختر نابالغ کا نکاح خنثی یا غلام یا مبروص یا اُس شخص کے ساتھ کر دیا ہو جو داء الفیل یا ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ مباشرت کرنے کے قابل نہو تو ایسا نکاح ناجائز ہے اور نابالغ کے اُس ولی کی تحریک سے جو باپ کے بعد مستحق ولایت ہو یعنی اُسکی ماں کی تحریک سے فسخ ہو جائیگا - اگر نابالغ کا باپ اُسکا نکاح ایسے شخص سے کر دے جو اُس سے بہت پست مرتبہ یا کم ظرف ہو تو ایسا نکاح بھی نابالغ کے ولی کی استدعا سے فسخ ہو سکتا ہے -

---

ایسے مرد سے نکاح کرلے جو اُسکا کفو یعنی ہمچشم ہو اور مہر مناسب قبول کرلے تو جبر موقوف ہونے کے بعد اُس عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے - مگر تمام علما کے اقوال کو جانچنے اور اس مسئلہ کے شرائط کو بغور ملاحظہ کرنے سے (یہ مسئلہ بادی النظر میں نہایت تعجب انگیز اور اُن احکام شرع کے خلاف معلوم ہوتا ہے جو موافق عقل سلیم ہیں) کچھ شک اسمیں نہیں باقی رہتا کہ جو اصول حنفی میں لکھے گئے ہیں وہ صحیح ہیں شیعوں کے احکام اس باب میں ایسے صاف اور واضح ہیں کہ اُنمیں کچھ شک و شبہ نہیں ہو سکتا ۱۲ منہ ملہ شرایع الاسلام صفحہ ۲۶۴ - ۲۶۳ - جامع الشتات - ارشاد علامہ ۱۲ منہ ملہ مالکیہ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے ۱۲ منہ ملہ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۲۴ فصول عمادیہ - شرایع الاسلام صفحہ ۲۶۳ - ۲۶۴ - جامع الشتات ۱۲ منہ ملہ ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۱۰ - ۱۱۳ - ۱۲ منہ

الکفاءت یعنی ناکح و منکوحہ کا ہمچشم یا ہم درجہ ہونا۔

شارع اسلامؑ نے بے میل اور بے تکی شادیون کو بہت ناپسند فرمایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ عورتون کو نکاح غیر کفو[1] سے نہ کرنا چاہیئے۔ لہذا حنفیہ کے نزدیک متناکحین کا ہم کفو ہونا ایک شرط ضروری نکاح کی ہے اور جو نکاح غیر کفو سے ہوگیا ہو وہ قاضی کے حکم سے منسوخ ہوسکتا ہے۔ حنفیہ کے اقوال مرد و عورت کے ہم کفو ہونے کے باب مین عرب کی تمثیلات پر مبنی ہین مثلاً یہ فتوے دیا گیا ہے کہ شوہر زوجہ کا ہمدرجہ نسب اور عزت مین ہو اور غلام نہو اور مسلمان ہو اور اتنی مقدرت رکھتا ہو کہ زوجہ کا مہر ادا کرسکے اور اُسکو نان و نفقہ دے سکے[2] اور نیک اور باخدا ہو اور پیشہ یا تجارت کے لحاظ سے زوجہ کا ہم پایہ ہو[3] مگر عورت کے باب مین ان شرائط کی تکمیل ضرور نہین ہے یعنی عورت کا مرد کے ہم کفو ہونا کچھ ضرور نہین ہے اسواسطے کہ شوہر زوجہ کو اپنا ہم مرتبہ کرسکتا ہے گو وہ کیسا ہی عالی درجہ ہو۔

مالکیہ اور شیعہ[4] نے شرائط کفات کے باب مین حنفیہ سے اختلاف عظیم کیا ہے۔ ان فرقون کے نزدیک تزویج کا جواز صرف دو شرطون پر موقوف ہے ایک یہ کہ شوہر مسلمان ہو دوسرے یہ کہ زوجہ کے تکفل کا مقدور رکھتا ہو۔ پس اُنکے نزدیک جو مسلمان زوجہ کو نان و

---

[1] حدیث مین وارد ہوا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خبردار عورت کا نکاح سواے اُسکے اولیاء شرعی کے کوئی نہ کرے اور اُسکا نکاح نہ کیا جاے مگر اُسکے ہم مرتبہ مرد سے۔ ہدایہ مین اِسکی علت یہ لکھی ہے کہ ہمبستری اور صحبت اور دوستی نہین ہوسکتی مگر اُن اشخاص مین جو باہم مساوی درجہ کے ہون اسواسطے کہ عالی خاندان عورت کم ذات مرد کی صحبت اور ہمبستری سے نفرت کریگی۔ پس شوہر کے کفو ہونے کا لحاظ رکھنا ضرور ہے یعنی شوہر کو چاہیئے کہ زوجہ کا کفو ہو۔ ہدایہ ۱۰۰-۱۱ ۱۲ منہ

[2] مرد فاسق زن صالحہ کا کفو نہین ہے۔ پس اگر کوئی شخص اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کسی شخص کو نیک اور باخدا سمجھکر اُسکے ساتھ کردے مگر بعد ازآن معلوم ہو کہ یہ شخص شرابخوار ہے اور وہ لڑکی بعد بلوغ اس نکاح سے ناخوشی ظاہر کرے تو اس صورت مین اگر اُسکا باپ اس شخص کے شارب الخمر ہونے سے ناواقف تھا تو وہ نکاح منسوخ کرسکتا ہے۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۱۴ ۱۲ منہ

[3] فتاواے قاضیخان صفحہ ۳۹۹ ۱۲ منہ

[4] فتاواے قاضیخان صفحہ ۳۹۹ شرائع الاسلام صفحہ ۲۷۸ جامع الشتات

نفقہ دینے پر قادر ہو وہ ہر مسلمہ سے نکاح کرسکتا ہے بالحاظ نسب یا درجہ کے ۔ کیونکہ انکا یہ سوال بیجا ہے کہ کیا سب مسلمان برابر نہین ہین ۔

اگر کسی عورت کا نکاح اُسکا ولی ایسے شخص سے کردے جو شرافتِ خاندان کے اعتبار سے اُسکا کفو نہو تو وہ عورت اُس نکاح کو منسوخ کرنے کی مستحق ہے لیکن اگر خود اُس عورت نے ایسا نکاح کرلیا ہو تو اُسکو اُسکی پابندی واجب ہے۔[۱]

متقدمین علماے فریقین نے زوجہ کے نان ونفقہ کے مسئلہ مین بہت بحث کی ہے اکثر علما کا قول یہ ہے[۲] کہ اگر شوہر زوجہ کو ایک مہینہ کا نان ونفقہ علاوہ مہر کے دینے پر قادر ہو تو ایسا مقدور شرعًا کافی ہے۔

یہ عرض کرنا ضرور نہین ہے[۳] کہ ایسے مقدمات ہندوستان مین کم ہوتے ہین جنمین شوہر وزوجہ کے ہم کفو ہونے پر بحث ہو جو حنفیہ کے نزدیک ایک شرط نکاح ہے۔

سابق مین بیان کیا گیا کہ شیعہ اور حنفیہ نے بہت بڑی آزادی اُن عورتون کو بخشی ہے جو خود اپنا نکاح کرسکتی ہون ۔ مگر حنفیہ[۴] کے نزدیک یہ آزادی اُس اختیار سے مقید ہوگئی ہے جو ولی کو دیا گیا ہے کہ اگر غیر کفو سے نکاح ہوا ہو تو اُسکو منسوخ کرسکتا ہے یا اُسپر اعتراض کرسکتا ہے

---

[۱] حنفیہ کے نزدیک مرد عرب جو قبیلہ قریش سے نہو زن قریشیہ کا کفو نہین ہے ۔ اور مرد غیر عرب زن عربیہ کا کفو نہین ہے ۔ اور غلام زن حرّہ کا کفو نہین ہے ۔ اس قسم کے سب نکاح عقلاً بے موقع اور بے میل ہین اس مسئلہ مین جو حنفیہ اور شیعہ مین اختلاف عظیم ہے وہ شرایع الاسلام سے ظاہر ہے جسمین لکھا ہے کہ آزاد عورت کو غلام سے اور زن عربیہ کو مرد عجم سے اور زن ہاشمیہ کو مرد غیر ہاشمی سے نکاح کرنا اور ایسکے بالعکس جائز ہے۔ شرایع الاسلام صفحہ ۲۷۸ ۔ اور مفاتیح بھی ملاحظہ ہو ۱۲ منہ [۲] انھین کتابون مین یہ بھی لکھا ہے کہ عورت کو مرد فاسق کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ ہے اور مرد شرابخوار سے نکاح مکروہ بکراہت شدیدہ ہے ۱۲ منہ [۳] فتاوے عالمگیری صفحہ ۱۱۸ ۔ ۱۲ منہ [۴] جیساکہ فتاوے عالمگیری مین لکھا ہے کہ[۲۲] اسلام اور حریت کے سواے اور اعتبارات شوہر وزوجہ کے ہم کفو ہونے کا لحاظ عرب کے سوے اور کسی ملک مین نہین کیا جاتا ۱۲ منہ [۵] فتاوے قاضیخان صفحہ ۱۰۸ و ۲۰۶ ہم فتاوے عالمگیری صفحہ ۱۲۸ ۱۲ منہ

[۶] یہ عرض کرنا ضرور ہے کہ جو شخص علم کی دولت رکھتا ہو وہ سب سے زیادہ عالی خاندان عورت کا کفو شرعًا ہے ۔ ۱۲ منہ

شیعون کے نزدیک یہ اختیار تنسیخ نکاح کالعدم ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اُنکے نزدیک شروط کفاءت صرف مرد کے مسلمان ہونے اور زوجہ کے تکفل کا مقدور رکھنے پر محدود و منحصر ہین۔ اگر کوئی شیعہ عورت جو نابالغ ہو کسی غیر مسلم سے نکاح کرے تو غالباً اُس عورت کے اقربار کو ممانعت کرنے کا حق ویسا ہی حاصل ہے جیسا اہل سنت کے نزدیک حاصل ہے۔ مگر اہل سنت کے نزدیک یہ ممانعت کرنے کا حق زیادہ تر اہم ہے۔ جو قاعدہ ولیون کی ہدایت کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے جبکہ وہ نابالغون کا نکاح کرین اُنھین اصول و فروع مین بآسانی امتیاز ہو سکتا ہے۔ اولیا کو حکم ہے کہ طرفین کی عمرون کا لحاظ کرین یعنی بہت کم سن لڑکی کا نکاح مردِ مُعمّر کے ساتھ نہ کر دین اور نہ اسکے بالعکس کرین اور نہ عالی خاندان لڑکی کا عقد اُس شخص سے کرین جو اس سے پست مرتبہ یا کم درجہ ہو بشرطیکہ اس مرد مین کوئی اوصفت ایسی نہو جس سے اُسکا نکاح اُس عورت کے ساتھ جائز ہو گیا ہو۔ اور نابالغ لڑکیون کا نکاح بالکل غیر کافی مہر پر نہ کرین۔

جب بالغہ و رشیدہ نے کسی مردِ غیر کفو سے عقد کر لیا ہو تو عدم کفاءت کے مسئلہ مین بڑی دقت پڑتی ہے۔ فتاوائے عالمگیری اور فتاوائے قاضی خان اور اور بعض کتب معتبرہ مین جو مختلف فتوے لکھے ہین اُنکو بنظر غور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جزیرہ نمائے عرب کے ماورا دیگر بلاد اسلام مین بھی مرد اور عورت مین باعتبار درجہ عقل و شعور یا علم و فضل یا شرافت خاندان یا مقدرت اگر اختلاف ہو تو وہ ایک سبب معقول اِسکا ہو گا کہ ولی اُس عورت کے نکاح پر اعتراض کرے جو خود شرعاً اپنا نکاح کر سکتی ہو۔ مثلاً کوئی عورت اپنے خاندان کے ایک نوکر کے ساتھ پوشیدہ نکاح کر لے تو ولی کی استدعا سے قاضی اُس نکاح کو منسوخ کر دیگا اور اختلاف مذہب کی وجہ سے بھی نکاح پر اعتراض ہو سکتا ہے۔ مگر جب عورت کسی غیر کفو مرد سے نکاح کر لے تو وہ نکاح مع اپنے تمام نتائج کے بحال خود باقی رہیگا تاوقتیکہ اسکو قاضی فسخ کرے[1]

---

[1] فتاوائے قاضیخان صفحہ ۳۰۶ و ۳۰۹ ۔ هذا التفريق لا يتم الا بقضاء القاضي وقبل القضاء النكاح قائم بجميع احكامه من الطلاق والتوارث ۱۲ ۔ منہ

صرف قاضی کو یہ اختیار ہے کہ عدم کفاءت یعنی شوہر اور زوجہ کے غیر کفو ہونے کی وجہ سے نکاح کو منسوخ کردے۔ مگر زن و شوہر مین جدائی جو قاضی کے حکم سے ہو وہ بمنزلہ طلاق نہین ہے۔ پس اگر زفاف نہوا ہو تو عورت مہر کی مستحق نہوگی۔ لیکن اگر زفاف ہوچکا ہو یا خلوت صحیحہ ہوچکی ہو تو شوہر کل مہر کا اور زمانہ عدہ مین زوجہ کے نان و نفقہ کا بھی ذمہ دار ہوگا[1]

اگر ولی تنسیخ نکاح بوجہ عدم کفاءت کی نالش کرنے مین تاخیر کرے تو اُسکا ایسی نالش کرنے کا حق نہین زائل ہوجائیگا[2]۔ لیکن اگر زوجہ کو شوہر سے اولاد ہوچکی ہو تو زوجہ کے اولیا د شرعی اُسکے نکاح کو بعلت عدم کفاءت منسوخ کرالینے کے مستحق نہونگے[3]۔

جب ولی نے ایک دفعہ قول یا فعل سے نکاح کی اجازت دیدی ہو تو اُسکو عذر کرنے کا حق بالکل نہ باقی رہیگا یا جب ایک ولی نکاح کی اجازت دیچکا ہو تو اور کوئی ولی عذر یا اعتراض نہین کرسکتا سوائے اُس ولی کے جو درجہ مین اُس سے برتر ہو[4]۔

اعتراض کرنے کا حق عورت کے عصبات کو خاصۃً حاصل ہے اُسکے ذوی الارحام کو نہین حاصل ہے[5]۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا برٹش انڈیا کی عدالتین اُس نالش کی سماعت کرینگی جو کوئی حنفی مذہب باپ بعلت عدم کفاءت کو دلیل گردانکر اُس نکاح کو منسوخ کرانے کی دائر کرے جو اُسکی دختر بالغہ نے کرلیا ہو۔

اگر شوہر و زوجہ میں سے ایک مرجائے اور اُسکی وفات کے بعد قاضی حکم تنسیخ نکاح صادر کرے تو جو اُنمین سے زندہ رہگیا ہے وہ متوفی کی میراث کا مستحق اُسی طرح سے ہوگا جیسا معمولی صورتون[6] مین ہوتا ہے۔

---

[1] فتاوی عالمگیری صفحہ ۴۱۲۔ فتاوی قاضیخان صفحہ ۱۰۴۔ فصول عمادیہ۔ کنز الدقائق۔ ۱۲ منہ [2] فتاوی قاضیخان صفحہ ۱۰۴۔ ۱۲ منہ [3] فتاوی عالمگیری صفحہ ۴۱۳۔ ۱۲ منہ [4] فتاوی عالمگیری جلد ۱ صفحہ ۴۱۳ مین لکھا ہے کہ اگر ولی مہر کو لے لے اور جہیز مہیا کرے تو یہ بمنزلہ اُسکی اجازت کے ہوگا ۱۲ منہ [5] فصول عمادیہ۔ [6] فتاوی قاضیخان صفحہ ۴۰۲ و ۴۰۶۔ ۱۲ منہ

خیار البلوغ یعنی وہ اختیار جو بلوغ سے حاصل ہوتا ہے

جواز اُس نکاح کا جو باپ اور دادا کے سوا نابالغ کے اور کسی ولی شرعی نے کردیا ہو ثابت نہین ہوتا تاوقتیکہ طرفین بعد بلوغ اُسکی تصدیق نہ کردین اور مرد کو تصدیق صریحی کرنی پڑیگی مگر عورت کو اختیار ہے کہ تصدیق صریحی کرے یا ضمنی[1]۔ بعد بلوغ طرفین کو اختیار ہے کہ جو نکاح اُنکی نابالغی کے زمانہ مین ہوا تھا اُسکو قائم رکھین یا منسوخ کردین۔

سُنیون کے مذہب مین یہ ہے کہ طرفین جب حق خیار البلوغ کو عمل مین لاکر نکاح کو فسخ کرنا چاہین تو قاضی کا حکم لے لینا ضرور ہے اور جبتک قاضی کا حکم نہ لیا جاوے اُسوقت تک نکاح بجال خود باقی رہیگا۔ پس اگر قاضی کا حکم حاصل کرنے کے پیشتر شوہر یا زوجہ مرجائے تو جو زندہ رہگیا ہے وہ متوفی کی میراث پائیگا[2]۔

اس مسئلہ مین سنی اور شیعہ مین اختلاف عظیم ہے۔ شیعون کا قول یہ ہے کہ جو نکاح نابالغ کی طرف سے باپ یا دادا کے سوا کسی شخص غیر مجاز نے کردیا ہو یعنی عقد فضولی اُسوقت تک بالکل معطل رہتا ہے جبتک کہ طرفین بعد بلوغ اُسکے اپنی رضامندی ظاہر کرین یعنی ایسے عقد پر کوئی نتیجہ شرعی نہین مترتب ہوتا تاوقتیکہ اُسکی تصدیق نہ کردیجائے اور اگر شوہر یا زوجہ ایسے نکاح کو تصدیق کرنے سے پیشتر مرجائے تو نکاح فسخ ہوجائیگا اور جو اُنمین سے زندہ رہگیا ہے وہ متوفی کی میراث نہ پائیگا[3]۔

یہ بھی اس مقام پر عرض کیا جاتا ہے کہ شیعون کے مذہب مین سوائے باپ اور دادا کے جو کوئی شخص نابالغ کا نکاح کردے وہ فضولی سمجھا جائیگا۔ اور جو نکاح کسی فضولی نے کردیا ہو وہ باپ یا دادا کی رضامندی سے جائز ہوسکتا ہے اگر وہ حاضر ہون اور اذن نکاح شرعاً دے سکتے ہون یا یہ کہ نابالغ بعد بلوغ خود اسکی تصدیق کردے[4]۔

---

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۰۳۔ ہدایہ مین لکھا ہے کہ باکرہ کی رضاے ضمنی سے اسکا خیار البلوغ زائل ہوجاتا ہے مگر مرد کا خیار البلوغ نہین زائل ہوتا تاوقتیکہ وہ قول یا فعل سے رضامندی ظاہر کرے ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۰۵-۱۰۴۔ ۱۲ منہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۰۲۔ ۱۲ منہ [3] مفاتیح۔ جامع الشتات ۱۲ منہ [4] جامع الشتات ۱۲ منہ۔

اسباب تنسیخ نکاح

جب متناکحین مین سے کوئی ایسے مرض مین مبتلا ہو جو مانع زفاف ہو مگر دوسرے فریق کو یہ بات نہ معلوم ہو تو یہ فریق تنسیخ نکاح کا دعوے کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سُنی اور شیعہ مین اختیار تنسیخ نکاح بوجوہ مذکورہ بالا مین بڑا اختلاف ہے اور اسمین بھی اختلاف ہے کہ تنسیخ نکاح کے لیے کیا کارروائی کرنی چاہیئے۔ تنسیخ نکاح کی کارروائی کا ذکر تو باب آیندہ مین کیا جائیگا۔ اِس مقام پر صرف اسباب تنسیخ نکاح جو سنی اور شیعہ کے متفق علیہ ہین بیان کیے جاتے ہین۔

فریقین کا اتفاق ہے کہ اگر نکاح کے وقت منکوحہ نہ جانتی ہو کہ ناکح عنین محض ہے اور علاج پذیر نہین ہے تو اُسکے لاعلاج نامردی کو دلیل گردانکر زوجہ[1] طلاق طلب کرسکتی ہے یہ اصول اُن اشخاص پر جو ضعف بدنی کی وجہ سے نامرد ہوگئے ہون اور اُن اشخاص پر جو عضو تناسل کو خود قطع کر ڈالنے یا اُسکے قطع ہو جانے کی وجہ سے نامرد ہوگئے ہون برابر صادق آتا ہے۔ لیکن پہلی صورت مین اگر نامردی صرف عارضی اور علاج پذیر ہو تو وہ سبب کافی تنسیخ نکاح کا نہین ہے۔

اہل سنت کے نزدیک اگر شوہر زوجہ سے وطی کرنے پر قادر نہو گو اور عورت پر قادر ہو تو بھی زوجہ طلاق کی مستحق ہے۔ مگر شیعون کے نزدیک اگر شوہر صرف زوجہ ہی کے زفاف پر قادر نہو اور عورت پر قادر ہو تو زوجہ طلاق نہین مانگ سکتی۔

فریقین کے نزدیک زوجہ اُس صورت مین طلاق کی مستحق نہین ہے جب شوہر بعد زفاف نامرد ہوگیا ہو اور اُس صورت مین بھی مستحق طلاق نہین ہے جب اُسکو نامرد جانکر اُسکے ساتھ عقد کر لیا ہو۔

---

[1] یہود و نصاریٰ دونون کی شرع مین یہی ہے اور قانون انگلستان کے بموجب بھی یہی ہے کہ اگر نکاح کے وقت سے شوہر نامرد ہو تو زوجہ طلاق مانگنے کی مستحق ہے ۱۲ منہ ۵۳ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۰۷ – ۱۲ منہ ۵۴ شرائع الاسلام صفحہ ۲۷۸ – ۱۲ منہ ۵۵ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۰۹ – فصول عمادیہ – فتاوائے قاضیخان صفحہ ۹۹ – شرائع الاسلام صفحہ ۲۹۸ جامع الشتات

شرع محمدی میں حق تنسیخ نکاح طرفین کو بعلت کسی عیب جسمانی کے جو مانع جماع ہو اور بعلت برص و جنون و دا الفیل دیا گیا ہے۔ مگر ہدایہ میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ اگر شوہر مجنون یا مبروص یا مجذوم ہو تو زوجہ کو اختیار طلاق مانگنے کا نہیں حاصل ہے گو مولفین[۱] فتاوائے عالمگیری اور دیگر متاخرین نے اس قول کو نہیں اختیار کیا ہے بلکہ فتاوائے عالمگیری میں صاف لکھا ہے کہ اگر شوہر کا جنون لاعلاج ہو تو زوجہ تنسیخ نکاح کا دعوے کر سکتی ہے اور اس صورت میں بھی وہی کارروائی کیجائیگی جو اُس صورت میں کیجاتی ہے جبکہ شوہر عنین محض ہو اور لاعلاج ہو۔ علی ہذا القیاس اگر زوجہ ہمیشہ مجنونہ رہے تو شوہر تنسیخ نکاح کا دعوے کر سکتا ہے۔ ایسی سب صورتوں میں حکم شرع یہ ہے کہ شوہر تنسیخ نکاح کا دعوے اُسوقت کر سکتا ہے جبکہ زوجہ قبل نکاح کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو چکی ہو[۲]۔ اگر وہ بیماری اسکو بعد نکاح لاحق ہوئی ہو تو شوہر تنسیخ نکاح کا دعوے نہیں کر سکتا۔

شیعوں کے مذہب میں سنیوں کے مذہب سے زیادہ زوجہ کو تنسیخ نکاح کا دعوے کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ شیعوں کے نزدیک زوجہ شوہر کے جنون کو عذر گردان کر تنسیخ نکاح کا دعوے کر سکتی ہے خواہ وہ جنون دائمی ہو خواہ اتفاقی اور خواہ قبل نکاح خواہ بعد نکاح ہو گیا ہو[۳]۔ لیکن اگر زوجہ مجنونہ ہو تو شوہر تنسیخ نکاح کا دعوے جبھی کر سکتا ہے کہ جب زوجہ کا جنون دائمی ہو اور قبل نکاح عارض ہو چکا ہو۔ زوجہ کے اتفاقی جنون سے گو اُسکے دورے متواتر آتے ہوں شوہر کو تنسیخ نکاح کا حق نہیں حاصل ہوتا[۴]

اُن سب صورتوں میں جنکا ذکر کیا گیا طرفین کو صرف اختیار تنسیخ نکاح حاصل ہے۔ یعنی جب زوجہ یا شوہر کو معلوم ہو جائے کہ اُنمیں سے ایک اِس قسم کے مرض میں مبتلا ہے تو اُنکو اختیار ہے کہ نکاح کو قائم رکھیں یا منسوخ کر دیں۔ اگر منسوخ کرنا منظور ہو تو حق تنسیخ نکاح

[۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۷۔۱۲ امنہ [۲] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۵۴۔۱۲ امنہ [۳] شرائع الاسلام صفحہ ۲۰۷۔۱۲ منہ
[۴] جامع الشتات ۱۲ امنہ۔

حتی الامکان بہت جلد عمل مین لایا جائے۔ اسواسطے کہ اگر اس حق کو عمل مین لانے مین تاخیر بیجا ہوگی تو یہی گمان ہوگا کہ طرفین نے اُس حالت کو قبول کرلیا ہے یا حق تنسیخ سے دست بردار ہوگئے ہین۔

اگر متناکحین مین سے ایک کو دوسرے نے تدلیس یا غلط بیانی کرکے نکاح پر آمادہ کرلیا ہو تو شوہر یا زوجہ کو تنسیخ نکاح کا اختیار ہے اور شیعون کے نزدیک جب شوہر یا زوجہ اُس تدلیس سے واقف ہوجائے تو خود اُس نکاح کو بلا تکلف منسوخ کرسکتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے تئین حلالی بیان کرے اور بعد اُسکے حرامی ثابت ہو یا اگر شوہر اپنے نسب کو غلط بیان کرے اور اپنے تئین زوجہ کا کفو بتائے حالانکہ اُس سے بہت پست مرتبہ ہو تو زوجہ کو حق تنسیخ نکاح حاصل ہے[۱]

اہل[۲] سُنت کے نزدیک[۳] اگر عورت فریب دینے کے لیے اپنے تئین اُس سے زیادہ عالی تبار اور عالی نسب بیان کرے جتنی وہ واقع مین ہو اور اِسطرح سے شوہر کو نکاح پر راغب کرے تو جب شوہر اِس فریب سے آگاہ ہوجائے تب اُسکو تنسیخ نکاح کا اختیار نہو گا۔ مگر شیعون[۴] کے نزدیک شوہر اور زوجہ دونون کو ایسی صورت مین اختیار تنسیخ نکاح بدرجہ مساوی حاصل ہے۔

جب کوئی شخص کسی عورت سے اِس شرط سے نکاح کرے کہ وہ آزاد ہے اور وہ عورت کسی کی لونڈی نکلے یا کوئی عورت کسی مرد سے باین شرط عقد کرے کہ وہ آزاد ہے اور وہ غلام ثابت ہو تو دونون کو یعنی ایک صورت مین زوجہ کو اور دوسری صورت مین شوہر کو حق تنسیخ نکاح حاصل ہے[۵] سنیون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر عورت نے خود نکاح کرلیا ہو تو اُسکو اختیار تنسیخ نکاح نہین

---

[۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۱۴۔ شرایع الاسلام صفحہ ۲۶۹۔ ۱۲منہ [۲] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۱۴۔ ۱۲منہ
[۳] شرایع الاسلام صفحہ ۲۹۰۔ ۱۲منہ [۴] شرایع الاسلام صفحہ ۲۹۰۔ جامع الشتات۔ مفاتیح۔ ۱۲منہ

حاصل ہے گو اُسکے ولی کو یہ حق حاصل ہے کہ عدم کفات کا اعتراض اُسکے نکاح پر کرے۔

شیعون کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی عورت سے اِس شرط سے نکاح کرے کہ وہ باکرہ ہے مگر اُسکو باکرہ نپائے تو اختیار تنسیخ نکاح نہین رکھتا ہے۔ مگر علماے اہل سنت نے اِس مسئلہ مین اختلاف کیا ہے اور بعض فقہا نے شیعون سے اتفاق کیا ہے اور بعض نے یہ لکھا ہے کہ اگر شوہر سے تدلیس یا فریب کیا گیا ہے تو وہ اختیار تنسیخ نکاح رکھتا ہے۔

شیعون کے نزدیک اگر باپ اپنی حلال زادی لڑکی کا عقد کسی شخص کے ساتھ کرنے کا اقرار کرے مگر اُسکے بدلے اپنی حرام زادی لڑکی کا عقد اُسکے ساتھ کردے تو شوہر اختیار تنسیخ رکھتا ہے۔ یا جب لڑکی کا باپ اُسکے شوہر کو دھوکھہ دیکر دوسری لڑکی کا نکاح اُسکے ساتھ کردے تو شوہر تنسیخ نکاح کا اور جو تحائف اُسنے زوجہ کو دیے ہون اُنکو واپس کر لینے کا مستحق ہے[۱]۔

اِن سب صورتون مین جب تنسیخ نکاح بموجب اُس اختیار کے عمل مین آئے جو شوہر و زوجہ دونون کو دیا گیا ہے تو اُن دونون کی جدائی وہی اثر پیدا کرگی جو طلاق سے پیدا ہوتا ہے پس جس صورت مین زفاف صریحی یا ضمنی ہوا ہو اُس صورت مین زوجہ مہر کی مستحق ہوگی۔

مرتد ہوجانے کا اثر نکاح پر

شرع محمدی مین یہ حکم ہے کہ اگر شوہر مسلم یا زوجہ مسلمہ مرتد ہوجائے یعنی اسلام کو ترک کرکے دوسرا مذہب اختیار کرلے تو ارتداد سبب فسخ نکاح کا ہوگا۔ مگر جو ایکٹ اُن لوگون کی شادی کے باب مین جاری ہوا ہے جو کرسٹان ہوجاتے ہین اُسکے بموجب شرع شریف کے اس حکم مین کچھ تغیر ہوگیا ہے۔ اِس ایکٹ کا منشا یہ ہے کہ اگر کوئی شوہر مرتد ہوجائے تو بھی وہ یہ استدعا کرسکتا ہے کہ اُسکی زوجہ تعلقات زوجیت اُسکے ساتھ قائم رکھے اور اگر زوجہ انکار کرے تو شوہر اُس سے طلاق لینے کی نالش کرسکتا ہے۔

اگر مرتد کی زوجہ اُسکے ارتداد کے بعد بھی اُسکے ساتھ رہنے پر راضی ہو تو حکم شرع کچھ

---

[۱] جامع الشتات مین بہت سی مثالین تدلیس کی لکھکر اس مسئلہ مین خوب بحث کی ہے ۔ ۱۲ منہ ۔

کام نہ آئیگا اور اس ایکٹ کے بموجب اسکا نکاح جائز رہیگا گو اسکا قانونی اثر شرع محمدی کے موافق نہوگا بلکہ اور اصول کے موافق ہوگا۔ لیکن اگر زوجہ شوہر کے مرتد ہوجانے کے بعد اسکے ساتھ رہنے سے انکار کرے تو اسکا نکاح شرع محمدی اور اس ایکٹ کے رو سے بھی منسوخ ہوجائیگا۔

دین اسلام قبول کر لینے سے فسخ نکاح شرعاً نہیں لازم آتا۔ یعنی اگر کوئی یہودی یا نصرانی مسلمان ہوجائے اور اسکی زوجہ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے تو ان دونوں کا نکاح شرعاً جائز اور واجب العمل باقی رہیگا۔ لیکن اگر کوئی مشرک یا بت پرست زوجہ مشرکہ رکھتا ہو اور مسلمان ہوجائے تو ان دونوں کا نکاح فسخ ہوجائیگا الا اینکہ وہ عورت بھی مسلمان ہوجائے۔ علی ہذا القیاس جب کوئی یہودیہ یا نصرانیہ جسکی شادی اسکے ہم مذہب سے ہوئی ہو دین اسلام اختیار کرلے تو اسکا نکاح فسخ ہوجائیگا الا اینکہ اسکا شوہر بھی اسکی تقلید کرے۔

حاشیہ ۱۔

اگر کوئی شخص کسی عورت سے مرتکب زنا محصنہ یا غیر محصنہ کا ہو تو حنفیہ اور شیعہ دونوں کے نزدیک اس عورت کی ماں و بیٹی اس شخص پر حرام ہوجائیگی۔ مگر شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسا نہوگا۔

حنفیہ کے نزدیک آدمی چار لونڈیوں سے نکاح کرسکتا ہے۔ مگر شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک صرف ایک لونڈی سے عقد کرسکتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک غلام صرف دو نکاح کرسکتا ہے۔ مگر شافعیہ اور مالکیہ اور شیعہ کے نزدیک غلام چار نکاح کرسکتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک آزاد عورت سے نکاح کرنے کے بعد لونڈی سے عقد کرنا جائز نہیں ہے۔ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسا نکاح کرنا جائز ہے بشرطیکہ زوجہ اذن دیدے۔

حاشیہ نمبر ۲

بمقدمہ بدر النساء بی بی بنام کفایت اللہ (لا رپورٹ بنگالہ جلد ۷ صفحہ ۴۴۲) یہ تجویز ہوا تھا

کہ جب شوہر نے نکاح کے وقت زوجہ سے یہ اقرار پوشیدہ کر لیا ہو کہ اگر تمھارے حین حیات اور بغیر تمھارے اذن کے دوسرا نکاح کرونگا تو تم طلاق لے لینا تو اس صورت مین یہ ثابت ہو جانے پر کہ شوہر نے بغیر اوسکے اذن کے دوسرا نکاح کر لیا ہے زوجہ طلاق کی مستحق ہے کیونکہ ایسا اقرار شرعاً جائز ہے۔

نوان باب۔

شوہر و زوجہ کے حقوق و فرائض ۔ قدیم رسوم۔ نان و نفقہ ۔ شوہر کی غیبت ۔ زن و شوہر کا مسکن

جو حقوق و فرائض تزویج سے پیدا ہوتے ہین وہ شرع محمدی مین بعبارت صریح و واضح اور بتاکید تمام مقرر کر دیے گئے ہین۔ قبل شریعت اسلام مشرکین عرب مین عورتین کوئی حیثیت قانونی نہین رکھتی تھین۔ بلکہ زمانہ جاہلیت مین [illegible] اور یہود کی شریعت کے موافق عورت [illegible] سمجھی جاتی تھی۔

قرآن مجید نے عورتون کی حالت مین انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اور شاید تاریخ قانون عالم کی تاریخ مین [illegible] مرد اور عورت مین مساوات کا اصول اول مرتبہ تسلیم کر لیا گیا اور عمل مین لایا گیا چنانچہ قرآن مجید مین لکھا ہے کہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (سورہ بقر آیت ۲۲۶) یعنی عورتون کو اپنے شوہرون سے ویسا ہی حسن سلوک کرنا چاہیئے جیسا انکے شوہرون کو انکے ساتھ کرنا چاہیئے۔

اس آیہ وافی ہدایہ کی تائید خود رسول اللہ صلعم نے اس خطبۂ بلیغ مین فرمائی ہے جو حجۃ الوداع کے بعد آپ نے جبل العرفات پر فرمایا تھا۔ اسمین آپ فرماتے ہین کہ "ایہا الناس تمھارے حقوق تمھاری بیبیون پر ہین اور تمھاری بیبیون کے حقوق تم پر ہین"۔ پس ان احکام نبی کے موافق شرع محمدی مین شوہر اور زوجہ مین مساوات تمام تعلقات و انتظامات خانگی کا اصل اصول قرار دیا گیا ہے۔ اور طرفین کو تاکید کی گئی ہے کہ تعلق زوجیت مین ایک دوسرے

وفاداری کرے - اور بیوفائی کے نتائج شوہر اور زوجہ دونون کے حق مین ایک ہی قسم کے ہین - مرد[1] اور عورت دونون کو عفت اور پاکدامنی کا حکم ہے

شوہر[2] پر فرض ہے کہ اپنی زوجہ اور اسکے نوکرون کو نان و نفقہ دے خواہ وہ نوکر مسلم ہون خواہ غیر مسلم - یہ فرض شوہر کا اُسوقت نافذ ہوتا ہے جب خود نکاح نافذ ہوتا ہے اور زوجہ شوہر کے قبضہ اختیار مین آجاتی ہے - اور یہ فرض تمام زمانہ زوجیت مین اور بعض صورتون مین قطع زوجیت کے بعد بھی باقی رہتا ہے -

زوجہ کے نفقہ مین ہر چیز داخل ہے جو اُسکے گذارہ اور راحت سے متعلق ہو مثلاً کھانا کپڑا مکان وغیرہ - اور یہ سب زوجہ کے خاندانی[3] مرتبہ کے موافق مہیا کرنا چاہئیے -

زوجہ صرف اُس معنی سے نفقہ کی مستحق نہین ہے جو زبان انگریزی مین مراد لیجاتی ہے بلکہ ایک مکان خاص کا اپنی سکونت کے لیے دعوے کرسکتی ہے جو شوہر کے مقدور کے موافق اُسکے لیے مہیا کیا جائے -

اگر زوجہ نابالغ ہو اور قابل زفاف نہو تو حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک اُسکو نفقہ دینا شوہر کو شرعاً واجب[4] نہین ہے -

شافعیہ[5] کے نزدیک زوجہ کے بالغ یا نابالغ ہونے سے شوہر کے نفقہ دینے کے

---

[1] مسلمانون کے اخلاقی قانون کا حکم یہ ہے کہ آنکھ کی بے عفتی واقعی بے عفتی سے بھی زیادہ لائق مواخذہ ہے - اور یہ حکم یکطرفہ نہین ہے یعنی مرد اور عورت دونون سے برابر متعلق ہے ۱۲ منہ

[2] فتاوے قاضیخان جلد ۱ صفحہ ۷۴ مین لکھا ہے کہ شوہر کو اپنی زوجہ کو نان و نفقہ دینا واجب ہے خواہ وہ مسلمہ ہو خواہ ذمیہ خواہ امیرہ ہو خواہ غریب خواہ صغیرہ ہو خواہ کبیرہ ۱۲ منہ

[3] فتاوے عالمگیری صفحہ ۳۰۷ - فتاوے قاضیخان - جامع الشتات فصول عمادیہ - مفاتیح - ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۹ ۳ - ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۴۰ مین لکھا ہے کہ ۲۲ کہ شوہر کو واجب ہے کہ ایک علیحدہ حجرہ زوجہ کے رہنے کے لیے مقرر کردے جو صرف اُسی کے تصرف مین بلا شرکت غیر رہے اسواسطے کہ ایسے حجرہ کی ضرورت اُسکو ہے اور اُسکا حق اسی طرح لازمی ہے جسطرح نفقہ کا لازمی ہے اور کلام اللہ مین اُسکے لیے نفقہ اور مکان دونون مقرر کیا گیا ہے ۱۲ منہ

[4] فتاوے عالمگیری صفحہ ۳۰۷ - کنز الدقائق - ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۴۹ ۳ - جامع الشتات - ۱۲ منہ

[5] کتاب الانوار - ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۴۹ ۳ - ۱۲ منہ

وجوب مین کچھ فرق نہین پڑتا۔

حنفیہ[1] اور شیعہ کے نزدیک شوہر اُس زوجہ نابالغہ کی ذات کی حراست کا مستحق نہین ہے
جسکو اُسے نفقہ دینا فرض نہین ہے۔

اگر زوجہ[2] بالغہ اور شوہر نابالغ ہو اور زفاف شوہر کے عدم بلوغ کی وجہ سے نہو سکے تو بھی زوجہ نفقہ کی مستحق ہے
اِس بات سے شوہر کے نفقہ دینے کے وجوب مین کچھ فرق نہین پڑتا کہ وہ تندرست ہے یا بیمار اور
اسیر جنگ ہے یا کسی جرم کی سزا حق یا ناحق پا رہا ہے اور مکان سے کہین کام کو یا تفریح کے
لیے چلا گیا ہے یا حج یا زیارت[3] کو گیا ہے۔ فی الواقع جبتک نکاح باقی رہے اور جبتک
زوجہ شوہر کے اختیار مین رہے اُسوقت تک زوجہ اُس سے نفقہ پانے کی مستحق ہیگی
اور اگر زوجہ کسی مرض مین مبتلا ہو تو بھی اُسکا نفقہ کا حق نہین زائل[4] ہوتا۔

جب شوہر اپنے مکان سے چلا جائے اور زوجہ کے نفقہ کا کچھ انتظام نہ کر جائے تو
قاضی شرعاً مجاز ہے کہ یہ حکم صادر کرے کہ زوجہ کا نفقہ کسی سرمایہ یا جائداد سے دیا جائے
جو اُسکا شوہر چھوڑ گیا ہو یا کسی تجارت[5] یا کام مین لگا گیا ہو۔

شوہر کی غیبت[6] مین زوجہ قرض لیکر اپنا نفقہ مہیا کر سکتی ہے اور اگر ایسا قرضہ جائز ہو
اور زوجہ نے اپنے گذارہ کے لیے نیک نیتی سے لیا ہو تو قرضخواہ اُسکے شوہر کی جائداد سے
وہ قرضہ لے سکتے ہین۔

اِسی طرح سے اگر شوہر کسی وقت خاص مین زوجہ کو نفقہ نہ دے سکے تو ہدایہ مین
لکھا[7] ہے کہ وہ یہ سبب طلاق کا نہوگا مگر قاضی یا حاکم وقت زوجہ کو حکم دے سکتا ہے کہ اپنے
شوہر کے نام سے قرض لیکر اپنی حوائج ضروریہ کو رفع کرلے اور شوہر اُس قرضہ کا ذمہ دار رہیگا۔

---

[1] نظیر مقدمہ محمد یحییٰ بنام بی بی اللہ پوری بنگالہ جلد ۵ صفحہ ۷۰۵ ۱۲ منہ [2] ہدایہ ترجمہ انگریزی صفحہ ۳۹۵ - فصول العمادیہ - فتاوی قاضیخان صفحہ ۴۰۰ - جامع الشتات - ۱۲ منہ [3] فتاوے عالمگیری صفحہ ۷۲۳ - ۱۲ منہ [4] فتاوے عالمگیری صفحہ ۴۴۰ جامع الشتات [5] فتاوے عالمگیری صفحہ ۷۱۵ - ۱۲ منہ [6] نیل المرام ۱۲ منہ [7] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۲۹۷ - ۱۲ منہ -

جب شوہر غیر حاضر ہوا ور جائداد غیر منقولہ زوجہ کے قبضہ مین یا اُسکی طرف سے اور شخص کے قبضہ مین چھوڑ گیا ہو تو زوجہ اُس جائداد کو اپنے گذارہ کے لیے فروخت نہین کرسکتی گو اُس جائداد پر چند روز کے لیے قرض لے سکتی ہے اور شوہر کو وہ قرضہ ادا کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہ جائداد اُسکے اور اُسکی اولاد کے نفقہ کے واسطے نیک نیتی سے رہن رکھی گئی ہو اور جتنی ضرورت واقع مین ہو اُس سے زیادہ رہن نہ رکھی گئی ہو۔ ایسی صورت مین مرتہن پر فرض ہے کہ اپنا اطمینان کرلے کہ زر رہن جو دیا گیا ہے وہ غیر حاضر شوہر کے عیال کے نفقہ مین جائز طور[1] سے صرف کیا جاتا ہے۔

جب زوجہ اپنے شوہر کے گھر کو بغیر کسی سبب معقول کے چھوڑدے تو وہ نفقہ کی مستحق نہ رہیگی[2] محض نشوز یعنی نافرمانی سے زوجہ کا یہ حق نہین زائل ہوجاتا جیسا عوام الناس کو گمان ہے۔ یعنی اگر وہ شوہر کے گھر مین رہے مگر اُسکی اطاعت نہ کرے تو اُسکا حق نفقہ شرعاً نہین زائل ہوجاتا۔ البتہ اگر وہ بغیر کسی سبب معقول کے شوہر کے گھر سے اُسکے بلا اذن چلی جائے تو اُسکا حق نفقہ جاتا رہیگا مگر جب شوہر کے گھر مین پھر آئیگی تو پھر وہ حق قائم ہوجائیگا[3]۔

یہ امر قاضی کی رائے پر موقوف ہے کہ شوہر کے گھر سے چلے جانے کا سبب معقول کیا ہے عام اصول یہ ہے اور اسی اصول کو صوبہ الجیرس کے قاضیون نے اختیار کیا ہے کہ جب زوجہ اپنے شوہر کے گھر سے اسوجہ سے چلی جائے کہ شوہر اور اُسکے اقربا اُس سے ہمیشہ بدسلوکی کرتے ہون تو وہ زوجہ شرعاً ناشزہ نہ سمجھی جائیگی اور نفقہ کی مستحق رہیگی۔

جو عورت کسی جرم کے مواخذہ مین قید ہوگئی ہو یا نادہندی قرضہ[4] کی علت مین

---

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۳۳-۱۲ منہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۳۳۔ فصول عمادیہ۔ جامع الشتات ۱۲ منہ [3] فتاواے عالمگیری۔ جامع الشتات۔ کتاب من لایحضرہ الفقیہ ۱۲ منہ [4] اگر اسکو اسکے شوہر نے قید کرایا ہو تو اُسکا حق نفقہ نہین زائل ہوگا ۱۲ منہ

دیوانی کے جیلخانہ مین سزا پا رہی ہو یا سفر دریا یا حج کو بغیر اذن شوہر چلی گئی ہو وہ اپنے غیر حاضر کے زمانہ مین نفقہ کا دعوےٰ[1] نہین کر سکتی - مگر شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر وہ بلا اجازت شوہر حج واجب کو چلی گئی ہو تو نفقہ کی مستحق باقی رہیگی -

شوہر کی ذمہ داری نفقہ دینے کی کل مدت عدہ مین باقی رہتی ہے اگر طلاق شوہر کی کسی فعل کی وجہ سے ہوا ہو یا بتعمیل کسی حق کے ہوا ہو جو زوجہ کو حاصل ہے - مگر شوہر زمانہ عدہ مین زوجہ کو نفقہ دینے کا مکلف نہ رہیگا اگر طلاق زوجہ کی بدکرداری کی وجہ سے ہوا[2]

اگر طلاق کے وقت زوجہ حاملہ ہو تو اُسکا حق نفقہ پانے کا تا وضع حمل بعینہٖ قائم رہیگا -

ہدایہ کے فحوائے عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر کی وفات کے بعد جو زوجہ کو عدہ مین رہنا پڑتا ہے اُس عدہ کے زمانہ مین[3] وجہ نفقہ کی مستحق نہین ہے - مگر چونکہ قران مجید مین صاف لکھا ہے کہ "جو شخص تم مین سے مرجائے اور بیبیان چھوڑ جائے اُسکو چاہیے کہ اُنکا سال بھر کا نفقہ دے جائے" ۱۲ - لہذا بعض علما کا قول یہ ہے کہ زن بیوہ اپنے شوہر متوفی کی جائداد سے سال بھر کا نفقہ پانے کی مستحق ہے علاوہ کسی حصہ کے جو وہ اُسکی جائداد مین وراثتًا پائے - اور یہ حق اُسکو ہمیشہ حاصل رہتا ہے خواہ وہ مسلمہ ہو خواہ غیر مسلمہ -

اہل سنت عدہ شوہر کے وفات کی تاریخ سے لیتے ہین - مگر شیعہ عدہ اُس تاریخ سے شمار کرتے ہین جس تاریخ زوجہ کو اُسکی وفات کی خبر پہونچی ہو -

سنیون کے نزدیک زوجہ حاملہ کو بعد طلاق نفقہ دینے کی تکلیف شوہر سے اُسوقت ساقط ہو جاتی ہے جب وضع حمل ہو جائے - مگر شیعون کے نزدیک یہ تکلیف اُسی مدت تک بعد وضع حمل بھی باقی رہتی ہے جتنی مدت تک جب رہتی کہ اگر وہ حاملہ نہوتی -

اگر شوہر مجنون ہو تو شافعیہ کے نزدیک اور مولفین فتاواے عالمگیری کے قول کے

---

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۴۳ - ۱۲ منہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۴۸ - جامع الشتات - فتاواے قاضیخان صفحہ ۱۸۴ - ۱۲ منہ [3] ہدایہ صفحہ ۳۶۰ - ۱۲ منہ -

موافق زوجہ سال بھر نفقہ پانے کی مستحق ہے اور یہ میعاد قاضی مقرر کرکے یہ دریافت کیگا کہ اُسکا جنون علاج پذیر ہے یا نہین ہے۔ مالکیہ کے نزدیک زوجہ اسکی مستحق نہین ہے کہ شوہر کے مجنون ہو جانے کی وجہ سے طلاق طلب کرے اور معلوم ہوتا ہے کہ صاحب ہدایہ نے بھی اس مسئلہ مین مالکیہ سے اتفاق کیا ہے۔ پس اُس فرقہ کے نزدیک زوجہ کا حق نفقہ شوہر کے جنون کے زمانہ مین قائم رہتا ہے گو وہ زمانہ کیسا ہی ممتد یا طولانی ہو مگر شیعون کے نزدیک زوجہ طلاق کی مستحق ہے اگر اُسکے شوہر کا جنون لاعلاج ہے۔ پس اگر وہ اس حق کو عمل مین لاکر طلاق لے لے تو اُسکا حق نفقہ زائل ہو جائیگا۔

شوہر کا مسکن

شرع محمدی مین یہ احکام بالتصریح موجود ہین کہ (۱) زوجہ پر اپنے شوہر کے ساتھ رہنا فرض ہے اور جہان وہ جائے وہان اُسکے ساتھ جانا بھی فرض ہے (۲) اگر زوجہ بغیر کسی سبب کافی یا وجہ وجیہ کے اِس سے انکار کرے تو شوہر استرداد حقوق زوجیت یعنی زوجہ کو رخصت کرا پانے کی نالش دائر کرے۔ اُسوقت حاکم عدالت زوجہ کو حکم دے کہ شوہر کے ساتھ جاکر رہے[1]۔

زوجہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنے سے مثلاً ایسے وجوہ سے نہین انکار کرسکتی کہ۔

(۱) وہ اپنے مان باپ کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔

(۲) جس مکان مین اُسکا شوہر رہتا ہے وہ اُسکے باپ کے مکان سے دور ہے۔

(۳) وہ اپنے مولد سے دور رہنا نہین چاہتی ہے۔

(۴) آب وہوا اُس مقام کی جہان اُسکے شوہر نے سکونت اختیار کی ہے غالباً اُسکو مضر ہوگی

[1] بعض علما کا قول یہ ہے کہ زوجہ شوہر کے ساتھ جانے سے اُسوقت انکار کرسکتی ہے جب وہ ایسے ملک مین جانا چاہے جو اُس ملک سے جہاکی رہنے والی زوجہ ہو برسرجنگ ہو۔ یہ معنی اس قول کے ہوسکتے ہین کہ زوجہ اپنے شوہر کے ہمراہ دارالحرب مین جانے سے انکار کرسکتی ہے۔ ۱۲ منہ۔

(۵) اُسکو شوہر سے نفرت کلی ہے۔

(۶) شوہر اُس سے بدسلوکی کرتا ہے زناً وقتیکہ اُسکو ثابت نہ کردے اور جب ثابت کردیگی تو قاضی کو اُسے طلاق دلوا دینا شرعاً جائز ہو جائیگا۔

مگر زوجہ کو شوہر کے ساتھ رہنے کی تکلیف شرعی جو ہے وہ تکلیف مطلق نہین ہے۔ یعنی بعض ایسی صورتین بھی ہین جنمین زوجہ کو شوہر کے ساتھ رہنے سے انکار کرنا شرعاً جائز ہے۔ مثلاً اگر شوہر زوجہ سے اکثر بدسلوکی کرتا ہو یا مدت سے اُسکو چھوڑ دیا ہو یا اُس سے کہدیا ہو کہ میرے گھر سے نکل جا یا اُسکے گھر سے چلے جانے پر کچھ تعرض نہ کیا ہو تو شوہر زوجہ کو اپنے گھر مین دوبارا چلے آنے کا حکم نہین دے سکتا یا عدالت کے ذریعہ سے اُسکو اپنے ساتھ رہنے پر مجبور نہین کرسکتا۔ جو نالش استرداد حقوق زوجیت یعنی زوجہ کے رخصت دلا پانے کی دائر کیجائے اُسمین زوجہ کی طرف سے یہ جواب دہی شرعاً ہو سکتی ہے کہ شوہر اُس سے بدسلوکی کرتا ہے یا اُسکی خبرگیری مطلق نہین کرتا۔ مگر جب شوہر سے کوئی ایسا فعل ہوا ہو جس سے یہ اندیشہ ہو کہ اگر زوجہ اُسکے ساتھ اُس مقام پر چلی جائیگی جسکو اُسنے پسند کیا ہے تو بالکل شوہر کے بس مین آجائیگی اور اُسکی زد وکوب کا مانع کوئی نہوگا تو زوجہ پر شرعاً واجب نہین کہ جہان شوہر جائے وہان اُسکے ہمراہ چلی جائے۔ لیکن ساتھ ہی اسکے یہ بھی جائز ہے کہ نکاح کے وقت خاص شرائط زن وشوہر کی جاے سکونت کی نسبت کرلیے جائین۔ مثلاً اگر نکاح مین یہ شرط کرلیجائے کہ زوجہ ہمیشہ اپنی ماں باپ پاس رہا کریگی تو پھر شوہر اُسکو ماں باپ کا گھر چھوڑکر اپنے گھر مین رہنے پر مجبور نہ کرسکیگا۔ ایسی شرط کا عملدرآمد جبھی ہوتا ہے کہ جب نکاح نامہ مین

لہ اکثر یہ مثالین اُن مقدمات سے لیگئی ہین جنکا فیصلہ صوبہ الجیرس کے قاضیون نے کیا ہے۔ اور جو سائیرا صاحب اور ڈی منر دیل صاحب نے اپنی کتابون مین نقل کی ہین۔ مگر جو لوگ ہندوستان کی مسلمان عورتون کے طرز معاشرت سے آگاہ ہین وہ ان مثالون سے فوراً سمجھ جائینگے کہ ایسے ہی ایسے عذرات ہندوستان مین بھی نیچ قوم کی عورتین کرتی ہین اور اپنے شوہرون کے ساتھ رہنے سے انکار کرتی ہین۔ ۱۲ منہ

درج کرلیجاتی ہے۔ صرف اقرار زبانی اس باب مین شرعًا کافی نہین ہے ۔

لکن اگر زوجہ ایک مرتبہ بھی اس مقام سے چلی جلنے پر راضی ہوجاے جہان رہنے کا اقرار نکاح کے وقت شوہر سے لیا گیا تھا تو یہ سمجھا جائیگا کہ زوجہ اپنے اس حق سے دست بردار ہوگئی جو بموجب اُس شرط کے اُسکو حاصل ہوا تھا جو نکاح مین کرلی گئی تھی اور اُس مقام پہ سکونت قبول کرلے جو اُسکے شوہر نے پسند کیا ہے۔ اگر نکاحنامہ مین کوئی خاص جگہ لکھدی جاے کہ شوہر زوجہ کو اُس جگہ رکھیگا اور بعد ازآن معلوم ہو کہ ایسی جگہ پر ایک معزز عورت کو رہنا مناسب نہین ہے یا اگر زوجہ وہان رہیگی تو نقصان یا ضرر اُٹھائیگی یا یہ معلوم ہو کہ زوجہ کے مان باپ کا چال چلن اچھا نہین ہے تو شوہر اُس جگہ سے یا ایسے مان باپ کے گھر سے زوجہ کو زبردستی اور کہین لیجا سکتا ہے۔ اور شوہر اُس صورت مین بھی اپنی زوجہ کو اپنے ساتھ ایک مقام سے دوسرے مقام پر لیجا سکتا ہے جب اُسکو نقل مکان بمقتضی اپنے فرائض منصبی کے کرنا پڑے ۔

ڈی منورویل صاحب فرماتے ہین کہ ہر ایک مقدمہ جسمین امر متنازع فیہ شوہر و زوجہ کی جاے سکونت ہو اپنی خاص وداد پر موقوف ہے۔ عام اصول شرع محمدی کا اس باب مین وہی ہے جو اور قوانین کا ہے کہ زوجہ کو اپنے شوہر کے ساتھ رہنا فرض ہے الّا اُنکہ کوئی سبب معقول اُسکے انکار کا ہو۔ اِس سبب کا کافی یا غیر کافی یا جائز یا ناجائز ہونا قاضی کی راے پر موقوف ہے اور اُسکا تصفیہ کرنے مین قاضی طرفین کی آبرو اور حیثیت اور اُس ملک کے رسم و رواج کا ضرور لحاظ رکھیگا جس مُلک کے وہ باشندے ہون ۔

اولاد کی پرورش

قبل شیوع اسلام مشرکین عرب مین اولاد کو پرورش کرنا والدین پر فرض نہ تھا نہ صلہ رحم بجالانا یا ایک عزیز کو دوسرے عزیز کا تکفل کرنا واجب تھا۔ بلکہ برخلاف اسکے تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ جاہلیت مین جو قبل شایع ہونے دین اسلام اور شرع محمدی

کے جزیرہ نمائے عرب مین گذرا اور جسمین لوٹ مار اور خونریزی اس ملک مین شدت سے ہوتی تھی اولاد کے پیدا ہونے سے کچھ تکالیف و فرائض والدین سے نہ متعلق ہوتے تھے بلکہ اولاد اُناث یعنی لڑکیون[1] کا ہونا ایک بلائے عظیم سمجھا جاتا تھا اور لڑکیان زندہ دفن کردیجاتی تھین تاکہ وہ اپنے والدین کے قبیلہ پر ایک بارگران نہو جائین۔

شارع اسلام ؐ نے اس فعل قبیح کو حرام مطلق کردیا اور فرمایا کہ اولاد کو پرورش کرنا مان باپ پر فرض ہے مگر ساتھ اسکے یہ بھی فرمادیا کہ جب مان باپ سن رسیدہ اور ضعیف ہون اور خود اپنی بسر نکر سکتے ہون تو اولاد اپنی پرورش کی خود فکر کرے۔ اور اولاد کو والدین کا اعزاز و احترام کرنا فرض کردیا اور ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ مطیع و فرمانبردار اولاد اپنی مان کے قدم بقدم بہشت مین داخل ہوتی ہے"۔ اسی حدیث کو ایم پیرن صاحب اور سائیر اصحاب علمائے فرانسیسی نے فرمایا ہے کہ بہت بڑی فارق و ممیز ہے درمیان شرع محمدی اور شرائع سلف کے۔

ایسے ہی ایسے احکام شرع کے روسے اولاد کو پرورش کرنا اور اُنکو مناسب تعلیم دینا شرع شریف مین مان باپ پر فرض گردانا گیا ہے۔ اور یہ فرض باپ سے بالطبع متعلق ہے جیسا ہدایہ[2] مین بعبارت صریح و واضح لکھا ہے کہ اولاد نابالغ کی پرورش و پرداخت باپ پر موقوف ہے اور اس تکلیف مین کوئی شریک و سہیم اُسکا نہین ہے۔

سب تعدمات مین جو نابالغ اولاد کے نفقہ سے متعلق ہون خاص اُنکے فائدہ کا لحاظ رکھنا چاہئیے۔ جبتک باپ اُنکو نفقہ دینے کے قابل رہے اُسوقت تک اُسکو اُنکی پرورش و پرداخت واجب ہے اور جو قرض اولاد کے لیے کسی شخص نے لیا ہو وہ باپ کی جائداد سے ادا کیا جائیگا۔

---

[1] وَاِذَا الْمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ یعنی جب اُس لڑکی سے جو بیگناہ زندہ دفن کردی گئی تھی روز قیامت پوچھا جائیگا کہ وہ کس جرم پر مارڈالی گئی۔ ۱۲ قرآن مجید۔

[2] ہدایہ صفحہ ۴۰۸ - ۱۲ منہ

جو شخص اپنے قوت بازو سے اپنے عیال کے لیے نفقہ بہم پہونچا سکتا ہو اُسکو اُنکی پرورش کرنا واجب ہے گو وہ کیسا ہی غریب و نادار ہو یا کیسی ہی عسرت سے بسر کرتا ہو۔

اگر باپ اپنی اولاد حلالی یا حرامی سے عمداً غفلت کرے یا اُنکو چھوڑ دے اور باوجود مقدرت رکھنے کے اُنکو نفقہ نہ دے تو قاضی کو اختیار اُسکو سزا دینے کا ہے[1]۔

باپ اور اولاد کے اختلاف مذہب سے باپ سے جو اولاد کو نفقہ دینے کی تکلیف شرعی متعلق ہے اُسمین کچھ فرق نہین پڑتا[2]۔

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر باپ غریب اور ماں متموّل ہو تو نابالغ اولاد کو نفقہ دینے کی تکلیف ماں سے متعلق ہو جاتی ہے اور اُسکو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ آخر کو وہ نفقہ اپنے شوہر سے مجرا لے اگر چہ اُن لڑکون کا دادا بڑا مالدار ہو[3]۔

شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر باپ غریب ہو مگر دادا متموّل ہو تو اولاد کو نفقہ دینے کی تکلیف ابتدائً دادا سے متعلق ہوتی ہے ماں سے نہین متعلق ہوتی گو وہ کیسی ہی ذی مقدور ہو[4]۔

جب باپ اور ماں دونون غریب ہون مگر دادا ذی مقدور ہو تو پوتی پوتون کو پرورش کرنے کی تکلیف اُس سے متعلق ہوتی ہے۔ مگر اُسکو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ جسقدر روپیہ اُنکی پرورش مین صرف کیا ہے وہ سب اُنکے باپ سے وصول کرلے۔ لکن اگر باپ ضعیف و عاجز ہو تو دادا اسکا مستحق ہوگا کہ جو روپیہ اُسنے اپنے بیٹے کی اولاد کی پرورش مین صرف کیا ہے اُسکو وصول کرسکے[5]۔

اولاد ذکور کو نفقہ دینے کا فرض اُنکے بلوغ تک باقی رہتا ہے۔ بعد بلوغ باپ کو اُنکی پرورش کرنا واجب نہین ہے الّا اینکہ کسی بیماری یا نقص جسمانی کی وجہ سے وہ محنت و مشقت کرنے سے

---

[1] اس باب مین ایکٹ ۱۰ سنہ ۱۸۸۲ع - اور - ایکٹ ۹ سنہ ۱۸۸۲ع ملاحظہ ہون - ۲۳ سنہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۵۰۷ - ۲۳ سنہ [3] فتاواے عالمگیری صفحہ ۵۰۲ - ۲۱ سنہ [4] جامع الشتات ۱۲ سنہ [5] فتاواے عالمگیری صفحہ ۵۰۳ - ۲۲ سنہ -

معذور ہوگئے ہون یا تحصیل علم مین مشغول ہون - جب اولاد ذکور اتنے قوی و توانا ہون کہ
خود اپنی معاش حاصل کرسکتے ہون تو بھی باپ انھین کے گذارہ کے لیے اُنسے کوئی کام لے سکتا ہے
یا اُنسے محنت[1] و مزدوری کرا سکتا ہے -

اگر اولاد ذکور محنت کرنے کے قابل ہون مگر جو کام لینا اُنسے تجویز کیا ہے وہ اُنکے مناسب
حال نہو یا اُنکے خاندانی عزت کے خلاف ہو تو اُنکی نسبت بھی وہی حکم شرع ہے جو اُن لڑکون کی نسبت ہے
جو کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے محنت کرنے سے معذور ہون - الغرض صرف یہی نہین محنت کرنے کی
قابلیت کا لحاظ اولاد و والدین دونون کے خاندانی عزت کے اعتبار سے کیا جائیگا -
پس اگر باپ معزز خاندان سے ہو اور اولاد کو ناز و نعم سے پرورش کیا ہو تو ایسی اولاد سے کوئی ایسا کام نہین
لے سکتا جو فی نفسہ یا اپنے اوصاف کے اعتبار سے اُنکی آبرو کے خلاف ہو -

اگر پسر بالغ مشلول یا مفلوج یا اور کسی طرح سے معذور ہو تو اُسکو نفقہ دینے کی تکلیف
باپ سے متعلق ہے اور اگر وہ مجنون ہو تب بھی یہی ہے -

باپ کو اولاد اناث یعنی لڑکیون کی پرورش کرنا اُنکے نکاح کے زمانہ تک واجب ہے
بشرطیکہ وہ اپنی علیحدہ معاش کچھ نہ رکھتی ہون - مگر اُنکو کسی حال مین باجرت کام کرنے یا نوکری کرنے
کے لیے نہین بھیج سکتا -

نکاح کردینے سے باپ کی تکلیف بیٹی کو نفقہ دینے کی بالکل ساقط نہین ہوجاتی - اگر وہ
اپنی بیٹی کا نکاح کسی شخص سے کردے مگر یہ بات اُس سے پوشیدہ رکھے کہ اُسکی لڑکی کسی ایسے
مرض مین مبتلا ہے جس سے اُسکے شوہر کو فسخ نکاح کرنا شرعاً جائز ہوگیا ہے تو اس صورت مین
بحالت وقوع طلاق باپ اُسکے نفقہ دینے کا ذمہ دار ہوگا -

جو لڑکے اپنی ذاتی جائداد رکھتے ہون دودھ چھٹنے کے زمانہ سے اُنکی پرورش اُنسی جائداد سے
کیجاویگی - دودھ چھٹنے کے زمانہ تک اُنکو پرورش کرنا اور اُنکے لیے انا کھلائی وغیرہ

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۵۳ - فتاوائے قاضیخان صفحہ ۴۸۲ --- ۲ مسٹر

مقرر کرنا باپ پر فرض ہے[1]۔

جب باپ اولاد کی جائداد منقولہ کی نگہبانی سے کرے تو اسکو شرعاً واجب ہے کہ جو کچھ انکی جائداد سے بچ رہے اسکی حفاظت کرکے بعد بلوغ انکے حوالہ کردے۔ اگر باپ اس فرض کو ادا نہ کرسکے یا اس امانت میں خیانت کرے تو قاضی کو چاہیئے کہ لڑکون کی کمائی کسی معتبر شخص کے پاس رکھوا دے کہ جب وہ بالغ ہون تو انکو دیدے۔

باپ کو اپنے بیٹے کی زوجہ کو نفقہ دینا واجب ہے اگر اسکا بیٹا کم سن یا غریب یا بیمار ہو یا تحصیل علم میں مشغول ہو[2]۔

جب کوئی شخص کچھ جائداد چھوڑکر کسی اور ملک میں چلا گیا ہو تو قاضی اس جائداد میں سے اشخاص ذیل کو نفقہ دلا سکتا ہے بشرطیکہ وہ غریب ہون۔ (۱) زوجہ کو۔ (۲) اولاد ذکور کو اگر نابالغ ہون اور اپنی معاش خود نہ حاصل کرسکتے ہون۔ (۳) اولاد اناث کو خواہ بالغ ہون خواہ نابالغ (بشرطیکہ انکی شادی نہ ہوگئی ہو)۔ (۴) والدین کو[3]۔

عورت اپنے شوہر سے اولاد نابالغ کا نفقہ طے کرسکتی ہے لیکن اگر ایسا طے شدہ نفقہ اولاد کے حق میں مضر ہو تو زوجہ کو اسکی پابندی واجب نہوگی۔ علی ہذا القیاس اگر کوئی عورت طلاق کے وقت شوہر سے اقرار کرلے کہ اولاد اسی کے پاس رہیگی اور وہی انکی پرورش بلا اعانت کریگی مگر بعد ازان اس عورت کو معلوم ہو کہ افلاس کی وجہ سے اولاد کی پرورش وہ خود نہین کرسکتی تو شوہر اپنی اولاد کو نفقہ دینے پر شرعاً مجبور کیا جائیگا گو ایسی شرط طلاق کے وقت ہوچکی تھی۔

شوہر اس اولاد کی پرورش کا ذمہ دار نہین ہے جو اسکی زوجہ کو پہلے شوہر سے ہو الا اپنے نکاح کے وقت اسنے اسکی پرورش کا اقرار صریحی کرلیا ہو۔

اگر اولاد ذی مقدور ہو اور والدین عسرت و فلاکت مین مبتلا ہون تو اولاد کو انکا تکفل کرنا

---

[1] ہدایہ صفحہ ۱۰۱۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۷۰۔ فصول عمادیہ۔ جامع الشتات۔ جامع عباسی۔ [2] درسمہ[؟] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۵۳۷۔ [3] منہ۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۵۷۰۔ ہدایہ۔ [2] منہ

واجب ہے اور اس صورت میں اولاد کی ذمہ داری یکسان ہے خواہ والدین مسلم ہوں خواہ غیر مسلم۔ اگر والدین اپنے ہاتھ سے محنت مزدوری کر کے کچھ معاش پیدا کر سکیں تو بھی اولاد انکو مدد خرچ دینے کی تکلیف سے بری نہوگی۔

اگر اولاد خود محتاج ہو تو ماں باپ کا نفقہ اسپر فرض نہیں ہے الا اینکہ والدین بالکل ضعیف و ناتوان ہوں اور محنت مزدوری سے بھی کچھ معاش پیدا کر سکتے ہوں۔ ایسی صورت میں اولاد کو حکم ہے کہ اپنے ضعیف باپ یا ماں یا دونوں کو اپنے کھانے میں شریک کر لیا کریں۔

حنفیہ کے نزدیک آدمی کو اپنے دادا دادی کو اور اپنے نابالغ اقربا ذکور کو بشرطیکہ محارم شرعیہ میں سے ہوں اور مفلس ہوں نفقہ دینا واجب ہے۔ اور سب اقربا اناث جو محرمات شرعیہ میں سے ہوں خواہ بالغ ہوں خواہ نابالغ مگر مفلس ہوں اور وہ اقربا ذکور جو بالغ ہوں اور محارم شرعیہ میں داخل ہوں مگر نابینا یا مشلول ہوں اور مفلس بھی ہوں۔ ان سب کی پرورش بھی واجب ہے۔ مگر دادا اور دادی کے سوا ان سب اقربا کی پرورش کرنا صرف واجب کفائی ہے۔[۱]

زوجہ اور اولاد اور والدین اور جدین کے وجوب نفقہ میں حنفیہ کے نزدیک اختلاف مذہب سے کچھ فرق نہیں واقع ہوتا مگر اور اقربا کا نفقہ ایسا نہیں ہے یعنی متمول مسلمان کو اپنے غیر مسلم اور مفلس بھائی اور چچا اور چچازاد بھائی کو پرورش کرنا واجب نہیں ہے۔

شیعہ اور شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک والدین اور اولاد اور زوجہ کے سوا دیگر اقربا کو نفقہ دینا ثواب ہے مگر فرض نہیں ہے یعنی شرعاً انکا نفاذ واجب نہیں ہے۔

---

[۱] ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۱ میں لکھا ہے کہ آدمی کو اپنے باپ اور دادا اور دادی کی پرورش کرنا واجب ہے اگرچہ وہ غریب و نادار ہوں گو خلاف مذہب ہوں مگر انکا غریب و نادار ہونا اس وجوب کی شرط ہے ۱۲ منہ عفا و اسے عالمگیری صفحہ ۷۵۶ - ۱۲ منہ عفہ بعض علمائے شیعہ نے حنفیہ کے ساتھ اتفاق کر کے جدین کو والدین کا ماحصل قرار دیا ہے ۱۲ منہ

مصیبت زدہ ماں باپ کی پرورش بیٹے اور بیٹی دونوں پر فرض ہے۔ جب ماں غریب
ہو اور بیٹا بمحنت مزدوری سے روٹی کما سکتا ہو تو اسکو اپنی ماں کو اپنی اولاد کے موافق نفقہ
دینا واجب ہے گو وہ خود عسر و فلاکت میں مبتلا ہو۔

اگر بیٹا والدین میں سے صرف ایک یا جدین میں سے فقط ایک کو نفقہ دینے کی مقدرت
رکھتا ہو تو ماں یا دادی ترجیح رکھتی ہے۔ جب کوئی شخص والدین اور ایک اولاد نابالغ بھی
رکھتا ہو اور ان سب کو پرورش کرنے کا مقدور نہ رکھتا ہو تو اولاد کا حق والدین پر مقدم ہے

جب چند اشخاص سے ایک شخص کو نفقہ دینے کی تکلیف شرعی متعلق ہو تو حنفیہ کے نزدیک
یہ ہے کہ وہ تکلیف انکے ان حصوں کی مقدار کے موافق متعلق ہوگی جو وہ لوگ اس شخص
کی میراث میں پائینگے جسکو نفقہ دینا انپر واجب ہے۔ مثلاً اگر کوئی غریب آدمی ایک بیٹا اور
ایک بیٹی رکھتا ہو اور وہ دونوں آسودہ حال ہوں تو بیٹے کو دو ثلث اور بیٹی کو ایک ثلث
نفقہ اپنے مفلس باپ کو دینا پڑیگا۔[1]

جو اصول صوبۂ الجیریز کے قاضیوں نے اختیار کیے ہیں انسے اور جامع الشتات میں
جو مسائل لکھے ہیں انسے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ اور مالکیہ اس باب میں زیادہ تر معقول
قاعدہ کی پابندی کرتے ہیں یعنی انکے نزدیک یہ ہے کہ نفقہ دینے کی تکلیف یا ذمہ داری کو ان
اشخاص کی مقدرت اور استطاعت کے موافق قرار دینا چاہیئے۔ مثلاً اگر بیٹی متمول اور
بیٹا اسکی بہ نسبت غریب ہو تو بڑا جزو نفقہ کا بیٹی کو دینا چاہیئے۔[2]

جب وہ شخص جسکے ذمہ نفقہ واجب ہے اس شخص سے جسکو نفقہ دینا واجب ہے کوئی خاص
رقم دینے کا اقرار کرلے یا جب قاضی نے حکم دیا ہو کہ ایک خاص رقم اتنی مدت کے بعد

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۵۵۷ — فصول عمادیہ — ہدایہ صفحہ ۴۱۲ — بحر الرائق — جامع الشتات — مفاتیح

[2] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۵۵۰ — فصول عمادیہ — ہدایہ صفحہ ۴۱۲ — بحر الرائق — جامع الشتات — مفاتیح — ۲۱۳

دیجایا کرے اور پھر ان دونون شخصون کی حالت مین کچھ تغیر واقع ہو تو اُس تغیر کی وجہ سے اُنکی ذمہ داری
کو دوبارہ تشخیص کرنا جائز ہو جائیگا۔ اگر ذمہ داری قاضی کے حکم سے مقرر ہوئی ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ جب
فریقین کی حالت مین کوئی تغیر واقع ہونا ثابت کر دیا جائے تو اپنے حکم میں ترمیم کر کے اُس حکم کو
تغیر شدہ حالت کے مناسب و موافق کر دے۔

اگر وہ شخص جسکے نام قاضی نے حکم صادر کیا ہے اُس حکم کی تعمیل سے قاصر رہے تو اُسکا اسباب
قرق یا بیع کر کے یہ قرضہ لے لیا جاسکے یا اُس تمرد اور عدم تعمیل حکم قاضی کے جرم مین وہ قید کیا جائے
صرف مفلسی کے عذر سے کوئی شخص اپنی زوجہ اور اطفال کو نفقہ دینے سے بری الذمہ نہین
ہو سکتا۔ اگر وہ شخص محنت کر کے معاش حاصل کر سکتا ہے اور اگر وہ لنگڑا یا ایسا ضعیف و
نحیف نہین ہے کہ قوت لایموت نہ حاصل کر سکتا ہو تو اُسکو اپنے عیال و اطفال کے لیے
نفقہ مہیا کرنا فرض ہے۔ فقط

حاشیہ

یہ بیان کرنا مناسب ہے کہ شوہر و زوجہ کی سکونت کے باب مین شرع محمدی یہود اور رومیون کی
قوانین پر گوے سبقت لیگئی ہے۔ یہود کی شریعت مین جو عورت اپنے خاوند کے ہمراہ جانے سے
انکار کرتی تھی جہان کہین وہ اُسکو لیجانا چاہتا تھا تو اُس عورت کا مہر ساقط ہو جاتا تھا اور جو جہیز
وہ اپنے ماں باپ کے گھر سے لاتی تھی وہ ضبط ہو جاتا تھا اور اُسکے تمام حقوق شرعی زائل ہو جاتے تھے
رومیون کے قانون کے بموجب زوجہ شوہر کے ہمراہ بے عذر چلی جاتی تھی اور ذرا بھی مجال انکار
نہ رکھتی تھی اور یہی اصول اِس زمانہ کے قانون انگلستان مین نقل ہو آیا ہے۔
مجموعہ قوانین نپولین (آرٹکل ۲۱۴) مین لکھا ہے کہ عورت پر فرض ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ
رہا کرے اور جہان وہ رہنا چاہے اُسکے ہمراہ چلی جاوے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ چاہے

سلہ شرائط دفعہ ۳۲ اور اُسکے بعد کے دفعات ایکٹ ۱۴ ۱۸۶۶ء اور انگلین کے نان۔ دفعات ایکٹ ۔ ۱۸۶۶ء
ملاحظہ ہون ۱۲ منہ

وہ مقام کیسا ہی مخدوش ہو عورت مجال انکار نہین رکھتی ہے - مگر شرع محمدی مین اکثر صورتون مین
عورت کو یہ حق دیا گیا ہے کہ اُسکے خاوند نے جو مقام سکونت پسند کیا ہو اُسپر اعتراض کرے جیسا
متن مین بیان کیا گیا -

مجموعہ قوانین نپولین اور شرع محمدی دونون کے بموجب جو عورت چند روز کے لیے
اپنے شوہر کے مکان کو چھوڑ کر چلی جاے اسکے تمام حقوق زوجیت نہین زائل ہو جاتے
(جیسا یہود کی شریعت مین ہے) بلکہ صرف نفقہ کا حق جاتا رہتا ہے -

دسوان باب

مہر معجل و موجل[1] -

شرع محمدی مین جواز نکاح اسپر موقوف ہے کہ شوہر کچھ معاوضہ زوجہ کو خاص اُسکے
استعمال اور فائدہ کے لیے دینے کو کہے - اس معاوضہ کو فقہا کی اصطلاح مین مہر یا صداق
اور عرف مین دین مہر کہتے ہین -

مہر کا اصول شرع محمدی سے مخصوص نہین ہے - سائیلز صاحب کے نزدیک اس رسم کی اصل
یہ ہے کہ زمانہ سلف مین شوہر زوجہ کے لیے ذریعہ معاش مہیا کر دیتا تھا اور اس سے یہ بھی مقصود تھا
کہ عورت اپنے شوہر کے اختیار طلاق کے خودسرانہ اور بلا قید عمل مین لائے جانے سے محفوظ رہے -
یہود کی شریعت مین تاکید تھی کہ دین مہر قبل تزویج معین کر دیا جائے - اور بے تعیین مہر
نکاح ناجائز تھا - مگر یہود مین جو مہر زوجہ کا مقرر کیا جاتا تھا وہ اُسکے خاص استعمال اور فائدہ کے
لیے کبھی نہ دیا جاتا تھا بلکہ اُسکو کوئی حق مہر پر نہ حاصل ہوتا تھا تاوقتیکہ فسخ نکاح خواہ بسبب انتقال
شوہر خواہ بوجہ طلاق نہ ہو جاتا تھا - البتہ فسخ نکاح کی صورت مین زوجہ کا مہر اُسکو دے دیا جاتا تھا

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۲۳ - ۲۴۰ - فتاوائے قاضیخان صفحہ ۵۲۴ - فصول عمادیہ ۵ - کنز الدقائق ترجمہ
انگریزی ہدایہ صفحہ ۵۰ - در المختار - کتاب الانوار - جامع الشتات - شرایع الاسلام - مفاتیح
ارشاد علامہ - سائیلز صاحب اور ڈی اوہسن صاحب اور بائلی صاحب کی کتابین ۱۲ منہ

پھر اُسکو اختیار تھا کہ اُس مہر کو جو چاہے کرے[1]۔

شرع محمدی مین جو نکاح بلا تعیین مہر وقوع مین آیا ہو وہ ناجائز نہین تصور کیا جائیگا بلکہ جب مہر معین نہ کیا جائے تو شرعاً یہ قیاس کر لیا جاتا ہے کہ زوجہ کو کچھ معاوضہ دینا چاہیے اور وہ معاوضہ ایک مسلّم بنیاد پر مشخص کر لیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ زوجہ کو ایک حق فوری مہر کا یا اُسکے اُس جزو کا جو معجل ہو حاصل ہو جاتا ہے۔

شرع محمدی کا مہر تمام اعتبارات شرعیہ سے رومیون کے مہر سے مشابہ ہے۔ مہر ایک معاوضہ ہے جو قبل تکمیل نکاح اور بمعاوضہ نکاح زوجہ کے لیے مقرر کر دیا جاتا ہے۔ مگر رومیون کے مہر اور مسلمانون کے مہر مین یہ فرق عظیم ہے کہ رومیون کا مہر اختیاری تھا یعنی اُسکا ادا کرنا شوہر کے اختیار مین تھا۔ لکن مسلمانون کا مہر بالکل اضطراری ہے یعنی شوہر اُسکے ادا کرنے پر شرعاً مجبور ہے چنانچہ فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ وہ مہر نکاح کو ایسا لازم ہے کہ اگر اُسکا ذکر نکاح کے وقت یا معاہدہ نکاح مین نہ کیا جائے تو شرعاً وہ نفس معاہدہ نکاح سے قیاس[2] کر لیا جائیگا۔

اگر عورت قبل نکاح یہ شرط کر لے کہ مہر سے دست بردار ہو جائیگی تو ایسی شرط شرعاً ناجائز اور غیر مؤثر ہے اور اگر ایسی شرط کر لیجائے تو بھی وہ مہر المثل کی مستحق رہیگی۔ البتہ بعد نکاح اُسکو مہر معاف کر دینے کا اختیار ہے اور یہ بھی اختیار ہے کہ مہر کی عوض مین جو جائداد اُسکو شوہر نے دی ہو وہ اُسکو واپس کر دے۔

یہ گمان کیا گیا ہے کہ جواز نکاح تعیین مہر پر موقوف ہے اور جب نکاح کا کچھ معاوضہ ٹھہرایا نہ جائے اُسکے مفید کوئی سند و بست نہ کر دیا گیا ہو تو وہ نکاح ناجائز ہے۔ مگر ہدایہ اور فتاوائے قاضیخان مین صاف لکھا ہے کہ اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہوا ہو تو بھی نکاح شرعاً جائز ہوگا اور اُسکی

---

[1] یونانیون اور رومیون مین زوجہ جہیز لاتی تھی۔ اور مجموعہ قوانین نپولین مین بھی کیفیت فرانسیسی جہیز کی لکھی ہے۔ اور انگلستان مین بھی لڑکی کو جہیز دینے کا رسم اسی طرح ہے جیسا مسلمانون مین ہے ۱۲ منہ

[2] فتاوائے قاضیخان صفحہ ۲۲۶۔ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۲۰۔ جامع الشتات ۱۲ منہ

علامت ہدایہ میں یہ لکھی ہے کہ "لفظ نکاح کے لغوی معنی معاہدہ وصل ہے کہ نکاح کے ذریعہ سے مرد اور عورت میں وصل ہوتا ہے اور چونکہ ادا کرنا مہر کا زوجہ کی تعظیم کے لیے شرعاً واجب کیا گیا ہے لہذا مہر کا ذکر کرنا جواز نکاح کو لازم نہیں ہے۔ اسی وجہ سے نکاح جائز ہے اگرچہ کوئی شخص معاہدہ نکاح خاص اس شرط پر کرے کہ کچھ مہر نہ بالمدعا جاوے[1]"

اسی طرح سے شیعوں کی کتاب شرائع الاسلام اور جامع الشتات میں لکھا ہے کہ "مہر کا ذکر کرنا ہرگز شرط مقدم جواز نکاح کی نہیں ہے پس اگر کوئی شخص کسی عورت سے بلا ذکر یا بلا تعیین مہر عقد کر لے یا خاص یہ شرط کرے کہ کچھ مہر نہ دیا جائیگا تو وہ نکاح جائز ہوگا اور شرعاً زوجہ کو مہر المثل[2] دلایا جائیگا"

مہر المثل اور مہر المعین

حنفیہ کے نزدیک ہر ایسی چیز کا مہر ہو سکتا ہے جس پر قبض و تصرف ہو سکے یا جس پر حال میں یا آئندہ قبضہ ہو سکے بلکہ جس چیز پر لفظ مال صادق آسکے اور جو چیز قیمت رکھتی ہو اسکا مہر[3] ہو سکتا ہے چنانچہ فتاوائے عالمگیری میں لکھا ہے کہ "جو چیز مال یا جائداد کا مصداق ہو اور قیمت معینہ رکھتی ہو اسپر شرعاً مہر بندھ سکتا ہے۔ منافع[4] پر بھی مہر بندھ سکتا ہے۔ البتہ اگر ناکح حر ہو تو خاص اسکی خدمت پر مہر نہیں بندھ سکتا ہے۔ اگر وہ اس شرط سے نکاح کرے کہ مہر کے عوض میں زوجہ کی کچھ خدمت[5] کریگا تو نکاح صحیح ہوگا مگر وہ عورت مہر المثل کی مستحق ہوگی" پس حنفیہ کے نزدیک بیمہ کے روپیہ پر بھی مہر بندھ سکتا ہے۔ اور یہ بھی انکا قول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ مہر کے عوض میں اسکو مذہبی تعلیم دیگا یا اسکو حج کرا لائیگا تو یہ شرط غیر موثر ہوگی اور وہ عورت مہر المثل کی مستحق[6] ہوگی۔

---

[1] ترجمہ فارسی ہدایہ کتاب ۲ باب ۱ - ۱۲ منہ [2] مفاتیح اور ارشاد علامہ اور من لا یحضرہ الفقیہ بھی ملاحظہ ہو - ۱۲ منہ
[3] فتاوائے قاضیخان صفحہ ۲۴۳ - ۱۲ منہ [4] خواہ منافع اراضی ہو خواہ منافع لونڈی وغیرہ یا منافع تجارت یا قیمت غیرہ ہو ۱۲ منہ
[5] المہر انما یصح بکل ما ھو مال متقوم والمنافع تصلح مہرا غیر ان الزوج اذا کان حرا وقد تزوجہا علی خدمتہ ایاہا جاز النکاح ویقضی لہا بمہر المثل - فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۲۶ - ۱۲ منہ [6] فتاوائے قاضیخان صفحہ ۲۴۶ - فصول عمادیہ ۱۲ منہ

مبب کوئی ایسی چیز مہر مین دیجائے جو نکاح کے وقت حقیقۃً یا شرعاً موجود نہو تو ایسا مہر ناجائز ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنی زوجہ کے مہر مین اپنی آراضی غیر مقبوضہ یا درختون کی آیندہ کی پیداوار دے تو ایسا مہر ناجائز ہے اور وہ عورت مہر المثل کی مستحق ہوگی۔ لکن اگر محاصل بیع یا زرثمن اُس چیز کا مہر مین دے جو اُسکی ملک مین موجود ہو یعنی جسکا وہ بالفعل مالک ہو تو ایسا مہر شرعاً جائز[۱] ہوگا۔

مگر شیعہ[۲] اور شافعیہ[۳] کے نزدیک حُر یعنی آزاد آدمی مہر کے بدلے زوجہ کو اپنی خدمات دے سکتا ہے اور شیعون کے نزدیک مذہب یا صنعت وحرفت کی تعلیم پر اور اس اقرار پر کہ شوہر زوجہ کو حج یا زیارت کو لیجائیگا اور مال غیر موجود کی منفعت اور منافع آیندہ وغیرہ ان سب چیزون پر مہر بندھ[۴] سکتا ہے۔

مہر کی تعداد مختلف ملکون مین مختلف ہوتی ہے۔ کوئی خاص قاعدہ منتہی تعداد مہر کا نہین ہے۔ اُسکی مقدار طرفین کے اعزاز خاندانی اور اُس قوم یا گروہ کے حالات پر موقوف ہے جسمین وہ[۵] رہتے ہون چنانچہ شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ دو اکثر یا اقل مقدار مہر کی کوئی حد نہین ہے،، کیونکہ یہ ایک قسم کا معاہدہ درمیان شوہر زوجہ کے ہے۔ جبتک وہ چیز جسپر مہر بندھا ہو قیمت معینہ رکھتی ہے اُسوقت تک وہ مہر شرعاً جائز سمجھا جائیگا۔ سنی اور شیعہ مین مہر کے اصول کے باب مین کچھ اختلاف نہین ہے۔ دونون فرقون کے نزدیک مہر کا معتدل المقدار ہونا مستحسن ہے مگر اس استحسان کو ہندوستان کے مسلمان نہین مانتے اور اُنکے نہ ماننے کے وجوہ اس کتاب کے مقدمہ مین بیان ہوچکے ہین۔

قدماء علماء حنفیہ نے اقل مقدار مہر دس درہم مقرر کیے تھے۔ مگر مالکیہ چونکہ ایسے ملک مین رہتے تھے جو حنفیہ کے ملک کی بہ نسبت مفلس تھا اور آبادی بھی کم تھی لہذا اُنھون نے اقل مقدار مہر یا صداق تین درہم قرار دی ہے۔ یہی

---

[۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۷۴۔ ۱۲ منہ [۲] ہدایہ (ترجمہ فارسی) کتاب ۲ باب ۳۔ شرائع الاسلام صفحہ ۲۹۴۔ ۱۲ منہ [۳] جامع الشتات ۱۲ منہ [۴] مصعب ابن زبیر نے حضرت ابوبکر کی پوتی کا مہر پانچ لاکھ درہم مقرر کیا تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص قاعدہ مقدار مہر کا نہین ارشاد فرمایا بلکہ اسکو رسم ورواج پر موقوف رکھا۔ مگر چونکہ آپ نے بیبیوں کا مہر پانچ سو درہم پر باندھا تھا لہذا شیعون کے نزدیک مقدار مہر کی سنت

مقدار عرب قبل شیوع اسلام اپنی ازواج کو بطور مہر دیا کرتے تھے اور علاوہ اسکے گلہاے گوسفند وغیرہ بھی مہر مین دیتے تھے۔ اور کم سے کم اسی مقدار کی چوری کی سزا قطع یدین تھی یعنی دونون[1] ہاتھ کاٹ ڈالے جاتے تھے۔

یہ اقل مقدار مہر مدت سے متروک ہو گئی ہے اور اب اکثر ممالک مین یہ دستور ہو گیا ہے کہ شوہر و زوجہ کی حیثیت کے لحاظ سے مہر مقرر کیا جاتا ہے۔

مثلاً ہندوستان مین دیکھیے کہ اُس حصۂ گروہ اسلام مین جو انگلستان کے اوسط درجہ کے طبقۂ اعلیٰ کے لوگون کا ہمپایہ ہے مہر کی مقدار چار ہزار روپیہ سے چالیس ہزار روپیہ تک ہوتی ہے صوبۂ بہار مین عموماً چالیس ہزار روپیہ کا مہر المثل سمجھا جاتا ہے۔ مگر بنگالہ مین چار ہزار روپیہ کا مہر المثل سمجھا جاتا ہے۔ اور ادنیٰ قومون مین مہر کی مقدار پچیس روپیہ سے چار سو روپیہ تک ہوتی ہے۔ مگر امرا و رؤسا مین لاکھا روپیہ مہر باندھا جاتا ہے۔

جب نکاح کے وقت کچھ مہر نہ مقرر ہوا ہو یا قبل یا بعد نکاح کسی مقدار مہر کی تعیین و تصریح نہ کردی گئی ہو یا مہر عمداً یا سہواً غیر معین چھوڑ دیا گیا ہو تو عورت اُس مہر کی مستحق ہوگی جسکو شرع مین مہر المثل یعنے اُسکے امثال و اقران کا مہر کہتے ہین۔

عورت کا مہر المثل اُسکے باپ کے خاندان کی عزت کے خیال سے اور خود اُسکے اوصاف شخصی کے لحاظ سے بھی مشخص کیا جاتا ہے۔ اور ہدایہ مین لکھا ہے کہ وہ مہر المثل عورت کے باپ کے کنبہ کی عورتون کے مہر پر بھی قیاس کر کے مقرر کیا جاتا ہے۔ جیسے اُسکی علاتی بہنین اور پھوپھیان اور چچا زاد بہنین۔

مہر مقرر کرنے مین علاوہ اُس رواج کے جو عورت کے باپ کے خاندان مین ہو اور امور کا بھی لحاظ کرنا چاہیے۔ مثلاً اگر ایک بہن کی شادی امیر سے ہوئی ہو اور دوسری بہن کی شادی غریب سے ہوئی ہو تو ایک کے مہر پر قیاس کر کے دوسری کا مہر نہین بندھ سکتا۔ لہٰذا عورت کا مہر المثل

[1] قرون اوسط مین انگلستان مین یہ قانون جاری تھا کہ جو شخص ایسی چیز چراتا تھا جسکی قیمت پانچ شلنگ ہوتی تھی اُسکو سزاے موت دیجاتی تھی ۱۲ مسنف

نکالنے کا یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ اسکے شوہر کی حالت باعتبار شرافت اور دولت کے اس عورت کے شوہر کی حالت کے مانند ہو جو اسکے مثل قرار دیگئی ہے[1]۔

اسی طرح سے ممکن ہے کہ کوئی عورت اپنے باپ کے کنبہ کی سب عورتون سے کمالات عقلی یا محاسن ذاتی مین افضل ہو پس اسکا مہر اسکے کنبہ کی اُن عورتون کے مہر پر قیاس کر کے نہین مقرر ہو سکتا جو ویسے کمالات اور ویسے محاسن نہین رکھتین[2]۔

شیعون مین بھی یہی قاعدہ مہر المثل کا جاری ہے۔ چنانچہ ارشاد علامہ مین لکھا ہے کہ "مہر المثل عورت کی شرافت خاندان اور حسن وجمال اور اسکے کنبہ کی عورتون کو دیکھکر قرار دیا جاتا ہے" تہذیب الاحکام اور جامع الشتات مین اسمین اتنا اور بڑھا دیا ہے کہ "چونکہ مہر کے باب مین مختلف مقامات کا مختلف رواج ہے لہذا مہر المثل مقرر کرنے مین رواج مختص المقام کا لحاظ رکھنا چاہیئے اور خاص کر اُن عورتون کے مہر کا لحاظ کیا جائے جو حسب و نسب اور علم و فضل اور مال و دولت اور فہم و فراست وغیرہ مین اس عورت کی مد مقابل ہون[3]"

شیعون مین بھی مہر تین قسم کا ہے۔ (۱) مہر سنت یعنی وہ مہر جو رسول اللہ صلعم نے اختیار کیا تھا اور جسکی مقدار پانچ سو درہم ہے۔ (۲) مہر المثل (۳) مہر المسمے یعنی وہ مہر جسکی تعیین و تصریح ہو گئی ہو۔

بعض علما شیعہ کا قول یہ ہے کہ جب نکاح کے وقت کچھ مہر نہ ٹھہرا ہو اور عورت کے رواج خاندان سے اسکے مہر کا قیاس کیا جائے تو اس صورت مین مہر کی مقدار پانچ سو درہم سے

---

[1] فتاوے عالمگیری صفحہ ۳۰۲ - ۱۲ منہ [2] ہدایہ مین لکھا ہے کہ "عورت کا مہر المثل مشخص کرنے مین اسکی برابری عمر مین اور حسن وجمال اور دولت و مال اور فہم و فراست اور نیک بختی اور پاکدامنی مین اُن عورتون کے ساتھ دیکھی جائے جنکے مہر پر قیاس کر کے اسکا مہر باندھا جائے اسواسطے کہ ان امور کے اختلاف سے مہر مختلف ہوتا ہے اور علے ہذا القیاس اختلاف محل و مقام اور اختلاف زمانہ سے بھی مہر مین اختلاف ہو جاتا ہے۔ (ترجمۂ انگریزی ہدایہ صفحہ ۴۰ ۱ - ۱۲ منہ [3] مہر المثل صرف اُن صورتون مین لیا جاتا ہے جنمین نکاح شرعاً صحیح و جائز ہو۔ اگر مرد اور عورت مین صرف آشنائی ہو تو مہر نہ رکھا جائیگا۔ جامع الشتات - ۱۲ منہ

زیادہ نہونی چاہیے۔

مگر قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مہر نکاح کے پیشتر طے کر لیا جاتا ہے علی الخصوص ہندوستان میں کوئی شرط مہر سے متعلق نکاح کے بعد نہین قرار دیجاتی ہے۔

امام مالک نے اپنے مقلدین کو حکم فرمایا ہے کہ قبل زفاف سارا مہر ادا کر دیا کرو اور جو قاعدہ انھون نے مقرر کر دیا ہے اسی پر عملدرآمد اُن سب ملکون مین ہے جہان انکا طریق جاری ہے۔

چونکہ قرآن مجید کی کسی آیت سے یا کسی حدیث سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ کل مہر قبل زفاف دینا شرعًا واجب ہے لہذا اساتیر اصاحب لکھتے ہین کہ متاخرین علمار اسلام کا یہ قول ہے کہ ایک جز مہر بمجرد طلب فورًا دیدینا چاہیے اور باقیماندہ اُسوقت جب فسخ نکاح خواہ بسبب طلاق خواہ بوجہ وفات احد المتناکحین وقوع مین آئے جز کہ جز مہر فورًا ادا کر دینا چاہیے اُسکو مہر مُعجّل کہتے ہین اور زوجہ کو اختیار ہے کہ جبتک یہ جز مہر نہ ادا کر دیا جائے اُسوقت تک شوہر کے گھر مین قدم نہ رکھے دوسرے جز کو مہر مؤجّل کہتے ہین۔ یہ جز مہر فسخ نکاح کے وقت تک واجب الادا نہین ہوتا۔ ہندوستان مین یہ دستور ہے کہ نصف مہر معجّل اور نصف مؤجّل مقرر کیا جاتا ہے مگر طرفین کو اختیار ہے کہ اور کوئی شرط قرار دے لین مثلاً کل مہر شوہر یا زوجہ کی وفات تک نہین ادا کیا جاتا۔ بلکہ ہندوستان کے مسلمانون مین مہر مؤجل ایک قسم کا جرمانہ ہوتا ہے جو اس غرض سے واجب الادا باقی رکھا جاتا ہے کہ شوہر کو جملہ شرائط نکاح کی تکمیل بمجبوری کرنی پڑے۔

صدر عدالت دیوانی آگرہ نے ایک مقدمہ مین یہ فیصلہ کیا تھا کہ جب نکاح کے وقت کوئی جز مہر معجّل نہ قرار دیا گیا ہو تو زوجہ صرف ثلث مہر بطور مہر معجّل پانے کی مستحق ہوگی اور مابقی شوہر کی وفات کے وقت واجب الادا ہوگا۔ اس مقدمہ کے فیصلہ کا جو رپورٹ کیا گیا ہے

لہ مقدار مہر کی کوئی حد و پایان نہین ہے۔ شرایع الاسلام۔ فتاوائے قاضی خان صفحہ ۲۷۴۔ ۱۲ منہ
لہ مقدمہ مہر علی بنام امانی بیگم لا رپورٹ بنگالہ جلد ۲ صفحہ ۳۰۶۔ ۱۲ منہ

اُس سے یہ نہین معلوم ہوتا کہ آیا یہ مقدمہ سُنّی یا شیعہ کے طریق کے موافق فیصلہ کیا گیا تھا۔

مذہب شیعہ مین یہ ہے کہ اگر مہر ادا کرنے کا کوئی وقت نہ مقرر کیا ہو یا اگر مہر کی تصریح صرف عام الفاظ مین کردی گئی ہو اور نکاح مین اسکی تصریح نہ کی گئی ہو کہ مہر معجّل کتنا ہے اور موجّل کتنا ہے تو کُل مہر معجّل سمجھنا چاہیئے[1]۔

مگر مذہب حنفی مین یہ ہے کہ ہر ایک مقدمہ کا فیصلہ اُسکی خاص روداد پر کرنا چاہیئے۔ چنانچہ فتاواے قاضیخان مین لکھا ہے کہ جب طرفین نے کہدیا ہو کہ اتنا مہر معجّل ہے تو اُتنا مہر فوراً دیدیا جائے مگر جب یہ نہوا ہو تو اُس عورت پر اور اُس مہر پر جسکا ذکر نکاح مین ہوا ہے نظر کرکے یہ قیاس کیا جائے کہ اُس مہر مین سے کتنا ایسی عورت کو فوراً دیدینا چاہیئے پس جو مبلغ اسطرح سے قرار دیا جائے وہی معجّل سمجھا جائیگا اور ربع یا خمس کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے اور جو رواج ہو اسکا بھی لحاظ کرنا ضرور ہے لکن جب یہ شرط کرلیجائے کہ کُل مہر معجّل ہوگا تو سارا مہر فوراً بلالحاظ رواج ادا کردینا واجب ہے[1]

وہ فیصلہ صدر عدالت دیوانی اگرہ کا جسکا ذکر سابق مین کیا گیا ہائی کورٹ الہ آباد کے ایک فیصلہ سے ضمناً منسوخ ہوگیا ہے۔ بمقدمہ عیدن بنام مظہر حسین اور بمقدمہ توفیق النسا بنام غلام قنبر ہائی کورٹ الہ آباد نے وہی اصول اختیار کرکے نافذ کیا ہے جو فتاواے قاضیخان مین لکھا ہے پہلے مقدمہ مین مظہر حسین مدعی نے اپنی زوجہ پر رخصت دلا پانے کی نالش کی۔ اُسکا مہر نکاح کے وقت پانچہزار روپیہ قرار پایا تھا مگر یہ شرط نہوئی تھی کہ اسمین سے کتنا معجّل اور کتنا موجّل ہے۔ زوجہ نے کہا کہ جبتک جزو معجّل میرے مہر کا نہ دیدیا جائیگا اُسوقت تک شوہر کے مکان مین نجاؤنگی

---

[1] جامع الشتات ۱۲ منہ عه ان بینوا قدر المعجل یعجل ذلک وان لم یبینوا شیئاً ینظر الی المرءة والی المهر المذکور فی العقد انه کم یکون المعجل لمثل هذه المرءة من مثل هذا المهر فیعجل ذلک معجلاً ولا یقدر بالربع ولا بالخمس وانما ینظر الی المتعارف وان شرطوا فی العقد تعجیل کل المهر یعجل الکل معجلاً ویترک العرف فتاواے قاضیخان صفحہ ۴۳۶ - فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۴۴ — ۱۲ منہ سه انڈین لا ریپورٹ سلسلہ الہ اباد جلد ا صفحہ ۴۸۳ — ۱۲ منہ

اِس مقدمہ مین یہ تجویز ہوا کہ جب کوئی خاص شرط نکاح مین نہین ہوئی ہے کہ کُل مہر مؤجل ہوگا تو ایک جزو مہر کو معجل سمجھکر فوراً ادا کردینا چاہیئے اور اس جزو کی مقدار رواج کا لحاظ کرکے مقرر کیجائے مگر جب کوئی رواج نہو تو عدالت اُسکی مقدار کو زوجہ کی حیثیت اور مہر کی مقدار پر نظر کرکے مقرر کردیگی اور چونکہ اِس مقدمہ مین جو اِسوقت زیر بحث ہے زوجہ جی سے عقد ہونے کے پیشتر فاحشہ تھی لہذا عدالت ماتحت نے اپنے اختیار کو صحیح طور سے عمل مین لاکر یہ تجویز کیا ہے کہ اس عورت کے باب مین صرف ایک خمس مہر کو معجل سمجھنا چاہیئے" دوسرے مقدمہ توفیق النسا بنام غلام قنبر کے فیصلہ مین بھی اسی قاعدہ کی پابندی کی گئی ہے -

جب قبل نکاح کوئی تعداد مہر نہ مقرر ہوئی ہو تو طرفین بعد عقد اُسکی مقدار کو باہم طے کرسکتے ہین ایسے مہر کو مہر تفویض کہتے ہین اور جب مہر کو پنچایت یا حاکم شرع مقرر کردے تو اُسکو مہر تحکیم کہتے ہین -

حنفیہ کے نزدیک حق مالکانہ مہر پر زوجہ کو باوقات ذیل حاصل ہوجاتا ہے - (۱) بعد زفاف (۲) جب خلوت صحیحہ ہوجائے جو حنفیہ کے نزدیک بمنزلۂ زفاف ہے - (۳) جب شوہر یا زوجہ قبل یا بعد زفاف مرجائے -

مثلاً اگر شوہر زفاف یا وطی کرچکا ہو تو زوجہ کُل مہر معین کی مستحق ہوجاتی ہے اور گو اُسکو صرف جزو معجل وصول ہوا ہو مگر اُسکو اختیار ہے کہ کُل مہر کو اپنے شوہر پر ایک خاص قرضہ قرار دیدے جب زفاف کے بدلے صرف خلوت صحیحہ[1] ہوئی ہو تب بھی یہی ہوگا - اِسی طرح سے اگر شوہر قبل یا بعد زفاف مرجائے تو زوجہ کو حق مطلق کُل مہر کا حاصل ہوجائیگا یا اگر اسی طرح سے زوجہ مرجائے تو اُسکے ورثہ اُسکے مہر کے مستحق ہوجائینگے -

شیعہ اور شافعیہ کے نزدیک زوجہ کو کُل مہر پر حق صرف بعد زفاف حاصل ہوتا ہے یا اُسوقت

---

[1] فتاویٰ عالمگیری مین لکھا ہے کہ "مہر تین باتون مین سے ایک بات کے ہونے سے متحقق ہوتا ہے یعنی زفاف یا وطی - یا خلوت صحیحہ یا وفات شوہر یا زوجہ خواہ مقدار مہر معین کردی گئی ہو خواہ مہر المثل قرار دیا جائے" صفحہ ۸۲ ج ۲ - ۱۲ منہ

حاصل ہوتا ہے کہ جب وہ یا اسکا شوہر قبل زفاف اور بحالت بقائے نکاح مرجائے - ان دونون
فرقون کے نزدیک خلوت صحیحہ بلا زفاف سے زوجہ کل مہر پانے کی مستحق نہین ہوتی -

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر قبل زفاف یا قبل خلوت صحیحہ شوہر و زوجہ مین جدائی ہو جائے تو زوجہ
نصف مہر معین کی مستحق ہوگی - لکن اگر نکاح کے وقت مہر کی مقدار نہ معین ہوئی ہو تو زوجہ صرف
کچھ بطور نذر پانے کی مستحق ہوگی جسکی مقدار اُس ملک کے رواج پر موقوف ہے - اگر عورت کا مہر تفویض
یا مہر تحکیم مقرر ہوا ہو تو وہ اُس مہر کا نصف بھی نہین طلب کر سکتی اگر طلاق قبل زفاف ہو گیا ہو
بلکہ صرف کچھ بطور نذر کے پائیگی -

اصل مسئلہ مین شیعہ اور حنفیہ مین اتفاق ہے سنیون کے نزدیک بھی یہی ہے کہ اگر طلاق قبل
زفاف واقع ہوا ہو تو عورت صرف نصف مہر مسمّٰی کی مستحق ہوگی مگر انھون نے حنفیہ سے اس امر مین
اختلاف کیا ہے کہ جب مہر تفویض یا مہر تحکیم زوجہ کا بعد نکاح قرار دیا گیا ہو اور شوہر اُسکو قبل
زفاف طلاق دیدے تو زوجہ ایسے مہر کا نصف پانے کی اُسی طرح مستحق ہوگی جسطرح مہر
مسمّٰی کا نصف پانے کی مستحق[1] ہوتی ہے -

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر شوہر نے قبل زفاف طلاق دیدیا ہو اور تعیین مہر نہوئی ہو
تو شوہر پر بطور نذر کچھ زوجہ کو دینا واجب ہے - مگر یہ بھی شوہر کو اسوقت واجب ہے جبکہ طلاق کا
سبب اُسکی طرف سے پیدا ہوا ہو - مثلاً جب شوہر اور زوجہ مین تفرقہ اس سبب سے واقع ہو کہ
شوہر عنین یعنی نامرد ہو یا مرتد ہو گیا ہو یا جب اُنکے تفرقہ کا سبب طلاق ہوا ہو اور زفاف یا خلوت
صحیحہ نہوئی ہو اور تعیین مہر قبل نکاح نہو چکی ہو تو اس صورت مین شوہر پر فرض ہے کہ زوجہ کو کچھ
نذر دے - لکن اگر تفرقہ کا سبب زوجہ کی طرف سے پیدا ہوا ہو تو شوہر کے ذمہ کچھ نذر کرنا شرعاً
نہین عائد ہوگا - مثلاً اگر زوجہ مرتد ہو جائے یا مرتکب زنا ہو یا عدم کفاءت یا تلبیس وغیرہ کی
وجہ سے نکاح کو منسوخ کر دے جسکا اختیار اُسکو شرعاً دیا گیا ہے تو وہ بطور نذر کچھ پانے کی مستحق[2] نہین ہے

[1] جامع الشتات - ارشاد علامہ - ۱۲ منہ [2] فتاوے عالمگیری صفحہ ۳۲۸ - ۳۲۹ ج ۲ - ۱۲ منہ

یہی اصول[۱] یہود میں بھی جاری ہے ۔ چنانچہ جامع الشتات میں لکھا ہے کہ "اگر شوہر اور زوجہ میں قبل زفاف جدائی ہو جاوے اور کچھ مہر نکاح میں یا اُسکے بعد نہ معین ہوا ہو تو زوجہ کچھ بطور نذر پانے کی مستحق ہوگی جو شوہر کی حیثیت اور اُسکے معاش کا لحاظ کر کے قرار دیا جائیگا"[۱] پھر شرائع الاسلام صفحہ ۲۹۲ میں لکھا ہے کہ "کوئی عورت نذر پانے کی مستحق نہیں ہے سوائے اس عورت کے جسکے مہر کی تعیین نہوئی ہو اور قبل زفاف اپنے شوہر سے جدا ہو گئی ہو"[۱]۔

شافعیہ کے نزدیک یہ ہے کہ جب کسی سبب سے شوہر و زوجہ میں تفرقہ ہو جائے تو شوہر پر زوجہ کو کچھ نذر دینا فرض ہے ۔

جب مہر کا حق ایک مرتبہ زوجہ کو حاصل ہو جائے تو پھر وہ اُسکے کسی فعل سے سلب یا زائل نہیں ہو جاتا ۔ مثلاً اگر تکمیل نکاح یعنی زفاف ہو گیا ہو (سُنّی اور شیعہ دونوں کے نزدیک) یا خلوت صحیحہ وقوع میں آئی ہو (صرف حنفیہ کے نزدیک) تو عورت کا حق مہر اس سے نہیں زائل ہو جاتا کہ بعد ازآن وہ مرتد ہو گئی ہو یا مرتکب زنا ہوئی ہو ۔ لکن اگر حق مہر حاصل ہونے سے پیشتر عورت کا ارتداد یا اُس سے زنا وقوع میں آیا ہو تو ایسا نہوگا بلکہ اس صورت میں اسکا سارا مہر ساقط ہو جائیگا[۱]۔

اگر عورت اپنے شوہر کو قتل کر ڈالے تو بھی اگر حق مہر اُسکو حاصل ہو چکا ہے تو زائل نہوگا ۔

اگر عورت خودکشی کرے یا اُسکا شوہر اُسکو مار ڈالے تو اُسکا حق مہر اُسکے ورثہ پر منتقل ہو جائیگا[۱]۔

عورت کچھ مہر یا نذر پانے کی مستحق نہیں ہے اگر نکاح ناجائز ہوا اور طلاق عدالت کے حکم سے بعد زفاف وقوع میں آیا ہو ۔ اگر زفاف قبل صدور حکم عدالت ہو چکا ہو تو وہ کل مہر معین پانیکی مستحق ہے لکن اگر مرد اور عورت میں زنا امیز تعلق ہو جو فی نفسہ باطل اور ناجائز ہے تو ایسا[۱] نہوگا زوجہ کو اختیار ہے کہ مہر کے جزو معجل کو قبل یا بعد زفاف جسوقت چاہے وصول کرلے ۔ مگر مہر کا

---

[۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۴۷ ۔ فصول عمادیہ ۔ جامع الشتات ۱۲ ۔ [۱] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۴۷ فصول عمادیہ ۔ جامع الشتات ۲۰ ۔ [۱] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۲۵ ۔ ۱۲۶ ۔ ۱۲۰ ۔

جز مؤجل فسخ نکاح کمی نہین ادا کیا جاتا۔ لیکن یہ کچھ ضرور نہین ہے کہ جب مہر زوجہ کے قبضہ مین آجائے تب وہ اپنے حقوق کو اُسکی نسبت عمل مین لاسکتی ہے۔ مہر مؤجل کی نسبت عورت کو اختیار ہے کہ جس شخص کو چاہے سپرد کردے اور اُس شخص کو اختیار ہے کہ جب وہ مہر واجب الادا ہوجائے تو شوہر سے یا اُسکی جائداد سے وصول کرلے۔

شرائع الاسلام مین صاف لکھا ہے کہ الا معاہدہ نکاح کے رو سے مہر زوجہ کا مال ہوجاتا ہے (جب زفاف وقوع مین آیا ہو) اور اُسکو اختیار ہے کہ عین مہر پر قبضہ پانے سے پیشتر جو چاہے اُسکو کرے علاوہ اپنا مہر شوہر کو یا کسی غیر آدمی کو ہبہ کرسکتی ہے جب وہ ایسا کرے تو شوہر مہر سے بری الذمہ ہوجائیگا اور زوجہ کو بھی اختیار ہے کہ اپنے مہر کا مبادلہ شوہر کی اور کسی جائداد سے کرلے۔ جب مہر کا مبادلہ کسی جائداد سے کیا جاتا ہے تو اُسکو بیع مقاسات کہتے ہین۔

فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ عورت شوہر کو مہر ہبہ کرسکتی ہے اور کوئی ولی اُسکا یہانتک کہ باپ بھی اُسکے اس فعل پر اعتراض نہین کرسکتا۔ وہ اپنے شوہر کو کل دین مہر یا اُسکے کسی جز سے بری الذمہ کرسکتی ہے۔ مگر اُسکا بری الذمہ کرنا اُسوقت شرعاً معتبر ہوگا کہ جب وہ صحیح وسالم اور صحیح العقل ہو۔ ہندوستان مین اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عورت عالم احتضار مین مہر شوہر کو معاف کردیتی ہے۔ یہ امر مشکوک ہے کہ جانکنی کے عالم مین مہر معاف کردینا کہانتک جائز ہے۔ اگر زوجہ نابالغہ اپنا مہر معاف کردے تو غالباً جائز نہوگا تاوقتیکہ اُسکا ولی تصدیق نہ کردے۔

حنفیہ کے نزدیک باپ اپنی بیٹی کے مہر کو اُسکے شوہر کے خاطر سے نہین گھٹا سکتا۔ مگر شیعون کے نزدیک باپ یا دادا ایسا کرسکتا ہے یعنی مہر مین تخفیف کرسکتا ہے الا اسکے کہ کسی وجہ سے یقین ہوسکے کہ فریب سے ایسا کیا گیا ہے۔ مگر باپ یا دادا کو ہرگز اختیار نہین ہے کہ دختر نابالغ کے شوہر کو کل مہر معاف کردے۔

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۴ ۳۴۳ منہ [2] فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ مہر معاف کرنا اُسوقت جائز ہے کہ جب عورت اُسکو معاف کرنے کے وقت مرض الموت مین نہ مبتلا ہو۔ [3] فتاوائے عالمگیری ۴۴ ۳۴۳ منہ [4] جامع الشتات منہ [5] شرائع الاسلام صفحہ ۲۹۵ [illegible]

شوہر کے اور دیون کے مانند مہر بھی ایک دین یا قرضہ ہے اور تمام حقوق وصیت اور حقوق وراثت پر مقدم ہے۔ متوفی کی جائداد نہین تقسیم ہو سکتی تاوقتیکہ دین مہر نہ ادا کر دیا جاوے۔

جب زوجہ زندہ ہو تو وہ خود اپنا مہر شوہر کی جائداد سے لے سکتی ہے۔ جب وہ مرجائے تو اسکے ورثہ یا قائم مقامان شرعی اسکا مہر وصول کرنے کے مستحق ہین۔

شرع محمدی مین کفالت بغیر قبضہ جائز نہین ہے اور زن بیوہ کو کوئی حق انتقال اپنے شوہر متوفی کی کسی جائداد مین نہین رکھتی ہے تاکہ اُس جائداد کو کسی مشتری کے ہاتھ مکفول کر سکے جیسا رہن مین ہوتا ہے۔ زوجہ کا حق مہر صرف ایک دین شوہر کی جائداد پر ہے اور حقوق وصیت اور حقوق وراثت پر تقدم رکھتا ہے۔ اور جب زوجہ شوہر کی جائداد پر مہر کا دعوے کر کے قبضہ واقعی شرعی پا جائے تو اُسپر اُسوقت تک قابض رہیگی جبتک کہ اسکا مہر ادا ہو جائے اور شوہر کے ورثہ کو حساب سمجھانے کی ذمہ دار رہیگی۔ ہائیکورٹ کلکتہ نے بمقدمہ احمد حسین بنام خدیجہ بیگم یہ تجویز کیا کہ جب مہر کے مقدار نہ دریافت ہو سکے مگر بیوہ عورتین اپنے شوہرون کی جائداد پر بعوض اپنے مہر کے قابض ہون تو انکو ایک حق اُس جائداد مین اُسوقت تک حاصل رہیگا جبتک کہ انکا مہر ادا ہو جائے

اگر کوئی بیوہ کسی جائداد پر بعوض مہر قبضہ پا چکی ہو اور اُسکے شوہر کا کوئی وارث اُسکا قبضہ اُٹھا دے تو اس وارث کو وہ جائداد اس شرط سے ملیگی کہ بیوہ کا حق مہر اُسپر باقی رہیگا۔

جو بیوہ اپنے مہر کے عوض مین شوہر کی جائداد پر قابض ہو اُسپر بیدخلی کی نالش نہین ہو سکتی تاوقتیکہ یہ نہ بیان کیا جائے کہ اسکا مہر ادا ہو چکا ہے۔

تمادی ایام کا عذر مہر موجل مین اسوقت تک نہین عارض ہو سکتا جبتک کہ وہ مہر شوہر یا زوجہ کے مرجانے سے یا طلاق کی وجہ سے واجب الادا نہو جائے۔ مگر مہر معجل ایسا قرضہ ہے

سلہ مقدمہ وحید النسار بنام شبراتن لاریورٹ بنگالہ جلد ۶ صفحہ ۵۴ ۱۲ منہ سلہ مقدمہ بنجین بنام حامد حسن لاریورٹ بنگالہ جلد ۱۰ صفحہ ۲ منہ سلہ لاریورٹ بنگالہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۵ ۱۲ منہ سلہ مقدمہ امیدعلی بنام سیفہن لاریورٹ بنگالہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۵ ۱۲ منہ

مجرہمیشہ واجب الادا رہتا ہے اور حالت بقاء نکاح مین ہر وقت طلب ہو سکتا ہے اور عند الطلب یقیناً واجب الادا ہے۔ چنانچہ ایک مقدمہ مین زوجہ نے صاف صاف اور بلا ابہام مہر دلاپانے کا دعوی کیا اور شوہر نے مہر دینے سے انکار کیا تو عدالت عالیہ پریوی کونسل نے یہ تجویز فرمایا کہ بناء دعوی پیدا ہوگئی ہے اور عذر تمادی ایام اسمین عارض ہوجائیگا۔ مگر جب زوجہ نے صاف صاف مہر کا دعوی نہ کیا ہو تو عذر تمادی ایام اسکے دعوی مہر معجل مین نہ عارض ہوگا بلکہ زوجہ حق مطالبہ رکھتی ہے کہ شوہر کی حیات مین جسوقت چاہے اپنا مہر طلب کرے۔

عورت کو اختیار ہے کہ اپنے خاوند کے گھر مین رہنے سے انکار کرے تا وقتیکہ اُسکا مہر معجل نہ ادا کردیا جائے۔ ہائی کورٹ الہ آباد نے بمقدمہ عیدن بنام مظہر حسین یہ تجویز کیا تھا کہ جب زوجہ کا مہر معجل ہو تو اُسکو اختیار ہے کہ جب اُسکا شوہر حقوق زوجیت نافذ کراپانے کی نالش کرے اُسوقت اُسکے ساتھ رہنے سے انکار کرے تا وقتیکہ اُسکا مہر نہ دیدیا جائے اور یہ امر کہ نکاح کے وقت سے وہ ہمیشہ اُسکے ساتھ رہتی ہے اس انکار کا مانع نہین ہوسکتا۔

یہ رائے ہائی کورٹ الہ آباد کی امام اعظم ابوحنیفہ کے قول کے موافق ہے مگر اُنکے شاگردون نے اس مسئلہ مین اُنسے اختلاف کیا ہے کہ جب کسی عورت کا زفاف یا خلوت صحیحہ ہو چکی ہو تو آیا وہ استرداد حقوق زوجیت سے انکار کرسکتی ہے تا وقتیکہ مہر معجل اُسکو نہ دیدیا جائے۔

شیعون کے دو قول اس مسئلہ مین ہین مگر قول راجح یہی ہے کہ جب عورت ایک مرتبہ شوہر کے ساتھ ہمبستر ہو چکی ہو تو پھر مہر معجل کے نہ ادا ہونے کی وجہ سے استرداد حقوق زوجیت سے انکار نہین کرسکتی گو شوہر کی حیات مین اس مہر کی نالش اُسپر ہر وقت کرسکتی ہے۔

جب شوہر زوجہ کے مہر مین کوئی جائداد دیدے یا جیسا فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ وہ کچھ مال

لہ مقدمہ کھجور النساء بنام سیف اللہ خان لا رپورٹ بنگالہ جلد ۵ صفحہ ۳۰۶۔ و نیز مقدمہ کھجور النساء بنام رئیس النساء لا رپورٹ بنگالہ جلد ۵ صفحہ ۴ جسمین یہ تجویز ہوا ہے کہ عذر تمادی ایام عارض ہے۔ ۱۲
سے فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۲۵۔ ۱۲ منہ سے جامع الشتات ۱۲ منہ

اُسکے ہاتھ بعوض اُسکے مہر کے فروخت کر ڈالے ہاں تو اس صورت میں بھی زوجہ اُسکے ساتھ ہمبستری سے انکار کرسکتی ہے تاوقتیکہ مال مذکور اُسکو نہ دیا جائے۔

جب وہ جائداد جو زوجہ کے نام بعوض مہر لکھدی گئی ہو اسکو دیجائے تب بھی قبضہ اُسکا ہوجائے یا کوئی تیسرا شخص اُسپر دعویٰ کرے تو شوہر پر فرض ہے کہ اُسکی قیمت جائداد زوجہ کو دیدے اگر وہ جائداد جو مہر میں لکھدی گئی ہے اُس قیمت کی نہ ہو جسقدر قیمت اُسکی بیان کیگئی ہے تو زوجہ کو قبل زفاف اختیار ہے کہ اُسکا معاوضہ یا اُسکے بدلے میں دوسری جائداد طلب کرے۔ مگر جب زفاف ہوچکا ہو تو یہ خیال کیا جائیگا کہ زوجہ حق معاوضہ سے دست بردار ہوگئی ہے۔

مہر سے متعلق متفرق اصول

سابق میں بیان کیا گیا کہ زمانہ جاہلیت میں یعنی اسلام سے پیشتر ایک شرط ضروری جواز نکاح کی یہی کہ شوہر کو لازم تھا کہ کچھ مہر زوجہ کا مقرر کردے اور وہ مہر زوجہ کا مال مخصوص و بلاشرکت غیر ہوجاتا تھا اُس زمانہ میں عموماً یہی دستور تھا گو معین و منضبط قوانین کے نہ ہونے کی وجہ سے اِس دستور کی پابندی کم کیجاتی تھی بلکہ اکثر اسکی خلاف ورزی کیجاتی تھی۔

اُس زمانہ کی تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ گو قبائل عرب میں مہر کا دستور جاری تھا تاہم اکثر ایسا ہوتا تھا کہ شوہر اپنی زوجہ کا سب مال و اسباب چھین کر اُس بیچاری کو فقیر و محتاج کردیتا تھا۔ اِس ظلم و نا انصافی کی ممانعت قطعی قرآن مجید میں کردیگئی ہے اور عرب سے یہ کہدیا گیا ہے الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا یعنی طلاق دو مرتبہ ہوسکتا ہے اور جب تم اپنی بیبیوں کو طلاق دو تو اُنکے ساتھ نیکی کرو اور تمھارے لیے حلال نہیں ہے کہ جو تمنے اُنکو دیا ہے اُسکو پھیر لو (سورۂ بقر آیت ۲۲۹)۔

قبائل یہود جو عرب میں سکونت پذیر تھے اُنمیں اور ہی دستور تھا یعنی اُنمیں یہ رسم تھا کہ زوجہ کا مہر اور جہیز جو وہ اپنے گھر سے لاتی تھی دونوں شوہر کے قبضہ میں تاہنگام فسخ نکاح رہتے تھے[1]

---

[1] مجموعہ قوانین یہود۔ اور ابن خضیر کی کتاب جلد ۲۔ صفحہ ۱۰۔ و ۸۸ و ۴۳۔ ۱۵۔ ۱۲ متن۔

معاملۂ نکاح مین شرع محمدی مین عرب کا وہ اصول اختیار کیا گیا ہے جو زیادہ تر منصفانہ و عاقلانہ تھا۔ ازروے شرع محمدی شوہر اور زوجہ ایک دوسرے کے مال مین مشارکت نہین کھتے ہین بلکہ زوجہ اپنی ذاتی جائداد اور جو کچھ شوہر اُسکے مہر مین دیدے اُسکی بالکل مالک و مختار ہے۔ اور جبتک شوہر و زوجہ زندہ رہین اُسوقت تک اُنکو اختیار ہے کہ جب چاہین شرائط نکاح کو بدل سکتے ہین۔ اور زوجہ کو کل مہر معاف کردینے یا کم کردینے کا اختیار ہے اور شوہر کو بھی اُسکے مہر بڑھا دینے کا اختیار ہے۔

مہر کی مقدار بذریعۂ معاہدۂ نکاح یا ازروے رسم و رواج مقرر ہوتی ہے یا بعد نکاح طرفین کے قول و قرار سے یا قاضی کے حکم سے یا پنچایت سے مقرر ہوتی ہے جیسا مہر تفویض اور مہر تحکیم ہے جب مہر کی تصریح بعبارت صریح و واضح مہرنامہ مین کردیجاتی ہے تو پھر کچھ دقت نہین واقع ہوتی۔ مگر جب شرائط مہر مبہم و مشکوک یا متناقض ہون تو حاکم کو طرفین کی نیت اور منشا دیکھکر مہر کا تصفیہ کرنا چاہیئے گو علماے اسلام نے خود رایانہ قواعد تصفیہ مہر کے باب مین بنا کر اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کرنا چاہا ہے۔ مثلاً امام ابو یوسف کا قول ہے کہ جب آدمی دو چیزین مختلف القیمت رکھتا ہو اور اُنمین سے ایک چیز زوجہ کے مہر مین دیدے مگر اُسکی تصریح نہ کرے کہ کونسی چیز دی ہے تو زوجہ اُس چیز کی مستحق ہوگی جو کم قیمت[1] ہے۔ اسی طرح سے اُنکا قول یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص کوئی چیز زوجہ کے مہر مین دیدے اور اُسکی حقیقت بیان کردے مگر اُسکی قیمت نہ بیان کرے تو زوجہ اوسط درجہ کی قیمت کی چیز پانے کی مستحق ہوگی۔ امام شافعی کے نزدیک ایسی صورت مین زوجہ کو مہر المثل دلانا[2] چاہیئے۔

جب کوئی شخص زوجہ کا مہر تیس دینار مقرر کرے اور نکاح کے وقت کہدے کہ دس دینار مہر معجل و دس دینار مہر موجل ہے تو فتویٰ یہ ہے کہ بیس دینار مہر معین تصور کیا جائیگا۔

جب خاص معاہدۂ نکاح کو طرفین تسلیم کرلین تو مہر کا تصفیہ کرنے مین بہت کم دقت ہوتی ہے

[1] ہدایہ صفحہ ۳۰۱ ۔ ۱۲ منہ [2] ہدایہ صفحہ ۱۴۱ ۔ ۱۲ منہ ۔

خواہ مہر پر نزاع شوہر و زوجہ کی حیات مین پیدا ہو خواہ اُنکے وفات کے بعد پیدا ہو۔ مگر جب شوہر اور زوجہ مین سے کوئی وقوع نکاح کا انکار کرے یا یہ کہے کہ زبردستی یا بفریب نکاح کر لیا گیا تھا یا یہ بیان کرے کہ جو معاہدہ نکاح کے وقت ہوا تھا اُسمین ترمیم ہو گئی ہے یا اُسکے بدلے دوسرا معاہدہ کیا گیا ہے تو ایسی صورتون مین مہر کا جھگڑا طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اُن قواعد پر نظر کرنا لازم ہو جاتا ہے جو فقہاے اسلام نے تنازعات مہر کا تصفیہ کرنے کے لیے مقرر کیے ہین ۔ کفایہ مین یہ لکھا ہے کہ ”مہر کا جھگڑا خود متناکحین مین اُنکی حیات مین یا اُنکی وفات کے بعد اُنکے ورثہ مین یا اُنمین سے ایک کی وفات کے بعد اُسکے ورثہ مین اور جو زندہ ہے اُسکے ورثہ مین ہوتا ہے اگر متناکحین کے حین حیات مہر پر تنازع واقع ہو تو قبل طلاق ہوگا یا بعد طلاق۔ اور ان سب صورتون مین تنازع مہر معین کی مقدار کے باب مین ہوگا یا اِس امر مین کہ کوئی مہر نکاح مین معین ہوا تھا یا نہین[1]“۔

سابق مین عرض کیا گیا کہ معاہدۂ نکاح کو قلمبند کرنا کچھ ضرور نہین ہے۔ بلکہ فتاواے عالمگیری مین یہانتک لکھا ہے کہ ”اگر شوہر[2] مہر لکھدینے پر راضی نہو تو اُسپر جبر نہ کیا جائے“۔ پس معاہدہ زبانی نکاح کا اور اقرار زبانی مہر کا بھی شرعًا ویسا ہی جائز ہے جیسا معاہدہ تحریری نکاح کا اور اقرار تحریری مہر کا۔ چونکہ اب تمام مہذب اور شائستہ اقوام اہل اسلام مین یہ دستور ہو گیا ہے کہ شادی سے پیشتر شرائط نکاح قلمبند کر لیے جاتے ہین لہذا جو مثالین قدماے فقہاے اسلام نے تنازعات مہر کی لکھی ہین اُنکو بیان کرنے سے کوئی فائدہ عملی متصور نہین ہے۔ تاہم وہ مثالین محض بیفائدہ نہین ہین اسواسطے کہ ہندوستان مین بھی بعض مقدمات ایسے نکل آتے ہین جنمین مہر شوہر و زوجہ کے صرف اقرار زبانی پر موقوف ہوتا ہے۔

جب معاہدۂ نکاح قلمبند کر لیا گیا ہو اور نکاحنامہ مین مقدار مہر کی تصریح کر دی گئی ہو تو شوہر مجال انکار نہین رکھتا اور یہ نہین کہہ سکتا کہ میرا ارادہ اتنا مہر مقرر کرنے کا نہ تھا بلکہ اِس سے بالکل مختلف مقدار

---

[1] کفایہ صفحہ ۹۶ - بیلی صاحب کی شرح محمدی صفحہ ۱۳۰ - ۱۲ منہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۸۵ - ۲۴ - ۱۲ منہ -

معین کرنے کا تھا البتہ یہ کہ سکتا ہے کہ اتنی مقدار مہر نکاحنامہ مین فریب سے لکھ لیگئی ہے۔[1]

جب کوئی معاہدہ تحریری نکاح کا نہو اور شوہر و زوجہ کی حیات مین مقدار مہر پر جھگڑا ہو تو نہ چاہئے کہ مہر المثل کو معیار قرار دیکر شوہر و زوجہ دونون کے بیانات جانچے جائین۔ مثلاً اگر زوجہ کہے کہ میرا مہر پانچہزار روپیہ مقرر کیا گیا تھا اور شوہر کہے کہ صرف اڑھائی ہزار مہر مقرر ہوا تھا تو یہ دریافت کرنا چاہئے کہ اِس عورت کا مہر المثل کیا ہوگا۔ اگر اُسکا مہر المثل پانچہزار سے کم نہ قرار پائے تو ظن غالب یہ ہوگا کہ زوجہ کا بیان مطابق واقع ہے۔[2]

یہی اصول جب بھی صادق آئیگا کہ جب شوہر یا زوجہ کی وفات کے بعد مہر پر جھگڑا ہو یعنی جب مہر کی ٹھیک ٹھیک مقدار دریافت کرنا ممکن نہو تو زوجہ یا اُسکے ورثہ مہر المثل پانے کے مستحق ہونگے۔ مگر یہ اُس صورت مین ہوگا کہ جب طرفین سے کوئی ثبوت اسکا نہ بہم پہونچ سکے کہ نکاح کے وقت کیا مقدار مہر مقرر ہوئی تھی۔ لکن اگر کوئی عورت ایسے وجوہ پیش کرے جنسے ثابت ہو جائے کہ اسکا مہر المثل سے زیادہ ہے تو ایسے وجوہ پیش کرنا منع نہین ہے۔ چنانچہ الجیرس کی عدالت نے اسی اصول کو ایک مقدمہ مین جاری کیا جسکی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص تین ازواج چھوڑکر مر گیا اُنمین سے دو زوجون نے ثبوتِ قطعی اپنے مہر کا پیش کیا مگر تیسری زوجہ کچھ ثبوت نہ دے سکی اور کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے ثابت ہوتا کہ اُسکے مہر کی مقدار اُن دونون کے مہر سے کم تھی۔ عدالت نے اِس اصول مین قاضی کے ساتھ اتفاق راے کرکے یہ تجویز کیا کہ یہ زوجہ بھی اُسی صداق کی مستحق ہے جسکی مستحق اور دو زوجین ہین۔

جب تعداد مہر قلمبند کر لیگئی ہو اور شوہر بیان کرے کہ یہ تعداد زبردستی یا فریب سے لکھدی گئی ہے تو اس دعوی کا ثبوت شوہر پر عائد ہوگا۔ اور جب زوجہ کی طرف سے یہ بیان کیا جاے کہ جو مقدار مہر نکاحنامہ مین لکھی ہے اُس سے زیادہ مہر بندھا تھا تو اسکا بار ثبوت زوجہ پر ڈالا جائیگا۔

ایسی صورتین بھی ہوتی ہین کہ بعض نکاح پوشیدہ طور سے اور زبانی مہر قلیل پر کر لیا جاتا ہے اور لوگون کے

[1] فتاواے عالمگیر صفحہ ۳۰۵ [2] جامع الفصولین ... فتاواے عالمگیری صفحہ ... فتاواے عالمگیری صفحہ ... جامع الفصولین

بہت زیادہ مہر بیان کیا جاتا ہے یا نکاحنامہ مین مہر کثیر لکھا جاتا ہے - ایسی صورتون مین یہ تجویز کیا گیا ہے کہ جو مہر لوگون سے بیان کیا گیا ہے یا جو نکاحنامہ مین لکھا گیا ہے وہی مہر واجب تصور کیا جائیگا-[1]

جب کوئی شخص نکاح مین وکالت کرنا اور ایک مہر معین طی کرنا قبول کرے مگر جتنی مہر کی اجازت اُسکو نہ دی ہو اُس سے زیادہ مہر بفریب مقرر کرے تو اُسکا ذمہ دار صرف شوہر ہوگا اگر قبل زفاف اُسکو اُس فریب کا شبہ ہوا ہو لیکن اگر زوجہ کو قبل زفاف اپنے شوہر کے وکیل کے فریب کا حال معلوم ہو گیا ہو تو وہ صرف اُس رقم کے پانے کی مستحق ہوگی جسکی اجازت نفس الامر مین دیگئی تھی-

اگر شوہر اور زوجہ دونون اُس فریب سے آگاہ تھے تو شوہر کل مہر کا ذمہ دار ہوگا

جب یہ بیان کیا جائے کہ پہلے معاہدہ مین مابعد کے معاہدہ سے ترمیم ہوگئی ہے تو جو فریق یہ بیان کرے اُسی پر اسکا بار ثبوت ڈالا جائیگا-

جب کوئی خاص مقدار مہر نکاح مین قرار دیجائے اور شوہر قبل زفاف زوجہ سے جدا ہو جائے یا اُسکو طلاق دیدے تو زوجہ نصف مہر کی مستحق ہوگی - اگر نکاح مین کچھ مقدار مہر کی نہ مقرر کیگئی ہو تو زوجہ نصف مہر المثل کی مستحق ہوگی[2]

مذکورہ ذیل صورتون مین عورت کچھ مہر پانے کی مستحق نہین ہے اگر اُسمین اور اُسکے شوہر مین قبل زفاف تفرقہ پڑ گیا ہو-

(۱) جب دو نابالغ بغیر اذن اپنے ولیون کے نکاح کرلین اور ولیون کی تحریک سے اُنکا نکاح منسوخ کیا جائے[3]-

(۲) جب اُس نکاح کو جو نابالغون کی طرف سے کرلیا گیا ہو خود وہ نابالغ بہ تعمیل خیار البلوغ منسوخ کردین[4]-

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۴۴- فصول عمادیہ - جامع الشتات اور مقدمات مندرجہ رپورٹ صدر عدالت دیوانی کلکتہ جلد ۱- صفحہ ۲۷۹- اور جلد ۲ صفحہ ۱۹۹ - ۱۲ منہ [2] محمد حاسم کا رسالہ نکاح اور لا سیل صاحب کی کتاب ب ۲ - ۱۲ منہ
[3] اس کتاب مین باب النکاح ملاحظہ ہو ۱۲ منہ [4] ایضاً ایضاً - ۱۲ منہ [5] ایضاً ایضاً - ۱۲ منہ

(۳) جب نکاح قاضی کے حکم سے کسی ایسے سبب سے منسوخ کیا جائے جس سے طرفین کو منسوخ کرانے کا اختیار[1] حاصل ہوگیا ہو۔

(۴) جب کسی شخص نے ایسی بیماری مین نکاح کرلیا ہو جسپر مرض الموت کی تعریف صادق آتی ہو اور قبل زفاف اُسی بیماری سے مرجائے۔

لیکن اگر زوجہ نکاح کے وقت ایسے مرض مین مبتلا ہو جو مانع زفاف ہو اور آخر الامر اُسکی موت کا باعث ہو تو اُسکا حق مہر اُسکے ورثہ پر منتقل ہوجائیگا۔

اگر باپ اپنے نابالغ بیٹے کا نکاح مہر معین پر کردے اور بیٹا مرجائے اور کوئی جائداد نہ چھوڑ گیا ہو تو اُسکی زوجہ کے مہر کا ذمہ دار اُسکا باپ ہوگا۔

سابق مین بیان کیا گیا کہ شوہر کو اختیار ہے کہ زمانۂ بقائے نکاح مین زوجہ کے مہر مین اضافہ کرے اور زوجہ کو اُسمین تخفیف کرنے کا اختیار ہے۔ شافعیہ کے نزدیک ایسا اضافہ ہبہ سمجھا جائیگا اور چونکہ ہبہ بغیر قبضہ شرع محمدی مین معتبر نہین ہے لہذا جو اضافہ شوہر اپنی زوجہ کے مہر مین کرے اُسیوقت اُسکو حوالہ کردے۔

مگر حنفیہ و شیعہ کے نزدیک ایسا اضافہ ہبہ نہ سمجھا جائیگا لہذا اُسکا جواز اُسپر موقوف نہین ہے کہ جب اضافہ کیا جائے اُسی وقت اُسپر قبضہ بھی کرا دیا جائے۔ چنانچہ ہدایہ مین لکھا ہے کہ وہ اضافہ مہر ایک تغیر ہے شروط نکاح کا ایک امر غیر ضروری ہے جو متناکحین کے اختیار مین ہے لہذا مثل اضافہ ثمن کے جو بیع مین کیا جائے اصل مہر مین شامل ہوجاتا ہے[2]۔

اگر شوہر و زوجہ مین قبل زفاف جدائی ہوجائے تو زوجہ بعد نکاح اضافہ مہر کی مستحق نہوگی۔ دولھن کو اُسکا باپ جہیز دیتا ہے۔ یہ امر رسم و رواج خاندان پر موقوف ہے کہ جو روپیہ باپ نے بیٹی کے جہیز مین صرف کیا ہو اُسکو وہ بیٹی کے مہر سے کتنا وصول کرسکتا ہے مثلاً

---

[1] جامع الشتات ۱۲ مسئلہ ۲ ترجمہ انگریزی ہدایہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۷ اور جلد ۲ صفحہ ۱۴۵ – [2] کنز الدقائق – ۱۳ مسئلہ –

الجیرس کی عدالت نے یہ تجویز کیا ہے کہ باپ پر بیٹی کو جہیز دینا فرض نہیں ہے اور اگر وہ اسکو جہیز دے تو اسکی قیمت اُسکے مہر سے وصول کرسکتا ہے۔

ہندوستان میں باپ پر بیٹی کو جہیز دینا واجب ہے الّا اینکہ وہ بالکل غریب و نادار ہو اس صورت میں یہ فرض شوہر پر عائد ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کچھ روپیہ اپنے آئندہ کے زوجہ کے جہیز کے لیے قرض دے تو اُسکے باپ پر فرض ہے کہ اگر ذی مقدور ہو تو اُسی قدر روپیہ یا اُسقدر جسقدر موافق رواج ہو وہ بھی اپنی بیٹی کے جہیز کے لیے دے[1]۔

جو جہیز زوجہ اپنے باپ کے گھر سے لاتی ہے وہ اُسی کا مال رہتا ہے اور اُسکے شوہر کو اُسپر کچھ اختیار نہیں ہوتا۔ اور جو اسباب شادی شوہر اسکے لیے مہیا کرتا ہے وہ بھی اُسی کا مال رہتا ہے۔

ولیمہ یعنی شادی کی دعوت کا خرچ شوہر دیتا ہے۔ اور زوجہ کو گھر کے خرچ کے لیے کچھ نہیں دینا پڑتا وہ بھی شوہر کے سر ہے۔

شوہر و زوجہ کی جائداد ہمیشہ علحدہ علحدہ رہتی ہے۔ ابتداء زوجیت میں تو یہ تمیز ہو سکتی ہے کہ شوہر کا مال کتنا ہے اور زوجہ کا کتنا ہے۔ لیکن جب شوہر و زوجہ کی یکجائی کو ایک عرصہ گذر جاتا ہے تو اُن دونوں کی جائداد میں تمیز کرنا دشوار ہو جاتا ہے اگر اس صورت میں شوہر اور زوجہ میں یا اُنکی وفات کے بعد اُنکے ورثہ میں اُن دونوں کے مشترک اثاث البیت پر جھگڑا ہوا اور کوئی ثبوت قطعی نہ بہم پہونچے تو شرعاً یہ قیاس کیا جائیگا کہ جو چیزین عرفاً عورتوں کی ہوتی ہین وہ زوجہ کا مال ہے اور جو اشیاء رواجاً مرد کی ہوتی ہین وہ شوہر کا مال ہے اور جو چیزین دونوں کا مال ہون اُنکی حقیقت کا تصفیہ رسم و

---

[1] اسکو دست پیمان کہتے ہین۔ ۱۲ منہ [2] جامع الشتات۔ محیط سرخسی۔ فتاوے عالمگیری مین لکھا ہے کہ دو جہیز کی مقدار مناسب یہ ہے کہ دست پیمان کے ہر ایک دینار کے مقابل مین تین یا چار دینار کا جہیز ہونا چاہیئے۔ ۱۲ منہ

رواج مختص المقام کے روسے کیا جائیگا۔

گیارھوان باب

فسخ نکاح ۔ رسوم زمانۂ جاہلیت ۔ طلاق ۔

اختلاف فرق اسلام۔

زمانۂ سلف مین طلاق کا حق سب قومون مین نتیجۂ ضروری و لابدی حق نکاح کا سمجھا جاتا تھا۔ طلاق کا اختیار دراصل شوہر کو دیا گیا تھا اور زوجہ کسی حال مین طلاق مانگنے کی مستحق نہ تھی۔

تہذیب و شائستگی کی ترقی اور خیالات کا عروج عورتون کی اصلاح حال کا باعث ہوا۔ اور انکو بھی ایک مقید حق طلاق حاصل ہو گیا اور اس حق کو عمل مین لانے مین اُنھون نے کبھی دریغ نہین کی یہانتک کہ قیاصرۂ روم کے عہد سلطنت مین جس آسانی سے نکاح اور طلاق ہونے لگا وہ تواریخ مین ضرب المثل ہے۔

یہود کی شریعت مین شوہر کو اختیار تھا کہ جب کسی سبب سے زوجہ سے ناراض ہو فورًا اُسکو طلاق دیدے اور اختیار طلاق کو خودرایانہ اور بلاوجہ عمل مین لانے کا کوئی مانع و مزاحم مرد کو نہ تھا اور قدیم یونانیون اور رومیون مین بھی شوہر کا اختیار طلاق ویسا ہی نامحدود اور غیر منفید تھا جیسا بنی اسرائیل مین تھا۔

آخر زمانہ مین یہود کے فرقۂ شمعیہ نے اختیار طلاق کی عمل درآمد کو چند قیود سے مقید کر دیا مگر فرقۂ حلیل نے شریعت موسوی کے احکام طلاق کو اُسی حالت اصلی پر قائم رکھا۔

شارع اسلام ؐ کی بعثت کے زمانہ مین فرقۂ حلیل کے مسائل عرب کے قبائل یہود مین جاری تھے۔ اور اُنمین بھی مشرکین عرب کی طرح طلاق کا رسم بہ شدت اور بکثرت جاری تھا

---

[1] امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ جتنی چیزین خانہ داری کے لیے ضروری یا مفید ہون وہ شوہر و زوجہ مین سے اُسکی قرار دیجا یینگے جو زندہ رہگیا ہو۔ فتاوا ے قاضیخان اور فصول عمادیہ مین بھی یہ مسئلہ ملاحظہ ہو۔ ۱۲ مسنہ۔

مشرکین عرب اور یہود دونون مین یہ تھا کہ چند خاص صورتون مین عالی خاندان عورتین اپنے شوہرون کو طلاق دینے کا حق اپنے لیے مخصوص رکھتی تھین اور جب وہ اس حق کو عمل مین لانا چاہتی تھین تو صرف اتنا کرتی تھین کہ اپنے خیمون کو ایک جگہ سے اُکھاڑ کے دوسری جگہ نصب کرتی تھین جس سے اُنکے شوہرون کو معلوم ہو جاتا تھا کہ ہمکو طلاق دیدیا ہے۔

شارع اسلام نے بعو اصلاحین فرمائین اُنسے مشرقی قانون سازی کا ایک نیا عنوان پیدا ہو گیا مسلمانون کا قانون طلاق ایک نتیجہ منطقی نکاح کا ہے۔ چونکہ شرع محمدی مین نکاح محض ایک دنیاوی معاملہ ہے لہذا مستاجین کو فسخ نکاح کا اختیار حالات مخصوصہ مین دیا گیا ہے۔ ظاہرا شوہر کو زوجہ سے زیادہ اختیار طلاق دیا گیا ہے مگر ضمنًا اور عملاً اِس اختیار کی عمل درآمد مین بہت سے قیود لگا کر اور احادیث پیغمبر سے استدلال کرکے اُسکو معقول حدود کے اندر محدود کر دیا ہے۔

چنانچہ ابراہیم حلبی فرماتے ہین کہ "شرع شریعت مین مرد کو اختیار طلاق ابتداً دیا گیا ہے اگر زوجہ اپنی بدمزاجی یا بدوضعی سے شوہر کی زندگی تلخ کردی لکن اگر وجہ وجیہ اور سبب معقول طلاق کا نہو تو کوئی مسلمان ایمانًا اور شرعًا طلاق دینے کا مجاز نہین ہے اگر وہ اپنی زوجہ کو صرف اپنی تلون مزاجی سے چھوڑ دے یا گھر سے نکالدے تو خدا کا غضب اُسپر نازل ہوگا کیونکہ خود رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ "خدا لعنت کرے اُس شخص پر جو اپنی زوجہ کو بلاوجہ طلاق دیدے"

قبل شیوع اسلام جو رسم طلاق عرب مین جاری تھا اُسکا جواز کسی صیغہ وغیرہ پر موقوف نہ تھا اور چونکہ شوہر کے اختیار طلاق پر کوئی قید نہ تھی لہذا اُسکا صرف کنایۃً کہدینا کہ نکاح فسخ کیا گیا طلاق کی صحت کو کافی ہو جاتا تھا۔

---

[۱] پیرن صاحب کی تاریخ نسوان عرب ۲ امنر [۲] ڈی اوہسن صاحب کی کتاب جلد ۳۔ صفحہ ۱۶۷ [۳] ملتقی الابحر ۲۲ [illegible] امنسم

شارع اسلام نے جب قانون طلاق مقرر کیا تو مین چند شروط شوہر کے اختیار طلاق کی عملدرآمد مین اِس غرض سے لگا دیے ہین کہ جہانتک ممکن ہو عورتون کی حفاظت ہو اور شوہرون کی تلون مزاجی سے وہ دربدر خاک بسر ہونے پائین۔

شارعِ اسلام نے عورتون کو بھی بعض حالات مین فسخ نکاح کا حق عطا فرمایا ہے جب فسخ عقد شوہر کی جانب سے ہو تو اُسکو طلاق کہتے ہین۔ اور جب زوجہ کی جانب سے ہو تو اُسکو خُلع کہتے ہین۔ اور جب طرفین کی جانب سے ہو تو اُسکو مبارات کہتے ہین۔

اِن سب صورتون مین جواز طلاق قاضی کے حکم پر موقوف نہین ہے۔ صرف طرفین کا فعل شرعاً کافی ہے بشرطیکہ تمام شروط ضروریۂ طلاق کی تعمیل کیجائے۔

مگر بعض صورتون مین قاضی اِسکا مجاز ہے کہ شوہر یا زوجہ کی درخواست سے طلاق پڑھ دے یا نکاح کو منسوخ کردے۔

طلاق

اہل سنت کے نزدیک طلاق کی دو قسمین ہین۔ (۱) طلاق السنت (۲) طلاق البدعت

طلاق السنت وہ ہے جو اُن احادیث کے موافق دیا جائے جو رسول اللہ صلعم سے مروی ہین۔ یعنی جو طرز یا طریقۂ طلاق رسول اللہ صلعم نے پسند فرمایا ہے وہی طریقہ جائز اور ممدوح ہے۔

طلاق البدعت کے لفظ سے ظاہر ہے کہ یہ وہ طلاق ہے جو بنی امیہ کے خلفاء جور نے دوسری صدی ہجری مین یہ سمجھکر جاری کیا تھا کہ جو قیود جناب رسالتمآب صلعم نے طلاق پر لگا دیے ہین وہ نہایت سخت ہین اور اِس سختی سے بچنے کی سبیل یہ نکالی کہ فقہا کو نرم آساجی پاکر ایک نئی شکل طلاق کی اپنے مطلب کے موافق مقرر کروالی۔

شیعہ اور مالکیہ کے نزدیک طلاق البدعت ناجائز ہے اور حنفیہ اور شافعیہ

نزدیک جو طلاق بدعتی طریقہ سے پڑھا جاسئے وہ جائز ہے گو اُسکا پڑھنے والا مرتکب گناہ ہوتا ہے۔

طلاق السنت کی دو قسمیں ہین۔ طلاق اَحسن۔ اور طلاق حَسن۔ طلاق اَحسن مین شوہر کو یہ شرائط قبول کرنا ضرور ہے یعنی (۱) اُسکو چاہیئے کہ صیغہ طلاق ایکمرتبہ ایک ہی جملہ مین پڑھے۔ (۲) اُسکو چاہیئے کہ طلاق اُسوقت دے جب عورت طاہر ہو یعنی حائضہ نہو اور جب کوئی مانع شرعی جماع کا نہو (۳) اُسکو چاہیئے کہ صیغہ طلاق پڑھنے کے تین مہینہ بعد تک حقوق زوجیت کو عمل مین لانے سے پرہیز کرے۔ اِس شرط سے شارع کا مقصود یہ ثابت کرنا ہے کہ شوہر نے جو زوجہ کو طلاق دینے کا قصد کیا ہے تو یہ قصد سرسری نہین ہے بلکہ ارادہ مصمم وحتمی ہے۔ تین مہینہ یا تین طہر گذر جانے کے بعد طلاق مستحکم ہوجاتا ہے اور لائق منسوخی نہین باقی رہتا۔

طلاق حَسن مین شوہر کو ضرور ہے کہ مہینہ مہینہ بھر کے بعد تین مرتبہ زوجہ کے طُہر کی حالت مین صیغۂ طلاق پڑھے۔ اور جب اخیر مرتبہ صیغۂ طلاق پڑھا جائے تو طلاق لائق تنسیخ نہین باقی رہتا۔ شیعون کے نزدیک صرف یہی دو قسمین طلاق کی معتبر ہین جیسا سابق مین عرض کیا گیا۔

طلاق البدعت مین شوہر تین صیغہ طلاق ایک ہی مرتبہ پڑھ سکتا ہے خواہ زوجہ حالتِ طہر مین ہو خواہ نہو۔ جب عورت اپنا عدہ پورا کرلے تو طلاق مستحکم ہوجائیگا۔

سُنّی اور شیعہ دونون کے نزدیک رجوع بعد طلاق جائز ہے یعنی اگر شوہر نے دفعتہً اور ایسے حالات مین جو بیان نہین ہوسکتی صیغۂ طلاق پڑھ دیا ہو تو اُسکو اختیار ہے کہ تین مہینہ سے پیشتر جسوقت چاہے زوجہ کی طرف رجوع کرسکتا ہے۔ جب رجوع کا اختیار جاتا رہے تو طلاق بائن ہوجاتا ہے اور جبتک رجوع کا اختیار باقی رہے طلاق رجعی

ملنے فتاوائے عالمگیریہ ۔۔۔ ۔ ۱۲ منہ ۔ شرائع الاسلام مفاتیح ۔ جامع الشتات ۔ ۱۲ منہ

یعنی لائق منسوخی رہتا ہے۔

جب طلاق بائن ہوگیا ہو تو طالق اور مطلقہ دوبارا باہم نکاح نہین کرسکتے تاوقتیکہ وہ عورت دوسرے شخص سے نکاح کرکے اُس سے طلاق نہ لے لے جیسا سابق مین بیان کیا گیا سا ئیر اصاحب اور سڈلاٹ[1] صاحب نے علماے اسلام سے اسمین اتفاق کیا ہے کہ یہ قاعدہ اِس غرض سے بنایا گیا ہے کہ طلاق کثرت سے نہ وقوع مین آسکے جیسا عرب مین دستور تھا کہ بات بات پر زوجہ کو طلاق دیدیتے تھے۔ سڈلاٹ صاحب نے اِس شرط کو لکھا ہے کہ وہ نہایت حکیمانہ ہے،، کہ اسکی وجہ سے مشرکین عرب اور یہود مین جو طلاق بافراط وقوع مین آتا تھا اُسمین تفریط یعنی کمی ہوئی۔ سا ئیر اصاحب فرماتے ہین کہ یہ قید اسلیے لگادی گئی کہ ایک حاسد اور تنک مزاج اور نیم وحشی قوم کو غیرت دامنگیر ہو اور طلاق سے باز رہے[1]۔

سنیون کے مذہب مین اختیار طلاق بہ نسبت شیعون کے مذہب کے زیادہ تر وسیع ہے چنانچہ شرایع الاسلام صفحہ ۱۴۸ مین لکھا ہے کہ وہ چونکہ نکاح باعث عفت ہے اور شرعًا حلال ہے اور باعتبار اپنے فعل کے لائق فسخ نہین ہے لہذا ضرور ہے کہ فسخ نکاح مین احکام شرع کی سخت پابندی کیجائے،،۔ لہذا جو شرائط شیعون کے نزدیک اختیار طلاق کو لازم ہین اور جنسے طلاق کا عملدرآمد محدود ہوگیا ہے وہ اُن شرائط سے شدید تر ہین جو سنیون کے نزدیک معتبر ہین۔

اہل سنت کے نزدیک طلاق صریحًا بھی ہوسکتا ہے یعنی ایسے کلمات سے ہوسکتا ہے جنسے طالق کی نیت اور منشا مین کچھ شک وشبہ نہ باقی رہے۔ اور بالکنایہ بھی ہوسکتا ہے یعنی ایسے کلمات سے جو طالق کے قصد طلاق پر ضمنًا دلالت کرتے ہون[2]۔

---

[1] سڈلاٹ صاحب کی تاریخ عرب صفحہ ۸ اور سید احمد خان صاحب کی الخطبات الاحمدیہ علی العرب والسیرة المحمدیہ صفحہ ۱۴۴ جلد ۳۔ ۱۲ منہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۵۰۰۔ اور فتاواے قاضیخان صفحہ ۲۳۔ ۱۲ منہ۔

شیعون کے نزدیک طلاق بالکنایہ موثر نہین ہے خواہ طلاق کا قصد طلاق دینے کا ہو خواہ نہو اور اگر طلاق کسی شرط پر موقوف رکھا جائے تو بھی موثر نہوگا۔[1]

علاوہ اُس اختلاف کے جو سنّی اور شیعہ مین طلاق بالصراحت اور طلاق بالکنایہ کے باب مین قابلیت طلاق کے باب مین بھی فریقین مین اختلاف بین ہے۔ شیعون کے نزدیک طلاق کا صرف بالغ و عاقل ہونا ہی کافی نہین ہے بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ برضا و رغبت خود بلا اکراہ و اجبار اور یہ سمجھکر کہ مین کیا کر رہا ہون طلاق دے۔

سنیون کے نزدیک عموماً بالغ و عاقل کے لیے طلاق دینا شرعاً جائز ہے اور کسی شرط کی تکمیل کی ضرورت نہین ہے۔

قابلیت طلاق

شیعون کے مذہب مین جواز طلاق چار شرطون پر موقوف ہے۔ (۱) شوہر حد بلوغ کو پہونچ چکا ہو (۲) وہ عاقل ہو یعنی صحیح العقل ہو (۳) وہ برضا و رغبت خود بلا اکراہ و اجبار طلاق دے (۴) اُسکا ارادہ صریحاً طلاق دینے کا ہو۔

پس نابالغ اور مجنون صیغۂ طلاق پڑھکر فسخ نکاح نہین کر سکتے۔ مگر نابالغ اور مجنون کی طلاق مین یہ فرق ہے کہ نابالغ شوہر کے ولی کو اُسکی طرف سے طلاق دینا شرعاً جائز نہین ہے لیکن مجنون کے ولی کو اُسکی طرف سے طلاق دینا جائز ہے۔ جب مجنون کا کوئی ولی نہو تو قاضی حکم سے طلاق ہوسکتا ہے۔ اس فرق کی علت یہ ہے کہ نابالغی ایک امر عارضی ہے مگر جنون ایک مرض دائمی ہے۔ پس جو وقت قانون انگلستان کے بموجب مقدمہ بیکر بنام بیکر کے فیصلہ مین واقع ہوئی تھی کہ اس مقدمہ مین شوہر مجنون تھا اور جو کمیٹی اُسکے ولی نے مقرر کی تھی اُسنے زوجہ کے زانیہ ہونے کو طلاق کی وجہ قرار دیا تھا وہ دقت شیعون کے مذہب کے موافق نہین واقع ہوسکتی۔

[1] جامع الشتات۔ شرایع الاسلام صفحہ ۱۳۰۴-۱۲ منہ

جو طلاق اجبار و اکراہ سے دیا گیا ہو وہ شیعون کے مذہب مین ناجائز اور غیر مؤثر ہے۔ ایسی طلاق کا ناجائز ہونا تین شرطون پر موقوف ہے —

(۱) جابر اس بات پر قادر ہو جسکی وہ دھمکی دیتا ہے — (۲) اُس دھمکی کے اثر پذیر ہونے کا گمان غالب ہو — (۳) اُس دھمکی سے خود شخص مجبور کو یا اس شخص کو جس سے [illegible] غرض [illegible] ہو — جیسے شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ [illegible] صرف [illegible]
جبر نہین ثابت ہوتا[1]

جو طلاق فریب یا داب تا جائز سے دیا گیا ہو وہ بھی شیعون کے نزدیک ناجائز ہے
سب اقسام طلاق کے لیے طلاق کا قصد طلاق ہونا ضرور ہے — جب یہ شرط ضروری نہ پائی جاوے تو گو طلاق بالصراحۃ دیا جاوے تو بھی شرعاً غیر مؤثر ہوگا[2] — مگر جب قصد طلاق واقع مین ہو تب بھی بالفاظ صریح و واضح طلاق دینا چاہیئے ورنہ ساری کارروائی شرعاً ناجائز ہوگی —

جو طلاق کسی شخص نے نشہ کی حالت مین یا کسی مخدر چیز (جیسے افیون وغیرہ) کے خدر کے عالم مین دیا ہو یا اور کسی ایسے ہی سبب سے دیا ہو وہ بھی ناجائز ہے —
اسی طرح سے وہ طلاق بھی ناجائز ہے جو غلطی سے یا سہواً یا عالم غیظ مین یا دل لگی سے دیا گیا ہو یا عالم خواب مین کسی شخص کی زبان پر صیغہ[3] طلاق جاری ہو گیا ہو —
سنیون کے مذہب مین اختیار طلاق دراصل ہر شوہر کو حاصل ہے جو بالغ و عاقل ہو البتہ اختیار طلاق حنفیہ کے نزدیک اور فرقون کی بہ نسبت زیادہ ہے —
حنفیہ کے نزدیک وہ طلاق جو کسی بالغ و عاقل شوہر نے دیا ہو شرعاً مؤثر ہے خواہ وہ آزاد ہو خواہ غلام اور خواہ برضا و رغبت خود طلاق دیا ہو خواہ باکراہ و اجبار اور خواہ دل لگی

---

[1] شرائع الاسلام صفحہ ۱۶ ۱۳ — جامع الشتات — ارشاد علامہ — ۱۲ منہ [2] جامع الشتات ۱۲ منہ

[3] جامع الشتات ۱۲ منہ —

سے دیا ہو خواہ سہواً صیغہ طلاق زبان سے نکل گیا ہو[1]

جو طلاق کسی شخص نے نشہ کے عالم مین دیدیا ہو وہ بھی حنفیہ کے نزدیک جائز ہے الا اسکے وہ شراب یا وہ دوا سے مخدر جس سے نشہ یا خدر پیدا ہوا ہو اسکو جبراً یا دیگئی ہو یا بطور دوا کے دیگئی ہو[2]۔

الکرخی اور طحاوی کے نزدیک طلاق اُس شخص کا جو ایسا مخمور ہو کہ اپنے سر و پا کا ہوش نہ رکھتا ہو شرعاً غیر مؤثر ہے۔ اگرچہ خود امام شافعی کی بھی یہی راے معلوم ہوتی ہے مگر انکے مقلدین نے حنفیہ سے اتفاق کرکے اُس طلاق کو جائز قرار دیا ہے جو کسی شخص نے نشہ کے عالم مین دیا ہو[3]۔

مگر مالکیہ نے شیعہ سے اتفاق کرکے ایسی طلاق کو محض ناجائز قرار دیا ہے۔

مالکیہ کا قول اس مسئلہ مین ایک مقدمہ کے فیصلہ مین بڑی صحت اور صفائی کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ اس مقدمہ کا فیصلہ شہر تلمسن واقع صوبۂ الجیریہ کے قاضی نے کیا تھا اور ساٹیر صاحب نے اپنی کتاب مین اسکا رپورٹ لکھا ہے۔ اس مقدمہ مین زوجہ نے طلاق کی درخواست اسوجہ سے گذرانی کہ شوہر نے اسکو طلاق بائن دیا ہے۔ اسکے جواب مین اُسکے شوہر نے کہا کہ مین اِس طلاق سے واقف نہین کہ طلاق دینے کے وقت مین نشہ کے عالم مین تھا۔ فریقین نے جو گواہ پیش کیے اُنکے بیانات سے ثابت ہوا کہ طلاق اتفاق الوسط پڑھا گیا تھا مگر اُسوقت شوہر نشہ کے عالم مین تھا۔ قاضی نے زوجہ کی درخواست کو اس وجہ سے خارج کیا کہ شوہر نے نشہ کے عالم مین صیغہ طلاق پڑھا تھا جو اس نالش کی بنا ہے

---

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۹۰۔ جوہرۃ النائرہ ۲۰ حصہ [2] فتاواے قاضیخان صفحہ ۲۳۳۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک طلاق اُس شخص کا شرعاً جائز نہین ہے جو ایسی شراب کے نشہ مین ہو جو کسی غلہ یا شہد سے بنائی گئی ہو مگر امام محمد نے اس مسئلہ مین اُنسے اختلاف کیا ہے اور ہندوستان کے حنفی انھین کے مقلد ہین پس اگر کوئی شخص گانجہ یا بھنگ کے نشہ مین طلاق دے وہ بھی انکے نزدیک جائز ہوگا۔ فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۹۰۔ ۱۲ منہ [3] ہدایہ صفحہ ۲۱۱۔ فتاواے قاضیخان صفحہ ۲۳۳۔ ۱۲ منہ

اہل سنت کے فرقوں مین اس طلاق کے جواز مین اختلاف عظیم ہے جو کسی شخص سے جبراً یا دھمکی سے دیدیا ہو۔ حنفیہ کے نزدیک جو طلاق جبراً دیا گیا ہو وہ بھی اُسی طرح جائز ہے جیسا وہ طلاق جو بلا اکراہ و اجبار دیا گیا ہو۔

مگر شافعیہ کا قول حنفیہ کے بالکل خلاف ہے۔ اُنھون نے شیعہ سے اتفاق کر کے یہ قرار دیا ہے کہ جو شوہر دھمکی سے یا جبراً طلاق دیدے وہ فاعل مختار نہین ہے لہذا اُسکا طلاق دینا شرعًا جائز نہین ہے۔

امام شافعی نے جو اس فرقہ کے بانی ہین اپنے قول کو اس عبارت مین لکھا ہے جو ہدایہ مین نقل کی گئی ہے۔ وہ فرماتے ہین کہ "طلاق اُس شخص کا جسنے جبراً طلاق دیا ہو شرعًا موثر نہین ہے اسواسطے کہ جس شخص پر جبر کیا جائے وہ فاعل مختار نہین ہے اور مکلف کا کوئی فعل شرعًا معتبر نہین ہے مگر یہ کہ اُسکے اختیار سے صادر ہوا ہو۔ برخلاف اُس شخص کے جو دل لگی سے طلاق دے کہ صیغہ طلاق اُسنے اپنے اختیار سے پڑھا ہے جو سبب اُسکے جواز کا ہے"[1]

امام شافعی ائمہ اربعہ مین سب سے زیادہ محتاط ہین۔ اُنکی اس معقول تقریر کا جواب جو علماے حنفیہ نے دیا ہے وہ لائق غور ہے۔ ہدایہ مین لکھا ہے کہ "ہمارے علما نے فرمایا ہے کہ شخص مجبور قابلیت تامہ طلاق کی رکھتا تھا یعنی بالغ و عاقل تھا جبکا نتیجہ یہ ہے کہ اُسکا طلاق بھی اُسی طرح جائز ہے جسطرح شخص غیر مجبور کا۔ اسکی اصل یہ ہے کہ جو شخص مجبور ہوکر طلاق دے اُسکو اختیار ہے کہ دو بلاؤن مین سے جس بلا کو چاہے قبول کرلے یعنی یا اُس بات کو قبول کرلے جسکی دھمکی اُسکو دی گئی ہے یا طلاق جبراً دینا قبول کرلے پس ان دونون باتون پر نظر کرکے وہ اُس بات کو اختیار کرتا ہے جو آسان تر ہے یعنی طلاق کو اختیار کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فعل اُسکے اختیار سے صادر ہوا ہے

[1] ترجمہ فارسی ہدایہ کتاب ۴ باب ۱ ۲ ۔ ۱۲ منہ ۔ ۲ ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۸۹ ۔ اس عبارت کا ترجمہ مبہم ہے اور

بمقدمہ ابراہیم ملا بنام عنایت الرحمن ہائی کورٹ کلکتہ نے یہ تجویز کیا تھا کہ وہ جو شخص بالاکراہ واجبار طلاق دے اُسکا طلاق جائز و موثر ہے[1] مگر جو اصول اس مقدمہ مین بیان کیا گیا اُسکو حنفیہ سے مخصوص سمجھنا چاہیے۔ مثلاً فرض کیجیے کہ کوئی شخص جبراً و رنخواہی سے اپنی زوجہ کو طلاق دیدے اور جب اُسکو اپنے فعل پر پھر اختیار ہو جائے تو اُس طلاق کے جواز کا انکار کرے اور امام شافعی کی تقلید اختیار کر کے اُس طلاق کے نتائج سے محفوظ رہے تو اسمین شک نہین ہے کہ اُسکا یہ فعل شرعاً جائز ہوگا اور جو طلاق اُسنے دیا تھا وہ ناجائز ہو جائیگا۔

مالکیہ بھی اُسی قاعدہ کے پابند ہین جو شافعیہ نے اختیار کیا ہے۔ اُنکا (مالکیہ کا) قول یہ ہے کہ دوسرا کی دھمکی دینا یا خود شوہر یا اُس شخص کو جس سے وہ محبت رکھتا ہو زدو کوب یا قید یا موت کا خوف ہونا طلاق کو ناجائز اور غیر موثر کر دیتا ہے[2]۔

اب رہا یہ امر کہ کس قسم کے جبر سے طلاق ناجائز ہو جاتا ہے سو اس مسئلہ مین شافعیہ اور مالکیہ نے شیعہ سے اتفاق کیا ہے کہ جبر ایسا ہو کہ ایک معقول آدمی کے کردار یا نفس پر اثر کرے[3]

سب علماے اہل سنت کا اتفاق ہے کہ طلاق طفل نابالغ کا گو عاقل ہو غیر موثر ہے[4] اگر طفل نابالغ اپنی زوجہ کو خود طلاق دے یا دوسرا شخص اُسکی طرف سے طلاق دے اور وہ لڑکا بعد بلوغ اُس طلاق کی تصدیق کر دے جو اُسکی نابالغی کے زمانہ مین ہوا تھا تو ایسی تصدیق کو چاہیے کہ بصورت طلاق جدید تعبیر کیجائے نہ یہ کہ جو طلاق پیشتر ہوا تھا صرف اُسکی تصدیق کر دیجائے۔

صاف نہین ہے مگر مولف نے ہیملٹن صاحب کا ترجمہ بعینہ نقل کر دیا ہے خود اُس عبارت کا ترجمہ نہین کیا ہے ۔۱۲ منہ [1] سدرلینڈ ویکلی رپورٹر جلد ۱۲ صفحہ ۴۶۰ ۔ ۱۲ منہ [2] کتاب الانوار ۱۲ منہ [3] فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۹۸ و فتح القدیر و کنز الدقائق ۔ فصول عمادیہ ۱۲ منہ [4] فتاواے عالمگیری صفحہ ۴۹۰ ۔ بحر الرائق ۔ ۱۲ منہ۔

[illegible] طلاق [illegible] شخص کا جو مجنون ہو یا مرض مالیخولیا مین مبتلا ہو ناجائز ہے - اسی طرح سے اگر کوئی شخص [illegible] عالم خواب یا عالم بیہوشی یا تقیہ کی حالت مین طلاق دے تو وہ طلاق بھی شرعاً منسوخ ہوگی -

اگر کوئی مجنون جسکو کبھی کبھی جنون سے افاقہ بھی ہو جاتا ہو جنون کے دورہ مین طلاق دے تو شرعاً معتبر نہو گا لیکن اگر افاقہ کی حالت مین طلاق دے تو شرعاً صحیح ہو گا -

شیعون کے نزدیک [illegible] اختیار کا اثر طلاق پر نہین ہو سکتا - یعنی مثلاً اگر کوئی شخص اپنی [illegible] کہے کہ [illegible] یعنی مین نے تجھکو طلاق دیا مگر تین روز تک مجھکو تنسیخ طلاق کا اختیار رہیگا تو طلاق جائز ہو گا مگر اختیار تنسیخ ناجائز ہو گا - اگر طلاق کسی شرط سے دیا جائے یا ایسے واقعہ کے وقوع پر موقوف رکھا جائے جو فی نفسہ محال نہو تو ایسی شرط جائز ہے اور طلاق کا نفاذ صرف اسوقت ہو گا جب وہ شرط پوری کر دیجائیگی -

مگر شیعون کے نزدیک سب طلاق جنمین کوئی شرط لگا دیجائے یا کوئی اختیار دیدیا جائے مطلقاً ناجائز ہین - انکے نزدیک طلاق بذریعہ تحریر دینا یا صیغہ طلاق بزبان عربی کے سوا اور کسی زبان مین پڑھنا درحالیکہ صیغہ طلاق عربی مین پڑھنے کی لیاقت موجود ہو ناجائز ہے اور انکے نزدیک طلاق اشارات وکنایات سے بھی دینا جائز نہین ہے الا اینکہ شوہر گونگا ہو - گونگا آدمی بذریعہ تحریر طلاق دے سکتا ہے مگر جو شخص طاقت گویائی رکھتا ہو اسکو تحریراً طلاق دینا جائز نہین ہے - اگر شوہر غائب یا غیر حاضر ہو تو بھی زوجہ کو تحریر کے ذریعہ سے طلاق نہین دے سکتا ہے - بر خلاف اسکے سنیون کے نزدیک طلاق تقریراً اور تحریراً دونون طرح سے ہو سکتا ہے - انکے نزدیک تحریر دو قسم کی ہے مرسوم اور غیر مرسوم - جب طلاق تحریر مرسوم

---

[1] فتاوے عالمگیری [illegible] - کنز الدقائق - فتاوے قاضیخان - صفحہ ۲۹ - ۱۲ منہ [2] مسائل و اقوال اہل سنت کے [illegible] - ۱۲ منہ [3] [illegible] جامع الشتات - ۱۲ منہ [4] مفاتیح - ۱۲ منہ [5] جامع الشتات - ۱۲ منہ [6] فتاوے عالمگیری صفحہ ۴۶۹ - ۱۲ منہ

میں دیا جائے تو جائز ہے گو شوہر کا ارادہ فی الواقع زوجہ کو طلاق دینے کا ہو۔ تحریر غیر مرسوم اگر مشکوک و مبہم ہو تو طلاق صحیح نہیں ہے۔ لیکن اگر اس تحریر مین کچھ ابہام نہو اور اُسکے معنی صاف و واضح ہون تو طلاق صحیح ہے[1]۔

شوہر کو یہ ضرور نہین ہے کہ زوجہ کے سامنے خود طلاق پڑھے البتہ یہ ضرور ہے کہ اسکا علم زوجہ کو ہو جائے۔ جب شہادت سے یہ ثابت ہو کہ طلاق کا علم زوجہ کو ہوا تھا یا وہ تحریر جسکے ذریعہ سے طلاق دیا گیا تھا (اگر طلاق سنیون کے مذہب کے موافق دیا گیا ہو) زوجہ کو دیدی گئی تھی اور اُسکا مضمون اُسکو سمجھا دیا گیا تھا تو اس صورت مین پریسیڈنسی مجسٹریٹ کلکتہ نے یہی تجویز کیا ہے کہ ایسا طلاق شرعاً جائز اور مؤثر ہے۔

شیعون کے مذہب مین یہ بھی ضرور ہے کہ دو عادل گواہون کے سامنے طلاق پڑھا جائے یا اگر طلاق کونگا ہو تو دو گواہون کے سامنے طلاق لکھ کر یا اشارہ سے دے۔ اور صرف گواہونکا موجود ہونا ہی طلاق کے وقت کافی نہین ہے بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ گواہ اُس طلاق کی حقیقت کو سمجھین اور صیغہ طلاق پڑھتے سنین۔ اگر گواہ ٹھیک ٹھیک کیفیت طلاق کی نہ بیان کر سکین یا اُن الفاظ یا اشارات کو نہ سمجھ سکین تو وہ طلاق ناجائز ہوگا گو اور سب شرائط کی تکمیل کماحقہ ہو گئی ہو۔ اور شیعون کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ گواہ یکجا ہون۔

الغرض شیعون کے احکام طلاق ایسے سخت ہین اور فسخ عقد کے موانع شرعی اُنکے نزدیک اس کثرت سے ہین کہ یہانتک لکھا ہے کہ اگر ایک گواہ طلاق کی کارروائی کے ایک درجہ مین موجود ہو اور دوسرا گواہ اس کارروائی کے دوسرے درجہ مین حاضر ہو تو طلاق صحیح نہوگا اور جب گواہ یہ گواہی دین کہ زوجہ نے طلاق کو قبول کر لیا ہے تو چاہیے کہ اُنکے بیانات مین اتفاق ہو یا ایک ہی وقت طلاق دونون نے بیان کیا ہو یا دونون کا اظہار ساتھ لیا جائے۔

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۳۰۳۔ فتاوائے قاضیخان صفحہ ۲۹۔ ۱۲ منہ

تاہم شرایع الاسلام[1] مین لکھا ہے کہ "اگر ایک گواہ وقوع طلاق کی گواہی دے اور دوسرا گواہ اُسکے قبول ہونے کی گواہی دے تو انکی شہادت شرعاً لائق تسلیم ہوگی"

جب طلاق گواہون کے سامنے دیا جائے تو اُسکا نفاذ اسپر موقوف ہے کہ کلمات مخصوصہ پڑھا گیا ہو۔ اگر کوئی شوہر اپنی زوجہ کو پہلے بغیر گواہون کے اور بعد اُسکے گواہون کے سامنے طلاق دے تو پہلی طلاق کالعدم سمجھا جائیگا۔ اور فرائض طلاق دوسری طلاق کی تاریخ وقوع سے پیدا ہونگے بشرطیکہ وہ جائز ہو۔

مگر سنیون کے نزدیک طلاق مین گواہون کا ہونا ضرور نہین ہے بلکہ جب طلاق کا علم زوجہ کو ہوجائے تو وہ شرعاً جائز و مباح سمجھا جائیگا۔

شیعون کے نزدیک جو طلاق اس عالم مین دیا جائے جب کہ آدمی غصہ کے مارے بے اختیار ہوگیا ہو وہ ناجائز ہے مگر سنیون کے نزدیک جائز ہے۔

سنیون کے نزدیک تاتعداد بے شمار صیغے[2] طلاق کے ہین جنمین سے بعض کے معانی ظاہر ہین اور بعض سے ارادۂ طلاق ضمناً مفہوم ہوتا ہے

شیعون کے نزدیک صرف دو صیغون سے طلاق ہوسکتا ہے اور اگر کوئی اور صیغہ پڑھا جائے خواہ وہ قطعی الدلالت ہو خواہ متشابہ المعنی ہو تو طلاق باطل ہے۔

ہائیکورٹ[3] کلکتہ نے مذہب حنفی کے موافق یہ تجویز کیا ہے کہ صرف لفظ طلاق تین دفعہ کہدینا بے اِسکے کہ کسی شخص سے خطاب کیا جائے جواز طلاق کے لیے کافی نہین ہے۔

چونکہ وہ اصول جو اس فیصلہ مین لکھا ہے مذہب شیعہ کے اصول مین داخل ہے اور اُس مذہب مین جواز طلاق اسپر موقوف ہے کہ صیغۂ طلاق کسی شخص خاص کی طرف خطاب کرکے پڑھا جا

---

[1] شرایع الاسلام صفحہ ۳۱۶ - جامع الشتات - ۱۲ منہ [2] یہ صیغہاے طلاق فتاواے عالمگیری صفحہ ۵۲۰ - ۵۳۳ - اور فتاواے قاضیخان جلد ۲ صفحہ ۲ - ۳۳ - اور ہدایہ صفحہ ۳۱۴۳ - ۵۰ مین ملاحظہ ہون - ۱۲ منہ

[3] فرزند حسین بنام جانا بی بی - انڈین لا رپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۴ صفحہ ۵۸۸ - ۱۲ منہ

لہذا یہ تعریف شیعہ اور سنی دونوں پر برابر صادق آتی ہے

طلاق کے نتائج شرعی

طلاق کی بحث میں اس شرط کو یاد رکھنا ضرور ہے جو اُن نتائج شرعیہ میں اختلاف [illegible] صیغہ سے پیدا ہوتا ہے۔ سابق میں بیان کیا گیا کہ طلاق باعتبار اپنے نتائج شرعیہ کے دو قسم کا ہے۔ طلاق بائن اور طلاق راجع۔

طلاق بائن سے فسخ نکاح مطلقاً ہو جاتا ہے اور اختیار رجوع نہیں باقی رہتا۔ طلاق راجع میں شوہر کو رجوع کا یعنی زوجہ کے ساتھ از سر نو ہمبستری کا اختیار باقی رہتا ہے۔ طلاق بائن بمجرد پڑھنے صیغہائے طلاق کے بشرائط ذیل ناقذ ہو جاتا ہے (۱) جب شوہر اور زوجہ میں ہمبستری نہوئی ہو۔ (۲) جب زوجہ کے کم سن یا کبیر السن ہونے کی وجہ سے مباشرت ممکن نہو۔ (۳) جب شوہر و زوجہ نے باہم قول قرار کرکے فسخ نکاح کر لیا ہو۔

طلاق راجع میں جو زوجہ کی طرف دوبارا رجوع کیجاتی ہے اسکو رجعت کہتے ہیں۔

اگر رجعت الفاظ کے ذریعہ سے وقوع میں آئے تو گواہوں کی شہادت لیجائیگی لیکن اگر رجعت بذریعہ الفاظ نہوئی ہو تو زوجہ کے بیان کا یقین کیا جائیگا۔

ہر طلاق راجع ایک مدت معینہ منقضی ہونے کے بعد طلاق بائن ہوجاتا ہے یعنی اگر عدت [illegible] کے اندر شوہر و زوجہ دوبارا ہمبستری کا ارادہ نہ ظاہر کریں تو طلاق راجع طلاق بائن ہو جائیگا۔

طلاق کی دونوں قسموں میں سنی اور شیعہ دونوں کے نزدیک ضرور ہے کہ طلاق کے وقت شوہر و زوجہ میں نکاح جائز موجود ہو۔ اور شیعوں کے نزدیک یہ بھی ضرور ہے کہ وہ نکاح دائمی ہو متعہ نہو۔

عموماً طلاق کی ابتدا شوہر کی جانب سے ہوتی ہے اور بعض حالات میں اور بعض وجوہ خصوصہ سے حاکم شرع شوہر کو طلاق دینے پر مجبور کر سکتا ہے جیسا آئندہ بیان کیا جائیگا۔ طلاق راجع میں حاکم شرع دست اندازی کر سکتا ہے اگر شوہر شرع کے منشاء کے خلاف

کوئی امر کرے۔

جب طلاق کی ابتدا شوہر کی جانب سے ہو تو اُسکو زوجہ کی جائداد کا حساب کتاب دینا پڑتا ہے اور اسکی کُل جائداد مع اُسکے مہر کے اُسکو دیدینی پڑتی ہے۔ اگر شوہر ایسا نہ کرے تو اُسپر حرجہ اور مہر کی نالش ہوسکتی ہے۔

طلاق بائن اور طلاق راجع دونون مین زوجہ کو بعد انقضاء عدہ عقد ثانی کر لینے کا اختیار رہے۔

طلاق المریض

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شوہر عالم احتضار مین ہوتا ہے یا ایسے مرض مین مبتلا ہوتا ہے جو آخر الامر اُسکی ہلاکت کا باعث ہوتا ہے اور وہ اسلیے زوجہ کو طلاق دینا چاہتا ہے کہ اُسکے مرنے کے بعد اُسکی وارث نہو سکے۔ ایسی صورتون کے لیے چند قواعد مقرر کر دیے گیے ہین تاکہ اختیار طلاق کی نا انصافانہ تعمیل سے کوئی حرج یا نقصان نہونے پائے۔ اِن قواعد کا لحاظ رکھنا اِسلیے ضرور ہے کہ اِنمین سُنی اور شیعہ مین فرق عظیم معلوم ہوتا ہے۔

شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ "وہ مریض کو اپنی زوجہ کو طلاق دینا مکروہ اور گناہ ہے۔ لکن اگر وہ ایسا کرے تو شرعًا جائز ہوگا"۔ ہدایہ مین اس سے بھی زیادہ تصریح سے لکھا ہے کہ "مریض اپنی زوجہ کو طلاق دے سکتا ہے گو وہ جان کنی کے عالم مین ہو"۔

سنیون کے نزدیک جب کوئی شخص عالم احتضار مین طلاق دے اور زوجہ کا عدہ منقضی ہونے کے پیشتر مرجاے تو زوجہ اُسکی میراث پانے کی مستحق ہوگی۔ لکن اگر وہ بعد انقضاء عدہ مرجائے تو زوجہ محجوب الارث ہوجائیگی۔

شیعون کے نزدیک اگر شوہر تاریخ وقوع طلاق سے برس روز کے اندر مرجائے خواہ طلاق بائن ہو خواہ طلاق راجع تو زوجہ اُسکی میراث پانے کی مستحق ہوگی بشرطیکہ اس اثنا مین اُس عورت نے دوسرے شخص سے عقد نہ کر لیا ہو۔ اگر اس عرصہ مین اُسنے

دوسرا عقد کرلیا ہو تو اُسکا حق وراثت شوہر اول کی جائداد مین زائل ہوجائیگا - اسی طرح سے زوجہ شوہر کی میراث اُس صورت مین بھی نہ پائیگی جب کہ شوہر نے بیماری کے عالم مین اُسکو طلاق دیا ہو اور اس بیماری سے شفا پاکر وہ دوبارا بیمار پڑے اور مرجائے الا اینکہ زوجہ کے عدہ کے زمانہ مین وہ تندرست بھی ہوجائے اور پھر بیمار پڑکر مر بھی جائے -

سنیون کا مسئلہ بالکل جداگانہ ہے - اُنکا قول یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے بیماری کے عالم مین اپنی زوجہ کو طلاق بائن دیدیا ہو اور اُس بیماری سے شفا پاکر دوبارا بیمار پڑے اور زوجہ کے عدہ کی میعاد کے اندر مرجائے تو زوجہ اُسکی میراث نہ پائیگی - لکن اگر طلاق راجع ہو تو اس صورت مین زوجہ اُسکی میراث پائیگی -

شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شدت مرض مین اپنی زوجہ کو طلاق راجع دے اور زوجہ اُس سے پیشتر اور قبل انقضاے عدہ مرجائے تو شوہر اُسکی میراث پائیگا - لکن اگر طلاق بائن ہو یا اگر وہ شخص بعد انقضاے عدہ مرجائے تو اُسکے ورثہ کو اُسکے حق کے ذریعہ سے کوئی حق وراثت نہ حاصل ہوگا -

سابق مین بیان کیا گیا کہ جو طلاق خود نابالغ یا اُسکا ولی اُسکی طرف سے دیدے وہ شرعاً ناجائز ہے - اب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اگر نابالغ عورت کو اُسکا شوہر جو طلاق دینے کی قابلیت شرعیہ رکھتا ہو طلاق دیدے تو اُس طلاق کا کیا اثر اُس عورت پر ہوگا - اس مسئلہ مین کوئی خاص حکم یا فتوے کتب اہل سنت یا شیعہ مین نہین لکھا ہے - البتہ جامع الشتات مین کہ شیعون کی ایک معتبر کتاب ہے بعض صورتین ایسی لکھی ہین جنسے اس مسئلہ کی بہت کچھ کیفیت معلوم ہوسکتی ہے - سُنی اور شیعہ دونون کا اتفاق ہے کہ صیغہ طلاق ہر حال مین زوجہ کی سمجھ مین آجانا لازم ہے - اِس سے یہ لازم آتا ہے کہ جب زوجہ ایسی کم سن ہو کہ طلاق کے نتائج شرعیہ کو نہ سمجھ سکے یا رشید یعنی ذی شعور نہو تو اُسکو طلاق دینا جائز نہین ہے - نیل المرام مین کہ شیعون کی ایک کتاب ہے لکھا ہے

کہ جواز طلاق اسپر موقوف ہے کہ شوہر و زوجہ دونون رشید و عاقل ہون۔

اب یہ سوال ہے کہ آیا شوہر اختیار طلاق کو اُسوقت عمل مین لا سکتا ہے جب زوجہ سفیہہ یا مجنونہ ہوجے۔ یہ مسئلہ بھی دقت سے خالی نہین ہے۔ صرف زوجہ کے سفیہہ ہونے سے شوہر کو فسخ نکاح کا حق نہین حاصل ہوجاتا اور اگر زوجہ مجنونہ ہو تو ضرور ہے کہ قبل نکاح اُسکو جنون ہوا ہو تاکہ فسخ عقد کی وجہ وجیہ پیدا ہو جائے۔

مگر یہ مسئلہ تنسیخ نکاح کے حق سے متعلق نہین ہے بلکہ قابلیت طلاق سے متعلق ہے بعض حالات مین اور چند شرائط معینہ کی پابندی سے فسخ عقد کا اختیار شوہر کو اُسوقت دیا گیا ہے جبکہ وہ زوجہ کا مہر ادا کر دے۔ پس یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جو شوہر زوجہ کے مجنونہ ہونے کی وجہ سے فسخ عقد نہ کر سکے آیا وہ دوسری کارروائی سے یعنی طلاق سے فسخ نکاح کر سکتا ہے۔ ج

چونکہ ہر طلاق مین ضرور ہے کہ زوجہ اُسکی کارروائی کا علم رکھتی ہو اور چونکہ مجنون دائمی سے خلاصی پانے کی ایک سبیل شرع مین نکالدی گئی ہے لہذا اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو عورت مجنونہ ہو اُسکو طلاق دینا جائز نہین ہے اِلّا اینکہ اُسوقت طلاق دیا جائے جب وہ ہوش مین ہو۔

ہندوستان مین اکثر ایسا ہوا ہے کہ شوہر و زوجہ مین طلاق بائن ہو گیا ہے اور پھر اُن دونون نے بغیر تعمیل احکام شرع کے ہمبستری کی ہے مگر ایسے مقدمات کسی عدالت مین نہین پیش ہوئے ہین۔

اگر ایسی ہمبستری کے جواز کا قیاس سنیون کے مذہب پر نظر کر کے کیا جائے تو اُسکو جائز کہنا مشکل ہے۔ اگر دوبارا ہمبستری کرنے کے بعد مرد اور عورت دونون اُس لعن وطعن سے بچنے کے لیے جو سنیون کے مذہب مین ایسے تعلق پر ہے یہ بیان کرین کہ ہم مذہب شیعہ کے پیرو ہین اور شوہر کہے کہ طلاق دینے کے وقت اُسکا ارادہ طلاق بائن دینے کا نہ تھا تو وہ

ہمبستری شرعاً جائز ہوگی۔

فریقین کے نزدیک شوہر اپنا اختیار طلاق دوسرے شخص کو تفویض کرسکتا ہے۔ بلکہ خود زوجہ کو تفویض کرسکتا ہے۔ اگر شوہر زوجہ کو اختیار طلاق دیدے تو زوجہ کو خود اپنے تئیں طلاق دینے کا اختیار حاصل ہوجاتا ہے۔ مگر یہ حق اُس مقام خاص پر محدود ہے جس مقام پر زوجہ کو اختیار طلاق ملا ہے۔ پس اگر وہ اُس مقام سے اور کہین چلی جائے تو یہ حق زائل ہوجائیگا کیونکہ اِس سے معلوم ہوگا کہ اُسنے اس حق کو نامنظور کیا ہے۔

وکالت طلاق مین شوہر کا ارادہ شرط ہے۔ اگر وکالت کو زوجہ قبول کرکے طلاق عمل مین لائے تو حنفیہ کے نزدیک وہ طلاق بائن ہوگا۔ فقط

بارھوان[۱۲] باب

وہ طلاق جو زوجہ کی جانب سے ہو یعنی خُلع۔ مبارات

شرع اسلام جاری ہونے سے پیشتر زوجہ کو طلاق مانگنے کا حق کسی حال مین اور کسی نہج سے حاصل نہ تھا۔ خاص خاص صورتون مین اختیار طلاق معاہدہ کے ذریعہ سے زوجہ کو حاصل ہوجاتا تھا۔ مگر عموماً یہود اور مشرکین عرب دونون کے نزدیک عورت طلاق کا حق نہ رکھتی تھی قرآن مجید مین نسوان عرب کو وہ حق عطا کیا گیا جو اُنکے ملک کے آئین وقوانین کے بموجب اُنکو کبھی نہ حاصل ہوا تھا۔

چنانچہ فتاوائے عالمگیری مین ہدایہ اور بدایہ کو سند گردانکر لکھا ہے کہ "جب شوہر و زوجہ مین نااتفاقی ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ وہ احکام شرع کی پابندی نہین کرسکتے (یعنی جو فرائض تعلق زوجیت سے اُنپر عائد ہوئے ہین اُنکو نہین بجالاسکتے) تو عورت اپنی گلو خلاصی اِسطرح کرسکتی ہے کہ کچھ جائداد اپنی دیکر اپنے شوہر سے خلع لے لے۔

سلہ فتاواے عالمگیری صفحہ ۳۹۵۔ کنز الدقائق۔ ۱۲ سنہ ۱۸۰۰ فتاولے عالمگیری صفحہ ۶۶۲۔ فتاواے قاضیخان صفحہ ۱۳۴۔ فصول عمادیہ۔ کنز الدقائق۔ شرائع الاسلام۔ مفاتیح۔ جامع الشتات۔ ارشاد علامہ۔ ڈی اوہن صاحب اور ساییسی صاحب ورساٹیر صاحب کی کتابین

اور جب شوہر و زوجہ مین خلع ہو جائے تو بمنزلہ طلاق بائن ہو گی[1]

یہ طریقہ خلع کا جو عبارت مذکورہ بالا مین لکھا ہے اُس اصول پر مبنی ہے جو قرآن مجید مین لکھا ہے[2]

سُنیون کے نزدیک صرف ایک قسم خلع کی ہے مگر شیعون کے نزدیک دو قسمین ہین۔

جب طلاق زوجہ کی جانب سے ہو اور اِس وجہ سے ہو کہ وہ شوہر سے نفرت رکھتی ہو یا اِس سبب سے ہو کہ فرائض زوجیت کو بجا لانا اُسے منظور نہو تو زوجہ اپنا مہر معین یا اور کوئی جائداد شوہر کو دیکر قطع تعلق کر سکتی ہے۔ ایسے طلاق کو خلع کہتے ہین۔ جب طلاق شوہر و زوجہ دونون کی رضامندی سے ہو اور اِس وجہ سے ہو کہ ایک دوسرے سے بیزار ہو تو اُسکو مبارات کہتے ہین جس سے دونون کی برائت اور گلوخلاصی ہو جاتی ہے۔

سُنیون نے مبارات کو خلع مین داخل کیا ہے مگر شیعون نے اُسکو ایک جداگانہ کارروائی قرار دیا ہے۔ طلاق اور خلع اور مبارات مین جو فرق ضروری ہے وہ بیان ہو چکا ہے۔ اِس مقام پر صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ خلع اور مبارات طلاق بائن کا اثر رکھتے ہین۔

شیعون کے نزدیک چار شرطین جو جواز طلاق کی ہین وہی دوام خلع کی ہین۔ یعنی شوہر کو بالغ و عاقل اور بکار خود مختار ہونا چاہیئے اور قصد طلاق بھی رکھنا چاہیئے۔ چنانچہ شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ "جواز خلع اِسپر موقوف ہے کہ شوہر بالغ و عاقل اور بکار خود مختار ہو اور یہ بھی ضرور ہے کہ خلع قصداً دیجائے۔ اگر طفل نابالغ باذن یا بغیر اذن ولی خلع دے یا کوئی شخص جبار و اکراہ یا داب ناجائز یا فریب سے خلع دے تو وہ شرعاً ناجائز ہو گا"۔ خلع اُس صورت مین بھی ناجائز ہے

---

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۶۶۹۔۱۲ منہ

[2] اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ — وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۹ ۔ و سورۃ النساء آیت ۱۲۷) ۱۲ منہ

جبکہ خلع دینے والا نشہ کے عالم مین ہو یا غصہ کے مارے از خود رفتہ ہوگیا ہو۔ مگر مجنون کا ولی اُسکی زوجہ سے مہر چھڑوا کر خلع دے سکتا ہے۔ خود اُس عورت کے باب مین جو خلع کی طالب ہو وہی شرائط ہین جو طلاق مین ہین۔

شیعون کے نزدیک خلع مین بھی چند رسوم مخصوصہ کی پابندی واجب ہے۔ صیغہ ہائے خلع کو چاہیئے کہ صریح المعنی اور غیر مشروط ہون۔ اور صیغے زبان عربی مین پڑھنے چاہئین (بشرطیکہ اُس زبان پر قدرت ہو) اگر کوئی شرط خلع مین لگا دیجائے تو خلع باطل ہو جائیگی بعد انقضائے عدہ خلع طلاق بائن کی طرح نافذ ہو جاتی ہے۔ شیعون کے نزدیک طلاق کی طرح خلع مین بھی دو عادل گواہون کا ہونا ضرور ہے۔

اگر کوئی شوہر اپنی زوجہ کو خلع دے درآنحالیکہ اُن دونون کے مزاج مین موافقت ہو تو وہ خلع ناجائز ہو گی۔ چنانچہ نیل المرام مین لکھا ہے کہ "اگر شوہر فرائض زوجیت سے تعدی اور تجاوز کرے تو زوجہ اُسکو اُن فرائض کے بجالانے پر مجبور کر سکتی ہے یا وہ حاکم شرع کی دست اندازی کی استدعا کر سکتی ہے"۔ جب شوہر و زوجہ مین ہمیشہ نا اتفاقی رہتی ہے تو حاکم شرع کسی عورت کو حکم قرار دیتا ہے کہ کوشش کرکے اُن دونون مین مصالحہ کرا دے کوہ قاف کے اُسطرف جو ملک مثل گرجستان وغیرہ کے ہین جہان وہ آئین وقوانین جو شرع محمدی سے پیدا ہوئے ہین اب تک موجود ہین اُنمین یہ دستور ہے کہ قاضی خود جاکر زن و شوہر مین مصالحہ کرا دیتا ہے۔

جن ملکون مین شرع شریف جاری ہے وہان حنفیہ اور شافعیہ مین یہ دستور ہے کہ جب شوہر اور زوجہ مین نزاع ہوتی ہے تو قاضی دو عورتون کو حکم مقرر کرتا ہے ایک عورت کو شوہر کی طرف سے اور ایک عورت کو زوجہ کی جانب سے اور وہ دونون پنچایت کرکے زن و شوہر مین مصالحہ کرا دیتی ہین۔ اگر نا اتفاقی کے اسباب باقی رہین یا اگر مصالحہ کی کوشش کارگر نہو تو اُن عورتون کو اجازت دیجاتی ہے کہ مذکورہ بالا کارروائیون مین سے کوئی کارروائی

کرسکے فسخ نکاح کردین۔

شیعون کے نزدیک وہی رسوم شرعی مبارات مین بھی ادا کرنا ضرور ہے جو خلع مین بجالانا واجب ہین۔ جو خلع کسی عورت کے ولی یا اُسکے باپ نے حاصل کی ہو وہ جائز ہے اور طلاق بائن کا حکم رکھتی ہے مگر اُس عورت کو مہر شوہر کو دیدینا فرض نہین ہے الا اینکہ خود اُسکی اجازت سے اُسکے ولی یا باپ نے اُسکی طرف سے خلع لی ہو۔ اگر اُسنے اُنکو اپنی طرف سے خلع لینے کی اجازت دی ہے تو اُنکے اختیارات اُس حد کے اندر محدود رہینگے جس حد تک اُسنے اجازت دی ہے لیکن اگر اُس عورت کے بغیر اجازت انھون نے خلع مانگی ہو اور شوہر نے خلع دیدی ہو تو وہ لوگ اور نہ زوجہ مہر واپس کردینے کی مکلف ہونگے۔ اگر زوجہ نابالغ ہو اور اُسکے ولی اُسکی طرف سے اُسکے شوہر سے خلع لے لین تو وہ خلع ناجائز ہوگی۔

جو معاوضہ زوجہ خلع مین شوہر کو دیتی ہے وہ ایک ذریعہ ایک مطلب حاصل کرنے کا ہے یعنی شوہر کا اذن حاصل کرکے فسخ عقد مقصود ہوتا ہے۔ مگر یہ شرط ضرور نہین ہے اسواسطے کہ جب متناکحین فسخ نکاح پر راضی ہوجائین تو طلاق جائز ہوجاتا ہے۔

ہدایہ مین لکھا ہے کہ ”اگرچہ جس معاوضہ کا اقرار کیا گیا ہے وہ نہ دیا گیا ہو تو بھی مبارات اور خلع ایک ہی چیز ہے (مبارات کے معنی یہ ہین کہ شوہر زوجہ سے کہے کہ مین اُس نکاح سے بری ہوگیا جو میرا تجھسے ہوا تھا اور زوجہ اسپر راضی ہوجاے) یعنی دونون کے ابرا کی وجہ سے اُنکے باہمی حقوق زوجیت ساقط ہوجاتے ہین[1]“

اصول مصرحہ بالا کے بموجب الجیرس کی عدالتون نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب شوہر زوجہ دونون کی رضامندی سے طلاق ہوا ہو تو ایسی طلاق سے اُن دونون مین بالکل قطع تعلق ہوجاتا ہے گو زوجہ وہ معاوضہ جسکا اقرار اُسنے کیا ہے ادا کرنے سے قاصر رہی ہو یا اُسنے مہر معین نہ چھوڑ دیا ہو اور گو شوہر بحث کرے کہ جب زوجہ مہر سے نہین دست بردار

[1] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۳۲۲ – فتاواے عالمگیری صفحہ ۶۶۹ – کنز الدقائق – ۱۲ منہ

ہوئی ہے تو خلع ناجائز ہے ۔

پس معلوم ہوا کہ اہل سنت کے نزدیک صرف شوہر و زوجہ کی رضامندی جواز خلع کو کافی ہے

اور ہدایہ مین ایک مقام پر یہانتک لکھا ہے کہ خلع کے لیے قصد ضرور نہین ہے بلکہ صرف معاوضہ کا ذکر کردینا شرعًا کافی ہے ۔

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو عورتین شرعًا اپنا نکاح کرسکتی ہین وہ خلع یا مبارات کی کارروائی بھی کرسکتی ہین ۔ مگر اس قاعدہ کی چند مستثنیات بھی ہین ۔ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک بالغ عورت ایک حق ذاتی خلع کا رکھتی ہے یعنی صرف وہی خلع طلب کرسکتی ہے اور معاوضہ مطلوبہ دینا منظور کرسکتی ہے گو وہ ہمیشہ بغیر اپنے ولی کی اجازت کے نکاح کا اذن نہین دے سکتی نہ خود اپنا نکاح کرسکتی ہے ۔ البتہ باپ اُس بیٹی کی طرف سے خلع لے سکتا ہے جو سریہ یعنی نابالغہ ہو اور جسکا نکاح اُسنے جبرًا کردیا ہو ۔ اور چونکہ وہ باپ کے اختیار مین ہے لہذا باپ اُسکی طرف سے خلع لے سکتا ہے اور ایک جز و مہر سے دست بردار ہوکر فسخ نکاح کرسکتا ہے ۔ اسی طرح سے طفل سریہ یعنی نابالغ لڑکے کی طرف سے اُسکا باپ خلع دے سکتا ہے ۔ اور باپ کا وصی صرف اُسوقت خلع دے سکتا ہے جبکہ باپ کے اختیارات اُسکو دیے گئے ہون ۔ سریہ یعنی نابالغ لڑکی شرعًا خلع نہین لے سکتی ۔ مگر جہانتک اُسکی جدائی شوہر سے متعلق ہے وہانتک وہ خلع جو اُسنے خود دے ہی بالکل ناجائز نہو جائیگی ۔ الکرخی کا قول یہ ہے کہ جب نابالغ زوجہ طلاق پر اس شرط سے راضی ہو جاے کہ اپنے مہر سے دست بردار ہو یا معاوضہ دے تو ایسی خلع جائز ہوگی مگر مہر سے دست بردار ہونے یا معاوضہ دینے کی شرط باطل ہوگی ۔ اور اگر اُسنے کچھ مہر یا معاوضہ دیدیا ہو تو اُسکو واپس کردینا چاہیئے ۔

بعض علماے مالکیہ کے نزدیک فاتر العقل عورت خلع لے سکتی ہے مگر سیدی خلیل نے اس مسئلہ مین بہت کلام کیا ہے ۔

حنفیہ کے نزدیک سب بالغ عورتون کو خلع لینے کا حق حاصل ہے ۔ اور اسمین اُنکے نزدیک

عاقلہ اور غیر عاقلہ کا کچھ فرق نہین ہے - اب رہی صغیرہ سوا اسکے باپ یا باپ کے وصی کو اسکی طرفسے خلع لینا انکے نزدیک جائز ہے - چنانچہ ہدایہ مین لکھا ہے کہ وہ اگر باپ اپنی دختر نابالغ کی طرفسے کچھ معاوضہ کا اقرار کرکے خلع لے اور اسکو ادا کرنا اپنے ذمہ کرلے تو ایسی خلع شرعاً جائز ہے - لکن اگر باپ یہ شرط کرلے کہ معاوضہ لڑکی دیگی تو جب وہ لڑکی بالغ ہوگی تب اسکو اختیار ہوگا کہ چاہے وہ معاوضہ ادا کرے چاہے نہ کرے - رسول اللہ صلعم نے ایک حدیث مین فرمایا ہے کہ خلع عورت کی تصدیق پر موقوف ہے[1] ۔

حنفیہ کے نزدیک شوہر اگر بالغ ہو تو خود یا وکیل کے ذریعہ سے خلع دیسکتا ہے اور اگر نابالغ ہو تو ولی کے ذریعہ سے خلع دیسکتا ہے -

جو شوہر ایسے مرض مین مبتلا ہو جسکو شرع کی اصطلاح مین مرض الموت کہتے ہین وہ شرعاً خلع کی اجازت دیسکتا ہے - مگر جسطرح وہ طلاق جو عالم احتضار مین دیا گیا ہو زوجہ کو بالکل محجوب الارث نہین کردیتا اسی طرح وہ خلع جو ایسے عالم مین دی گئی ہو زوجہ کے حقوق وراثت کو مطلقاً زائل نہین کردیتی -

جب عورت کسی مرض مہلک مین مبتلا ہو تو خلع لے سکتی ہے مگر چونکہ اس صورت مین ممکن ہے کہ اسپر دباب ناجائز عمل مین لایا جائے لہذا شرع مین یہ حکم ہے کہ جب کوئی عورت اُس بیماری سے مرجائے جسمین اسنے خلع لی تھی تو جو کچھ اسنے بطور معاوضہ خلع کے دیا ہو وہ اسکے ورثہ کو واپس کردینا چاہیئے[2] -

لفظ مرض الموت کی ٹھیک ٹھیک تعریف بیان کرنا مشکل ہے - بعض علما کے نزدیک مرض الموت وہ بیماری ہے جس سے آدمی برس روز کے اندر مرجائے - بعض علما کے نزدیک مرض الموت وہ ہے جو آدمی کو معمولی کاروبار کرنے کے قابل نہ رکھے یا جس سے وہ نماز کے لیے

---

[1] ہدایہ کتاب ۹ باب ۸ - ۱۲ منہ [2] بعض علما کے نزدیک شوہر کو واجب ہے کہ تمام معاوضہ مین سے اپنا حصہ نکال کر باقی ورثہ کو واپس کردے ۱۲ منہ

نہ ہوسکے - مگر انمین سے کوئی تعریف اُس معنی پر نہین صادق آتی جو اس لفظ سے مقصود معلوم ہوتے ہین گو علماے شیعہ نے ظاہرا پہلی تعریف کو اختیار کیا ہے - بعض صورتون مین وہ بیماری باعث ہلاکت سال بھر کے اندر نہین ہوتی مگر مریض کے حواس منتشر ہوجاتے ہین اور اُسکے قوتِ عقلی مین فتور پڑجاتا ہے - اور بعض صورتون مین اُس مرض سے مریض کی عقل مین کچھ فتور نہین آتا بلکہ وہ معمولی کاروبار کرنے کے قابل رہتا ہے - جو قول فتاوے عالمگیری اور جامع الشتات مین لکھا ہے وہ زیادہ تر موافق عقل سلیم معلوم ہوتا ہے یعنی کوئی مرض جس سے آدمی غالباً سال بھر کے اندر ہلاک ہوجاتا ہے مرض الموت ہے -

سُنیون کے نزدیک خُلع کا اذن مطلق یا مشروط دونون ہوسکتا ہے جب اذن خلع مطلق اور غیر مشروط ہو تو طلاق بائن کا اثر پیدا کرتا ہے - جب اذن مشروط ہو تو شوہر و زوجہ مین جدائی نہین ہوتی تاوقتیکہ اُس شرط کی تکمیل[1] نہوجائے - مگر شیعون کے نزدیک خلع شرعاً بھی جائز ہے کہ جب مطلق اور غیر مشروط ہو -

ہدایہ اور ہدایہ دونون مین لکھا ہے کہ جب شوہر ان شرطات خلع پر راضی ہوکہ زوجہ مہر سے دست بردار ہوجائے یا شوہر کو ایک رقم یا کوئی جزو اپنی جائداد کا بطور معاوضہ دے اور زوجہ اس شرط یا معاہدہ کی تعمیل سے قاصر رہے تو شوہر خلع کو منسوخ کرنے کا مستحق نہوگا - مگر وہ زوجہ پر اُس رقم کی نالش کرسکتا ہے جسکا اقرار اُسنے کیا تھا یا اُس رقم کو ایسے دعوے کے مقابل مین لاسکتا ہے جو زوجہ اُسپر دائر کرے[2] -

جب زوجہ شوہر پر مہر کی نالش کرے اور یہ بیان کرے کہ اُسنے مجھکو طلاق دیا ہے اور اُسکے جواب مین شوہر یہ عذر پیش کرے کہ اُسنے خلع لی ہے اور مہر سے دست بردار ہوگئی ہے تو ایسی نالش کا فیصلہ صرف اس امر کی شہادت پر موقوف ہوگا کہ آیا طلاق زوجہ کی استدعا سے ہوا ہے یا نہین اور آیا رشتہ زوجیت کو قطع کرنے کے لیے وہ اپنے مہر سے دست بردار

ہوگئی

---

[1] فتاوے قاضیخان صفحہ ۴۶۴ - کنز الدقائق ۲ [illegible] [2] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۳۰ - [illegible]

ہوئی ہے یا نہین - اِس صورت مین اگر معتبر شہادت نہ موجود ہو تو فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ زوجہ کا قول مہر کے باب مین معتبر سمجھا جائیگا اور شوہر کا قول نفقہ کے باب مین تسلیم کیا جائیگا - یعنی زوجہ کے اِس بیان کا یقین کیا جائیگا کہ وہ مہر سے دست بردار نہین ہوئی ہے مگر شوہر کو زمانہ عدہ مین اُسکو نفقہ دینا واجب نہوگا[1]۔

شیعون کے نزدیک جسطرح طلاق مین صیغہ شرط ہے اُسی طرح خلع مین بھی صیغہ پڑھنا واجب ہے - مگر سنیون کے نزدیک کوئی خاص صیغہ شرط نہین ہے بلکہ صرف طرفین کا اذن کافی ہے بشرطیکہ وہ اذن باقاعدہ طور سے دیا جائے - اُنکے نزدیک طلاق اور خلع مین ایک فرق ضروری ہے جسکو یاد رکھنا لازم ہے - یعنی طلاق مین شوہر کو اختیار ہے کہ جیسے الفاظ سے چاہے طلاق دے خواہ صریحًا خواہ ضمنًا - مگر خلع مین گو کنایۃً اذن دینا جائز ہے مگر چاہیے کہ اذن زیادہ تر محدود الفاظ مین دیا جائے مثلاً شوہر کا اتنا کہدینا کافی نہین ہے کہ اگر زوجہ مجھے معاوضہ خلع دیدیگی تو مین اُسکو اپنے ساتھ رہنے پر مجبور نہ کرونگا اور یہ بھی کافی نہین ہے کہ شوہر خلع کی خواہش رکھتا ہو نہ اُسکا یہ کہنا کافی ہے کہ زوجہ کے عزیزون سے خلع کے مراتب طے کریگا اسواسطے کہ ان الفاظ سے طرفین کا قصد فسخ نکاح کا نہین مفہوم ہوتا ہے - جب شوہر یہ کہے کہ اگر زوجہ راضی ہو تو مین بھی اُس سے قطع تعلق پر راضی ہون یا یہ کہے کہ اگر زوجہ اپنے مہر سے دست بردار ہو جائے اور شرائط خلع کو قبول کرلے تو مین فورًا راضی ہو جاونگا تو اس صورت مین خلع جائز ہوگی کیونکہ طرفین کا قصد خلع ظاہر ہو گیا ہے - اِسی طرح سے اگر زوجہ شوہر سے کہے کہ میرے مہر کے معاوضہ مین مجھے خلع دیدے اور شوہر کہے کہ مین تجھے خلع دیتا ہون

---

[1] مقدمہ بذل الرحمن بنام لطیف النساء دسو سٹر صاحب کا لا رپورٹ جلد ۶ صفحہ ۳۵۱ ملاحظہ ہوگی نسبت بیلی صاحب نے بجا فرمایا ہے کہ اس مقدمہ کے فیصلہ مین شرع محمدی مین غلط فہمی ہوئی ہے - بیلی صاحب کی شرع محمدی صفحہ ۱۷۱ - ۱۲ منہ -

تو عقد شرعاً فسخ ہو جائیگا اور مہر ساقط ہو جائیگا۔

سب فرقون کے نزدیک معاوضہ دینا جواز خلع کی شرط ضروری ہے۔ اگر زوجہ ایسی شی معاوضہ مین دے جسمین وہ کچھ حق نہ رکھتی ہو تو اہل سنت کے نزدیک ایسی خلع کی پابندی شوہر پر فرض نہوگی۔ مگر شیعون کے نزدیک[1] ایسی خلع جائز ہے اور شوہر اسکا مستحق ہے کہ زوجہ سے اُس شی کی قیمت وصول کر لے جسکا اقرار اُسنے کیا ہے۔

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو چیز مہر مین دیجا سکتی ہے وہ معاوضۂ خلع مین بھی دیجا سکتی ہے چنانچہ فتاوا ے عالمگیری اور ہدایہ مین لکھا ہے کہ "جو چیز[2] شرعاً مہر مین دیجا سکتی ہے یا جو مہر مین قبول ہو سکتی ہے وہ شرعاً معاوضہ خلع مین بھی دیجا سکتی ہے" ایسی ہی عبارت شیعون کی کتاب شرایع الاسلام مین لکھی ہے کہ "جو چیز مہر مین دیجا سکے معاوضہ خلع مین بھی شرعاً دیجا سکتی ہے اور اُس چیز کی مقدار کی کوئی حد[3] نہین ہے"

مگر شرایع الاسلام کی اس عبارت پر صاحب مفاتیح نے جو اضافہ کیا ہے وہ لائق غور ہے مفاتیح مین لکھا ہے کہ "جو چیز شرعاً مہر ہو سکتی ہو معاوضہ خلع بھی ہو سکتی ہے خواہ وہ موجود ہو خواہ نہو جیسے اُس نکاح سے جو بچہ پیدا ہوا ہو اُسکو دودھ پلانا یا مان کا حق الحضانت یا مان کا اور اُسکی اولاد کا نفقہ وغیرہ۔

فقہاء اہل سُنّت نے یہ چاہا کہ جہانتک ممکن ہو زوجہ کو ایسے نکاح سے جو اُسکی جان کا جنجال ہو گیا ہو گلو خلاصی مین آسانی ہو اسلیے اُنھون نے قواعد ذیل معاوضۂ خلع کے باب مین مقرر کر دیے ہین۔

---

[1] شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو ایسی چیز کے معاوضہ مین خلع دے جو دوسرے شخص کا مال ثابت ہو تو کہا گیا ہے کہ ایسی خلع باطل ہے مگر قول اصح یہی ہے کہ ایسی خلع جائز ہے اور وہ شخص اُس چیز کی قیمت پانے کا یا اُسکی مثل کوئی چیز پانے کا مستحق ہے اگر اُسکے مثل اور چیزین بھی موجود ہون۔ شرایع الاسلام صفحہ ۳۳-۲ منہ [2] فتاوا ے عالمگیری صفحہ ۶۷۵ - ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۹-۳ منہ [3] شرایع الاسلام صفحہ ۶۹

اوّل یہ کہ جب خلع واقع ہوچکی ہو یا ایسی چیز کے معاوضہ مین دیگئی ہو جو شرعًا حرام ہے جیسے شراب یا گوشت خوک یا مردار جانور کا گوشت وغیرہ تو خلع جائز ہوگی مگر وہ معاوضہ باطل ہوگا۔ فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ "ایسی صورتون مین طرفین مین تفرقہ یا قطع تعلق توہوجائیگا مگر اشیاء مصرحہ مین سے کسی شی کی پابندی زوجہ پر فرض نہوگی نہ اُسکو کوئی جزو اپنے مہر کا معاف کردینا پڑیگا" اسواسطے کہ شرعًا یہ قیاس کیا جائیگا کہ جب شوہر نے اُن اشیاء کو شرعًا حرام جانکر معاوضہ خلع مین قبول کرلیا تو معلوم ہوا کہ اُسکا قصد کچھ معاوضہ لینے کا نہ تھا لہذا وہ اُن اشیا کا دعوے نہین کرسکتا یا اگر انکو محتسب برباد کردے تو اُنکی قیمت نہین طلب کرسکتا۔ اِسی طرح سے اگر زوجہ جائداد مسروقہ معاوضہ خلع مین دینے کا اقرار کرے اور شوہر اُسکو مال مسروق جانکر قبول کرلے تو خلع صحیح ہوگی مگر معاوضہ باطل ہوگا اور اگر وہ مال مسروق اُس شخص کو دیدیا جائے جو اُسکا مالک نفس الامر مین ہے تو شوہر اُسکے دلاپانے کی نالش زوجہ پر نہ کرسکیگا۔

شیعون کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے۔ چنانچہ جامع الشتات مین لکھا ہے کہ "اگر معاوضہ خلع مین ایسی چیزین دیگئی ہون جنکا رکھنا کسی مسلمان کو شرعًا جائز نہین ہے مثلًا گوشت خوک وغیرہ تو خلع باطل ہے کیونکہ یہ قیاس کیا جائیگا کہ طلاق بلامعاوضہ ہوا ہے اگر صیغہ طلاق پڑھا گیا ہو۔ لیکن اگر صیغہ طلاق نہ پڑھا گیا ہو تو طلاق بالکل کالعدم ہے۔

دُوم یہ کہ اہل سنت کے نزدیک خلع ایسی چیز کے معاوضہ مین ہوسکتی ہے جو مجہول القیمت ہے جیسا بچہ کسی جانور کا جو ابھی پیدا نہوا ہو۔

اِس مسئلہ مین سنی اور شیعہ مین کچھ اختلاف معلوم ہوتا ہے اسواسطے کہ شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ "جب معاوضہ خلع مین کسی جانور کا بچہ دیا جائے جو ابھی پیدا نہوا ہو تو خلع ناجائز" مگر جامع الشتات مین چند مثالین ایسی لکھی ہین جنسے یہ مسئلہ معترض شک مین پڑگیا ہے۔

---

[۱] عالمگیری ۱۲ منہ [۲] شرایع الاسلام صفحہ ۳۲۹ - ۱۲ منہ

سوئم یہ کہ سب فرقون کے نزدیک جائز ہے کہ معاوضہ خُلع مین زوجہ یہ اقرار کرے کہ حمل کے زمانہ مین شوہر سے اپنا نفقہ نہ طلب کریگی اور اولاد کی حضانت کا دعوےٰ نہ کریگی — وغیرہ وغیرہ —

شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ "اگر معاوضہ خلع شوہر کی اولاد کو دودھ پلانا قرار پائے تو خلع جائز ہے مگر مدت رضاعت یعنی دودھ پلانے کی میعاد مقرر کردینی چاہیئے — اسی طرح سے اگر کوئی شخص لپنے لڑکے کے نفقہ کے معاوضہ مین خلع دے تو خلع جائز ہے جب زوجہ معاوضہ خلع مین شوہر کے لڑکے کو پرورش کرنے کا اقرار کرے تو اُس اقرار کو چاہیئے کہ دو سال سے زیادہ کا ہو — اگر وہ اُسکو دو برس یا اس سے کم مدت تک دودھ پلانے کا اقرار کرے تو یہ معاوضہ کافی ہوگا کیونکہ اُسکو شرعًا دو برس لڑکے کو دودھ پلانا واجب ہے —

معاوضہ خلع شوہر و زوجہ کے اقرار ہی سے مقرر ہوتا ہے — اور شرائط خلع طرفین کی رضامندی سے طے ہونی چاہئیں — چنانچہ شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ "اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو خلع لینے پر مجبور کرے تو ایک فعل خلاف شرع کریگا — وہ خلع شرعًا جائز ہوگی مگر زوجہ پر کچھ معاوضہ دینا فرض نہوگا"

اگلے زمانہ مین جب مہر معجل ہوا کرتا تھا تب معاوضہ خلع بھی اُسی وقت دیدیا جاتا تھا جس وقت خلع کا بندوبست ہوجاتا تھا — مگر اس زمانہ مین یہ ضرور نہین ہے کہ جب خلع دیجائے اُسی وقت معاوضہ بھی دیدیا جائے بشرطیکہ اُسکی ادائی کی ایک میعاد معین کردیجائے — بلکہ زوجہ کو یہانتک جائز ہے کہ یہ اقرار کرے کہ جب دوسرے شخص سے نکاح کریگی تب معاوضہ خلع ادا کریگی —

خلع کی بحث مین یہ بھی بیان کرنا مناسب ہے کہ وہ کون لوگ ہین جنکو خلع کا معاملہ طے کرنا اور

---

[1] شرائع الاسلام صفحہ ۲۹۳ — ۱۲ منہ [2] شرائع الاسلام صفحہ ۳۰۳ — اس کتاب مین یہ بھی لکھا ہے کہ "اگر شوہر زوجہ کو اُس ہنگام مین خلع دے جبکہ اُن دونون کے مزاج مین موافقت ہو تو وہ خلع جائز ہوگی"

معاوضۂ مطلوبہ کا اقرار کرنا شرعاً جائز ہے ۔

پہلے تو وہ عورت جسکو خلع لینا منظور ہے ۔ اُسکے بعد اُسکے اقربا اور دوست بلکہ غیرون کو بھی اگر وہ اجازت دے تو اُسکے شوہر سے خلع طلب کر سکتے ہین اور اس معاملہ کو طے کر سکتے ہین ۔ چنانچہ فتاوا ے عالمگیری مین لکھا ہے کہ جس شخص کو زن بالغہ خاص اجازت دے وہ اُسکی طرفسے اُسکے شوہر سے خلع کا بندوبست کر سکتا ہے[1]

سابق مین بیان کیا گیا کہ باپ کو کیا اختیار اپنی نا بالغ بیٹی کی طرف سے معاملہ کرنے کا ہے اب صرف یہ بیان کرنا باقی ہے کہ بالغ لڑکی کی طرف سے کارروائی کرنے کا اُسکو اختیار کہانتک حاصل ہے ۔ باپ اپنی بالغ لڑکی کی طرفسے اُسکے اذن سے خلع لے سکتا ہے ۔ اور اُسکی طرف سے اُسکا مہر چھوڑ دینے کا اقرار کر سکتا ہے اگر اُسوقت بغیر لڑکی کی اجازت کے خلع لی گئی ہو یا بعد ازآن اُسکی منظوری نہ لی گئی ہو اور اگر باپ نے اُس معاوضہ کی ضمانت نہ کی ہو جو طے ہوا ہے تو ایسا معاملہ شرعاً ناجائز ہوگا اور وہ خلع غیر مؤثر ہوگی ۔ جب باپ نے معاوضہ خلع ادا کرنا اپنے ذمہ کر لیا ہو مگر اُسکی بیٹی نے بعد ازآن اُسکے اِس فعل کو جائز نہ رکھا ہو اور معاوضہ ادا کرنا اپنے ذمہ کر لیا ہو تو وہ اپنے شوہر پر مہر کی نالش کر سکتی ہے اور شوہر اُسکے باپ سے معاوضہ کا دعوے کر سکتا ہے ۔[2]

شیعون کے مذہب مین شوہر زوجہ کے وکیل یا اُسکے باپ پر نالش کرنے کا حق نہین رکھتا ہے جبکہ وکیل نے اپنی موکلہ کی اجازت سے زیادہ کارروائی کی ہو یا باپ نے اپنی بیٹی کی اجازت صریحی کے بغیر کارروائی کی ہو ۔ اِن دونون صورتون مین اُسکا حق مہر بعینہٖ قائم رہیگا اور ایسی خلع اُس طلاق کا اثر پیدا کریگی جسکو منسوخ کرنے کا اختیار شوہر رکھتا ہے[3]

جب معاوضۂ خلع شوہر نے ناجائز طور سے پایا ہو تو اُسکو واپس کر دینا واجب ہے معاوضہ ناجائز ہے (۱) جبکہ اصل نکاح مین کوئی بات خلاف شرع ہوگئی ہو جسکی وجہ سے

---

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۶۰۵ ۔ ۱۲ منہ [2] فتاواے عالمگیری صفحہ ۶۰۴ ۔ ۱۲ منہ [3] شرایع الاسلام صفحہ ۳۲۲ ۔ ۱۲ منہ

نکاح منسوخ ہو سکتا ہو (۲) جبکہ نکاح بتعمیل اُس اختیار کے جو زوجہ کو حاصل ہے منسوخ کیا گیا ہو (۳) جبکہ ابتدا شوہر کی طرف سے ہوئی ہو اور اسنے زوجہ کو طلاق دیا ہو (۴) جبکہ زوجہ کسی عدالت کے ذریعہ سے خلع مانگنے کی مستحق ہو۔

شہر قسطنطین واقع صوبہ الجیرس مین قاضی نے ۲۔ اگست ۱۸۶۲ع کو ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا جسمین شوہر کو حکم دیا گیا کہ زوجہ کو معاوضہ خلع واپس کردے اسواسطے کہ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ شوہر نے زوجہ پر ایسا ظلم شدید کیا تھا کہ زوجہ نے مجبور ہو کر چار سے درہم شوہر کو دیکر اپنے تئین اسکی قید نکاح سے آزاد کیا۔ فی الواقع شوہر نے اُس سے جبراً خلع لی تھی۔ خلع کے بعد اُسنے شوہر پر اُس چار سے درہم کے دلاپانے کی نالش کی جو اُسنے اس سے جبراً بطور معاوضہ لیا تھا۔ شوہر نے اجبار و اکراہ کے الزام کا انکار کیا مگر جب واقعات بخوبی ثابت ہوگئے تو قاضی نے اُس طلاق کو جائز رکھکر شوہر کو حکم دیا کہ جو رقم تونے اپنی زوجہ سے زبردستی لے لی ہے فوراً اُسکو واپس کردے[1]۔

اس مقام پر اُن اختلافات کو بیان کرنا بیفائدہ نہین ہے جو شیعہ اور سُنّی مین اُس خلع کے باب مین ہین جو زوجہ نے تخویف یعنی دھمکی سے لی ہو۔

شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی زوجہ پر جبر کرکے خلع دیدے تو شوہر و زوجہ مین طلاق راجع ہوگا اور زوجہ پر معاوضہ دینا فرض نہوگا۔ مگر سنیون کے نزدیک ایسی خلع طلاق بائن کا حکم رکھتی ہے۔

شیعہ اور سُنّی مین جو اختلاف مبارات کے باب مین ہے اُسکا کچھ ذکر سابق مین ہوچکا ہے اس مسئلہ مین کچھ اور عرض کرنا بے موقع نہوگا تاکہ معلوم ہوجائے کہ شیعون کے مذہب مین کیسی تاکید شدید اس امر کی ہے کہ شوہر و زوجہ کو جو اختیار طلاق دیا گیا ہے اُسکو وہ بے وجہ اور بلا ضرورت نہ عمل مین لائین۔

[1] سائیر اصاحب کی کتاب صفحہ ۲۴۹ - ۱۲ منہ۔

مبارات کے معنی شرع میں شوہر و زوجہ کا ایک دوسرے کو قید زوجیت سے خلاص کر دینا ہے[1]
اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ جب شوہر و زوجہ مبارات کریں تو تمام حقوق زوجیت جو ایک دوسرے پر رکھتا ہے ساقط ہو جاتے ہیں - اور جواز مبارات بھی انھیں شروط پر موقوف ہے جنپر جواز طلاق و خلع موقوف ہے -

شیعوں کے نزدیک مبارات میں ضرور ہے کہ شوہر اور زوجہ دونوں رشتہ زوجیت کو باعث اپنے رنج اور تکلیف کا سمجھکر مبارات چاہیں - اگر ایک سے دوسرے کو نفرت کلی نہ ہو تو مبارات جائز نہیں ہے -

شیعوں کے نزدیک مبارات میں صیغہ صریحاً پڑھنا ضرور ہے - صیغہ مبارات یہ ہے بَارَئْتُكِ عَلٰی وَكَذَا وَاَنْتِ طَالِقٌ یعنی میں نے تجھکو (اتنا روپیہ دیکر) قید زوجیت سے رہا کیا اور تو جدا ہو گئی (مجھسے)، اگر شوہر صرف بَارَئْتُكِ کہے اور اَنْتِ طَالِقٌ نہ کہے تو ساری کارروائی باطل ہو جائیگی - لکن اگر شوہر صرف اَنْتِ طَالِقٌ کہے اور بَارَئْتُكِ نہ کہے تو ایسی مبارات بمنزلہ طلاق کے ہوگی اور شوہر مہر کا ذمہ دار رہیگا - مگر شرائع الاسلام میں لکھا ہے کہ جب عربی میں صیغہ پڑھنے کی لیاقت نہو یا جب شوہر و زوجہ شرع کی اصطلاحات سے واقف نہوں تو اُنکے قصد کا لحاظ رکھنا چاہیئے - اگر اُنکے کردار و رفتار اور اُنکی گفتار سے یہ قصد ثابت ہو کہ ایک دوسرے سے گلو خلاصی چاہتا ہے تو مبارات ہو جائیگی گو ٹھیک ٹھیک صیغہ نہ پڑھا گیا ہو[2]

جن صورتوں میں رسوم شرعیہ کی پابندی کما حقہ کی گئی ہو اور صیغہ پڑھا گیا ہو اور اُسکا پڑھا جانا ثابت کر دیا جائے اُن صورتوں میں مبارات طلاق بائن کا حکم رکھیگی[3] - مبارات سے رشتہ زوجیت بالکل قطع ہو جاتا ہے اور شوہر کو کچھ اختیار زوجہ پر نہیں باقی رہتا - چنانچہ الکرخی فرماتے ہیں کہ جب شوہر زوجہ سے معاوضہ لے تو طلاق بائن ہوگا اور اگر معاوضہ نہ لے

---

[1] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۲۳ - فتاوائے عالمگیری صفحہ ۱۹۹ - ۱۲ منہ [2] شرائع الاسلام صفحہ ۳۳۳ - ۱۲ منہ [3] سائیر ... صاحب کی کتاب صفحہ ۵۰ - ۱۲ منہ

اور طلاق راجع ہو تو اگر زوجہ کے عدہ کے زمانہ مین اُس سے معاوضہ لینا قبول کرلے تو بھی طلاق بائن ہو جائیگا [۱]

اگر شوہر و زوجہ مین شرائط خلع یا شرائط مبارات پر جھگڑا ہو تو عموماً زوجہ کے قول کو ترجیح دیجائیگی اور بار ثبوت شوہر پر ڈالا جائیگا۔

جب زوجہ شوہر سے خلع لینا بشرط ادا کرنے معاوضہ کے قبول کرلے مگر یہ بیان کرے کہ شوہر کی زبردستی سے اُسنے ایسا کیا ہے تو اجبار و اکراہ کے بیان کا بار ثبوت زوجہ پر رہیگا [۲]

جب خلع ہو چکی ہو اور شرائط خلع طے ہو چکے ہون تو معاوضہ خلع مین اضافہ کرنا جائز نہین ہے

اگر کوئی عورت اِس شرط سے خلع لے کہ شوہر سے جو اولاد اُسکی ہے اُسکو اُسکے بلوغ کے زمانہ تک نفقہ دیگی تو خلع صحیح ہوگی اگر وہ اولاد لڑکی ہو مگر ناجائز ہوگی اگر وہ اولاد لڑکا ہو۔

اگر عورت اپنے وکیل یا کارندہ کو اجازت دے کہ پانسے درہم دیکر شوہر سے خلع لے لے مگر وہ وکیل یا کارندہ اُس اجازت سے تجاوز کر کے ہزار درہم پر معاملہ طے کرے تو الکرخی کے نزدیک ایسی خلع جائز ہوگی اور وہ عورت صرف اُس رقم کی ذمہ دار ہوگی جسکی اجازت اُسنے دی ہے۔ یہ قول سنیون کا ہے۔

مگر شیعون مین اور ہی قاعدہ ہے۔ شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ جب کوئی عورت کسی کو خلع لینے کے لیے وکیل کرے مگر مقدار معاوضہ کی تصریح نہ کردے تو معاوضہ خلع اُسکے مہر المثل سے زائد نہونا چاہیئے۔ اگر مہر المثل سے زیادہ معاوضہ طے کیا گیا ہو تو وہ باطل ہوگا اور وہ خلع طلاق راجع کا حکم رکھیگی اور وہ وکیل اُسکا ذمہ دار نہ سمجھا جائیگا۔

---

[۱] فتاواے قاضیخان صفحہ ۱۲۴ ۔ فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۰۸ ۔ مختلف صیغہاے مبارات مین جو اختلافات اور مثالین دونون فتاواے مین لکھی ہین اُنکو بیان کرنا عام فائدہ کے لیے کچھ ضرور نہین ہے۔ کیونکہ جب وقوع طلاق تسلیم کرلیا جاے اور صرف اُسکی شرائط پر نزاع ہو تو بار ثبوت شوہر پر ہوگا مگر جب وقوع طلاق مورد نزاع ہو یعنی شوہر وقوع طلاق کا انکار کرے تو بار ثبوت زوجہ پر ہوگا۔ ۱۲ منہ [۲] فتاواے قاضیخان صفحہ ۱۲۴ ۔ فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۰۶ ۔ ۱۲ منہ

عورت اِسکی مستحق ہے کہ قبل انقضاء عدہ جب چاہے معاوضہ خلع واپس کرلے اِس
صورت مین خلع کی حقیقت بدل جائیگی اور وہ طلاق راجع ہوجائیگا۔ فقط

تیرھوان باب

قاضی کے حکم سے فسخ نکاح ہونا۔ کن اسباب سے

فسخ عقد ہوتا ہے۔ لعان۔ مختلف فرقون کے اختلافات۔

جب شوہر اور زوجہ ایک دوسرے کی شکایت کی کوئی وجہ معقول نہ رکھتے ہون مگر ایک
دوسرے سے نفرت رکھتا ہو خواہ اِس سبب سے کہ دونون کے مزاج مین ناموافقت ہو یا ایک
دوسرے سے ہمدردی نہ رکھتا ہو یا اور کوئی وجہ اُنکی بیزاری کی ہو تو وہ باہمی اقرار سے
فسخ نکاح کرسکتے ہین۔ جب شوہر کا کردار و رفتار ایسا ہو کہ زوجہ اُسکی متحمل نہو سکے۔
جب شوہر اُن فرائض کے بجالانے سے قاصر رہے جو شرعاً بحیثیت شوہر اُسپر عائد کیے گئے ہین
یا جب شوہر عمداً اُن شرائط کو پورا نہ کرے جو نکاح کے وقت اُسنے قبول کیے تھے۔ تو ان سب
صورتون مین زوجہ شرعاً اِسکی مستحق ہے کہ حاکم شرع سے استغاثہ کرکے طلاق کی خواہان ہو۔
حاکم شرع یا قاضی کو طلاق دیدینے کا اختیار صرف اسی وجہ سے نہین ہے کہ شوہر زوجہ سے
ہمیشہ بدسلوکی کرتا ہے یا اُسنے شرائط نکاح کی تکمیل نہین کی ہے یا وہ مجنون ہے بلکہ اس سبب سے
بھی ہے کہ قبل نکاح وہ نامرد تھا اور اُسکی نامردی لاعلاج ہے۔
قاضی کا طلاق پڑھنے کا حق ایک حدیث صحیح پر مبنی ہے جسمین آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے
کہ "اگر کسی[1] عورت کا نکاح سے کوئی نقصان ہو تو اسکو فسخ کرنا چاہیے" شیعون کی کتاب
احادیث بحار الانوار مین بھی یہی لکھا ہے کہ اگر نشوز[2] یا شقاق ہو یعنی شوہر و زوجہ فرائض
زوجیت کو بجالانے سے انکار کرین تو اس تنازع کو فیصلہ کرنے کے لیے حَکم یعنی پنچ مقرر

---

[1] صحیح بخاری ۱۲۔ منہ [2] نشوز کے معنی یہ ہین کہ زوجہ شوہر کی اطاعت نہ کرے اور شقاق سے یہ مراد ہے کہ شوہر
زوجہ پر ظلم و تعدی کرے یا اُن دونون مین پھوٹ پڑجائے ۱۲۔ منہ

جو سکتے ہین یا قاضی دست اندازی کرسکتا ہے اور اگر کچھ فیصلہ نہو سکے تو فسخ نکاح کرنا لازم ہے
شارع اسلام کو اپنی حیات مین یہ اصول کئی مرتبہ اپنے اصحاب کے مقدمات مین جاری کرنا پڑا۔ انہین سے ایک مقدمہ ایسا مشہور ہے کہ فقہاء اسلام کے لیے ایک مستند نظیر ہو گیا ہے لکھا ہے کہ صبیبہ بنت حارث جسکا عمرو کے ساتھ نکاح ہوا تھا دفعتہ مکہ سے چلی گئی اور لشکر اسلام مین جا کر پناہ لی۔ اُسکے شوہر سے کہا گیا کہ تو بھی وہین چلا جا جہان تیری زوجہ چلی گئی ہے مگر اُسنے انکار قطعی کیا۔ پس اُنکا نکاح فسخ کیا گیا اور صبیبہ کو اجازت دی گئی کہ جن لوگون سے وہ آکر ملی تھی اُنھین سے کسی شخص کے ساتھ دوسرا عقد کرلے۔
جو فرائض شوہر پر نکاح سے عائد ہوتے ہین وہ سابق مین کما حقہ بیان ہو چکے ہین جو ناظرین شرع محمدی کے شائق ہین اُنکو چاہیئے کہ اسکی زیادہ تفصیل کتاب المستطرف مین ملاحظہ کرین۔
طلاق قاضی کے حکم سے اُس صورت مین ہو سکتا ہے جبکہ شوہر اپنے فرائض کو بجا لانے مین قصور کرے۔ اور اُس صورت مین بھی ہو سکتا ہے جبکہ شوہر شرائط نکاح کو پورا کرنے سے انکار کرے یا جب وہ زفاف یا وطی کے قابل نہو۔ اور اُس صورت مین ہو سکتا ہے جبکہ شوہر زوجہ کو زنا سے متہم کرے جسکو شرع مین لعان کہتے ہین یا جب اُسکو اپنے محرمات شرعیہ مین سے کسی عورت کے ساتھ مشابہت دے یعنی اُسکو اپنی مان یا بہن وغیرہ کہے جسکو ظہار کہتے ہین۔ یا جب قسم کھا جائے کہ چار مہینے تک اُس سے مقاربت نہ کریگا جسکو ایلا کہتے ہین۔
سائیر صاحب اور ڈی منزیل صاحب مصنفان فرانسیسی نے بہت سے مقدمات بطور نظیر کے لکھے ہین جنکا فیصلہ صوبہ الجیرس کی عدالتون نے کیا ہے اور جنسے ثابت ہوتا ہے کہ منجملہ دیگر وجوہ کے وجوہ ذیل سے بھی زوجہ طلاق مانگنے کی مستحق ہو جاتی ہے۔
(۱) جب شوہر اُسکو چھوڑ دے اور نفقہ نہ دے۔
(۲) جب اُسکو لباس سے محروم رکھے۔

(۳) جب اُس سے بھیک منگوائے۔

(۴) جب اُسپر فاقہ کشی ہونے دے۔

(۵) جب اپنے گھر سے چلا جائے اور زوجہ کی بسر اوقات کی کوئی فکر نہ کر جائے۔

(۶) جب وہ کسی طرح اُسکے پاس نہ جائے۔

(۷) جب اُس سے ایسی مزدوری کرائے جو اُسکی کسرشان اور آبروریزی کا باعث ہو۔

(۸) جب اُسکے لیے کوئی مکان نہ مہیا کرے

(۹) جب وہ متعدد ازدواج رکھتا ہو اور سب سے برابر اور منصفانہ سلوک نہ کرتا ہو۔

(۱۰) جب وہ ہمیشہ زوجہ پر ظلم وجور کرتا ہو۔

(۱۱) جب اُسکو مارا کرتا ہو یا ضرر جسمانی کی دھمکی دیا کرتا ہو۔

ان وجوہ سے زوجہ طلاق مانگنے کی مستحق اُسوقت بھی ہو جاتی ہے جبکہ یہ معلوم ہو کہ اُس سے اُسکو زبردستی خلع لینے کی تدبیر کی گئی ہے

صرف شوہر کا نفقہ دینے کے قابل نہ ہونا وجہ کافی طلاق مانگنے کی نہین ہے۔ البتہ جب شوہر ذی مقدور ہو اور خود اپنی اور زوجہ کی پرورش کر سکتا ہو مگر عمداً اُسکا تکفل نہ کرے اور اسکو نفقہ نہ دے تب زوجہ طلاق کی استدعا کر سکتی ہے۔

جس اصول کے موافق ہندوستان کی عدالتہاے فوجداری زوجہ کا گذارہ یا نفقہ علیحدہ مقرر کر دیتی ہین اُس سے وہ حکم شرع محمدی کا معلوم ہوتا ہے جو مقدمات طلاق سے متعلق ہے مثلاً دفعہ ۴۳۲ ایکٹ ۱۰ سنہ ۱۸۷۲ع (ایکٹ پر سیڈنسی مجسٹریٹ) مین لکھا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی زوجہ کو نفقہ دے سکتا ہو مگر نفقہ نہ دے اور اُس سے غفلت کرے تو زوجہ کی درخواست پر مجسٹریٹ اُسکا گذارہ علیحدہ مقرر کر سکتا ہے۔

یہی قاعدہ حاکم شرع بھی طلاق کے مقدمہ مین جاری کریگا۔ اُسکو طلاق دینے کا اختیار اُسوقت ہے جبکہ شوہر عمداً اور بلاوجہ زوجہ کو نفقہ دینے سے انکار کرے یا اُس سے بے فکر ہو جائے۔ لکن اگر شوہر

مفلس ہو اور زوجہ کے لیے نفقہ نہ مہیا کر سکتا ہو نہ کوئی محنت مزدوری کرنے کے قابل ہو تو زوجہ طلاق مانگنے کی شرعاً مستحق نہیں ہے۔

جب شوہر زوجہ کو نفقہ دینے سے انکار کرے جس سے وہ طلاق مانگنے کی مستحق ہو جاوے تو اُس انکار کو چاہیے کہ برابر چلا آیا ہو نہ یہ کہ زمانہ ماضی میں انکار کیا ہو۔

جب زوجہ کی درخواست طلاق گذرنے پر شوہر اُسکو نفقہ دینا قبول کرلے اور یہ اقرار اُسنے نیک نیتی سے کیا ہو تو زوجہ طلاق کی مستحق نہوگی گو اِس صورت میں قاضی کو اختیار ہوگا۔

بقایاے نفقہ واجب الادا نہیں ہوتا تاوقتیکہ مجسٹریٹ یا قاضی اُسکی مقدار نہ مقرر کردے یا اُسکی تعداد فریقین نے باہم گفتگو کرکے پیشتر ہی سے طے کرلی ہو۔ ایسی صورتوں میں زوجہ بقایاے نفقہ عدالت دیوانی میں نالش کرکے وصول کر سکتی ہے۔

اگر شوہر اپنے گھر سے چلا جاوے اور کوئی تدبیر زوجہ کے گذارہ کی اپنی عدم موجودگی زمانہ میں نہ کر جاوے یا کوئی ذریعہ اُسکے معاش کا نہ مہیا کر جاوے تو زوجہ قاضی سے طلاق کی استدعا کر سکتی ہے حاکم شرع کو اجازت دیگئی ہے کہ جب زوجہ ایسی طلاق کی درخواست کرے تو مقدمہ تیس روز تک ملتوی رکھکر اشتہار جاری کرے کہ شوہر یا اُسکی طرف سے کوئی شخص اشخاص اِس میعاد کے اندر حاضر عدالت ہوں۔ پس اگر خود شوہر یا اُسکا وکیل یا کارندہ وغیرہ عدالت میں حاضر ہو تو قاضی اُسکے جواب دعوے کے سچ یا جھوٹ ہونے کی تحقیقات کرے۔ اگر شوہر یا اُسکا وکیل وغیرہ عدالت میں نہ حاضر ہو یا شوہر یا اُسکا وکیل نہ ثابت کر سکے کہ زوجہ کا کوئی ذریعہ اپنے معاش کا رکھتی ہے تو قاضی طلاق کا حکم شرعاً دیسکتا ہے لیکن اگر شوہر زوجہ کے پاس یا اور کسی شخص کے پاس کچھ جائداد چھوڑ گیا ہو یا کسی تجارت یا شراکت میں کچھ روپیہ لگا گیا ہو تو قاضی یہ حکم دیسکتا ہے کہ اِس عورت کا نفقہ اُس جائداد سے یا اُسکی آمدنی سے دیا جاوے۔ ایسے سب مقدمات میں زوجہ کو یہ ثابت کرنا پڑیگا کہ شوہر نے اُسکو چھوڑ دیا ہے اور کوئی ذریعہ اُسکے معاش کا نہیں مہیا کیا ہے۔ ایسا حکم ہمیشہ زوجہ کے اختیار سے دیا جاتا ہے یعنی اُسکو اختیار رہتا ہے کہ یا قید نکاح میں باقی رہکر تکالیف زوجیت کو گوارا کرے

یا اسوجہ سے کہ شوہر نے اُسکو چھوڑ دیا ہے طلاق لے لے اگر وہ طلاق قبول کر لے تو وہ طلاق بائن کا حکم رکھیگا۔

اگر شوہر اپنے عدم وجودگی کے زمانہ مین خود یا اورون کے ذریعہ سے زوجہ کو نفقہ پہونچا سکے تو وہ طلاق مانگنے کی مستحق ہوگی تا وقتیکہ اسکی عدم موجودگی بمنزلہ چھوڑ دینے کے اُن معنی سے نہو جائے جو معنی چھوڑ دینے کے شرع محمدیؐ مین ہیں۔

اگر کسی شخص کا باپ اُسکی زوجہ کو نفقہ دینا منظور کرے تو اُس نفقہ کی مقدار اور اُسکے دینے کا طریقہ بھی اُنھیں شرائط سے مشروط ہوگا جیسا اُس صورت مین ہے جبکہ شوہر خود نفقہ دے۔

چونکہ شوہر کو شرعاً واجب ہے کہ سب ازواج سے برابر پیش آئے اور سب کے ساتھ منصفانہ برتاؤ رکھے لہذا جو شخص ایک سے زیادہ ازواج رکھتا ہو اگر وہ اُنمین سے کسی زوجہ کی نسبت اپنے فرائض نہ بجالائے تو وہ زوجہ شوہر کی عدم التفات کی وجہ سے طلاق مانگنے کی مستحق ہوگی۔

الجیرس کی عدالتون نے یہ تجویز کیا ہے کہ جب شوہر زوجہ کو ہمیشہ گالیان دیا کرتا ہو تو یہ وجہ کافی طلاق کی ہوجائیگی۔ اسی طرح سے اگر وہ زوجہ کو الزام لگائے کہ قبل نکاح حرامکاری کرتی تھی تو وہ مستحق طلاق کی ہوگی۔ اور وہ اُسوقت بھی طلاق کی مستحق ہوگی جبکہ شوہر اُسکو بے وفائی اور بدعصمتی کا الزام لگائے اور اس تہمت کو لعان سے ثابت نہ کرے۔

زوجہ اُسوقت بھی قاضی سے درخواست کر کے طلاق لے سکتی ہے جبکہ شوہر اُسکے ماں باپ یا عزیزون کو ہمیشہ ذلیل کیا کرتا ہو یا فسق و فجور اختیار کرے یا ذوات الاعلام یعنی فاحشہ عورتون سے صحبت اختیار کرے یا اُس سے زبردستی حرامکاری کرائے یا کسبیون مین اُسکو رکھنا چاہے یا گھر مین کسی کسبی یا خانگی کو لا کر رکھے یا اُسکو مار پیٹ کی دھمکی دے یا اُسکو مارے پیٹے یا اُسکی جائداد مین تصرف کرے یا اُسپر ایسا ظلم و تعدی کرے کہ اُسکو زندگی تلخ ہوجائے کوئی صدمہ یا ضرر جسمانی اُسکو پہونچائے۔

سلطان روئے شرع محمدی شوہر و زوجہ کی یکجائی و ہمبستری دونون پر فرض ہے۔ پس اگر شوہر زوجہ سے ہمبستری کرنے کا انکار باصرار کرے تو یہ بمنزلہ اُسکے چھوڑ دینے کے ہوگا۔ ۱۲ منہ

صرف زوجہ کا دعوے بے دلیل جبتک کہ اسکی تائید مین معتبر شہادت نہ پیش کیجاے الزامات مذکورہ بالا مین سے کوئی الزام شوہر پر ثابت کرنے کے لئے کافی نہین ہے -

جب زوجہ اپنے دعوے کے ثبوت مین معتبر گواہ پیش کرے یا اُسکے بدن پر علامات ظاہری زدوکوب کے موجود ہون تو قاضی کو واجب ہے کہ اُسکو طلاق دیدے -

جب زوجہ طلاق کا دعوے اسوجہ سے کرے کہ شوہر اُسپر ظلم و تعدی کرتا ہے اور شوہر اُسکے جواب مین یہ کہے کہ یہ بے رحمی خود اُسی کے کردار کا نتیجہ ہے تو اُسکا یہ جواب شرعًا کافی ہوگا مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ مین نے اپنی زوجہ کو اسوجہ سے مارا ہے کہ وہ دین اسلام کو بُرا کہتی تھی یا مجھسے بے وفائی کرتی تھی تو یہ جواب اُسکا شرعًا کافی ہوگا -

اس مسئلہ کی کیفیت الجیرس کے ایک قاضی کے فیصلہ سے خوب معلوم ہوتی ہے جسکو عدالت ر دعلی نے بحال رکھا ہے - ایک مقدمہ مین شوہر نے زوجہ کو اسقدر مارا تھا کہ اُسکے بدن پر دو زخم پڑ گئے تھے - شوہر نے قاضی سے یہ بیان کیا کہ مین نے اسکو اسوجہ سے مارا ہے کہ میری غیبت مین یہ ایک غیر آدمی کو بلاتی ہے - قاضی نے اُن زخمون کو بغور دیکھکر کہا کہ گو زوجہ نے زنا کیا ہو مگر شوہر نے اسکو حد شرع سے زیادہ تعذیر دی ہے لہذا وہ طلاق پانے کی مستحق ہے -

طلاق قاضی کے حکم سے اُسوقت بھی ہوسکتا ہے جبکہ شوہر شرائط نکاح کی تعمیل سے قاصر رہے یا اُنکی پابندی نہ کرے - سب علما کا اسپر اتفاق ہے کہ جب شوہر اپنے اقرار کے خلاف کرے یا اُس اقرار کے موافق عمل نہ کرے تو زوجہ طلاق کی مستحق ہے جو شروط نکاح کے وقت شرعًا معتبر ہوسکتے ہین سابق مین بیان ہوچکے ہین اُنمین سے جو شرط اکثر کیجاتی ہے وہ یہ ہے کہ شوہر دوسرا نکاح اُسوقت تک نہ کریگا جبتک پہلا نکاح باقی رہیگا اگر اس شرط کے خلاف شوہر پہلی بی بی کے ہوتے دوسرا نکاح بھی کرلے تو پہلی بی بی طلاق کی مستحق ہوگی اور شوہر کُل مہر موجل کا ذمہ دار ہوگا[۱] -

۱؎ یہ حکم بجز بلاد اسلام میں تعدد ازدواج کا قطعاً ممنوع ہے - اہل سنت اور شیعہ اثنا عشریہ میں جو اختلاف اس مسئلہ میں ہے وہ یہاں بیان کیا گیا

شرع محمدی کے اس شعبہ کی تحقیق کرنے مین یہ بیان کرنا مناسب ہے کہ فرانسیسیون نے
صوبہ الجیریا مین بڑی دور اندیشی کو کام فرما کر اُس ملک کے آئین و قوانین کو اختیار کیا ہے اور انکو
اُس ملک کی ترقی کا آلہ گردانا ہے مگر انگریزون نے ہندوستان مین خلاف عقل یہ حرکت کی ہے
کہ قدیم رسوم و قوانین سے تجاہل عارفانہ کرتے ہین یا اُنکو بالکل مٹا دیا ہے حالانکہ وہ رسوم
و قوانین اس زمانہ مین اس ملک مین موجود تھے جب اُنھون نے اسکو چھین لیا تھا۔ گورنمنٹ انگلشیہ
کے عہد دولت مین ایک باد خزان ایسی چلی کہ قاضی کے محکمون کو اُڑا لیگئی جنمین مسلمانون کے
مقدمات نکاح کا فیصلہ ہوتا تھا اور اُنکے ساتھی اور بہت سے مفید قوانین کو بھی بہا لیگئی۔
جو مشکلین سابق مین قاضی سے رجوع کرکے بآسانی تمام حل ہو جاتی تھین اور کسی وکیل یا بارسٹر
کی ضرورت نہوتی تھی اب وہ گھن کی طرح مسلمانون کی ہڈیون کا گودہ کھائے جاتی ہین اور
کچھ علاج انکا نہین ہو سکتا۔ اسکی مثال لیجیے کہ اگر کوئی شخص نکاح کے وقت یہ اقرار کرے کہ زوجہ
کی حیات مین دوسرا عقد نہ کریگا اور بعد ازآن اس اقرار شرعی سے عدول و انحراف کرے تو
قاضی کو یہ اختیار تھا کہ شوہر سے اُس اقرار کی پابندی جبراً کرائے یا جب وہ عورت جسکی حق تلفی
ہوئی ہے طلاق کی درخواست کرے تو نکاح کو فسخ کردے۔ مگر گورنمنٹ انگلشیہ کے عہد دولت
مین اس دادرسی کا کوئی مؤثر ذریعہ نہین ہے اگرچہ زوجہ غالباً عدالت دیوانی سے انجنکشن جاری
کرا کے شوہر کو شرائط نکاح کی خلاف ورزی کرنے سے باز رکھ سکتی ہے۔

بمقدمہ بدرالنساء[1] بنام کفایت اللہ یہ تجویز کیا گیا تھا کہ اگر زوجہ نے کسی ایسی شرط کی
رو سے طلاق لیا ہو جیسے بیان کی گئی تو شوہر اسکو رخصت دلا پانے کی نالش نہین کر سکتا۔
زوجہ صرف بعلت عدم تعمیل شروط نکاح طلاق کی مستحق نہین ہے بلکہ جو شرطین شوہر و زوجہ مین
بعد نکاح ہوئی ہون اگر شوہر اُنکی خلاف ورزی کرے تو بھی زوجہ قاضی کی منظوری سے طلاق
پانے کی مستحق ہے۔ مثلاً جب شوہر قاضی کے سامنے اقرار کرے ... زوجہ سے بدسلوکی نہ کریگا

[1] لا رپورٹ بنگال جلد ۷ صفحہ ۲۲۲ – ۱۸۷۱ء –

مگر بعد ازآن اس اقرار کی خلاف ورزی کرے تو زوجہ طلاق مانگنے کی مستحق ہوگی۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر شوہر مجبوری کہین چلا گیا ہو اور زوجہ پاس نہ رہ سکے مثلاً قیدخانہ مین ہو تو آیا زوجہ طلاق کی مستحق ہوگی۔؟

یہ مسئلہ الجیریس کی عدالت کے حکم مصدرہ ۱۹ جولائی ۱۸۶۶ع سے حل ہوگیا ہے۔ اس حکم مین لکھا ہے کہ وہ شرع محمدیؐ مین زوجہ اُس شخص کی جو جیلخانہ مین ہو صرف اسکے قید رہنے کی وجہ سے طلاق مانگنے کی مستحق نہین ہے بشرطیکہ شوہر کی مجبورانہ غیر حاضری کے زمانہ مین اسکو نفقہ مناسب ملے جائے

دوسرے مقدمہ مین اُسی عدالت نے قاضی کے حکم کو منسوخ کرکے یہ حکم صادر فرمایا کہ وہ قاضی نے اُس اصول شرع محمدیؐ کو جو اُس شوہر سے متعلق ہے جو غائب ہوگیا ہو اس مقدمہ سے سہواً متعلق کردیا ہے اسواسطے کہ نفس الامر مین شوہر احمد ابن قرع غائب نہین ہوگیا ہے بلکہ یہ سب جانتے مین کہ اسوقت وہ کہان ہے اور اسکی خبر ملی ہے اور زوجہ کو اتبک اُسکے شوہر کا بھائی نفقہ دیا کیا ہے۔ پس وہ طلاق کی مستحق نہین ہے اور قاضی کا حکم منسوخ کیا گیا ہے"

ابو یزید القزوینی اور ابوالحسن العلی دو عالم شافعی اپنی یہ راے لکھتے ہین کہ جب شوہر کی قید کو پانچ برس سے زیادہ مدت گذر جاسے تو زوجہ شرعاً طلاق مانگ سکتی ہے اور بعد انقضاے عدہ شرعیہ دوسرا عقد کرسکتی ہے۔

شیعون کا قول یہ[1] ہے کہ جب شوہر غائب ہو جاسے تو چار برس کے بعد زوجہ دوسرا عقد کرسکتی ہے بشرطیکہ اس عرصہ مین وہ مفقود الخبر ہوگیا ہو یعنی اسکا کچھ پتا نشان نہ ملے مالکیہ اور حنبلیہ نے اس مسئلہ مین شیعہ سے اتفاق کیا ہے مگر شافعیہ کے نزدیک ضرور ہے

---

[1] ساٹیہ اصاحب کی کتاب صفحہ ۲۶۵-۱۲ منہ ۵۳ اس بحث مین جامع الشتات مین لکھا ہے کہ وہ پہلے حاکم شرع کا اذن لے لیا جاسے تب دوسرا عقد کیا جاسے" ہندوستان مین صرف اسقدر کافی ہوگا کہ مجسٹریٹ سے بیان کیا جاسے کہ اس عورت کا شوہر چار برس سے بالکل مفقود الخبر ہے اسواسطے کہ مجسٹریٹ کا حکم عقد ثانی کے جواز کے لیے ضرور نہین ہے بلکہ صرف زوجہ اور اُسکے شوہر جدید کی نیک نیتی ثابت کرنے کے لیے ضرور ہے ۱۲ منہ

کہ وہ عورت اپنے شوہر کے پھر آنے کا انتظار سات برس تک کرے اور سات برس کے بعد وہ قاضی کے حکم سے دوسرا عقد کر سکتی ہے۔

مگر امام اعظم ابوحنیفہ کا قول اِس مسئلہ مین ایسا تعجب انگیز ہے کہ خود انکے مقلدین آخرکار امام شافعی کی تقلید کرتے ہین۔ امام اعظم کا قول یہ ہے کہ عورت کو ایک سو بیس برس تک شوہر کا انتظار کرنا چاہیئے۔ معاذ اللہ!!

امام ابویوسف اور امام محمد کا قول بھی اس مسئلہ مین اپنے اُستاد کے ارشاد سے زیادہ معقول نہین ہے۔ امام ابویوسف کے نزدیک نوّے برس تک اور امام محمد کے نزدیک ستر برس تک زوجہ کو شوہر کا انتظار کرنا چاہیئے۔

علماء حنفیہ اس مہلکہ سے بچنے کے لیے جسمین اُنکے ائمہ کے اقوال نے انکو ڈالدیا ہے ایسے مقدمات کا فیصلہ ہمیشہ امام شافعی کے اصول کے موافق کرتے ہین یعنی جب یہ ثابت کردیا جاے کہ شوہر سات برس سے مفقود الخبر ہے تو وہ عورت کو دوسرا عقد کرنے کی اجازت دیدیتے ہین۔

اظہار

زمانۂ سلف مین یعنی اُس زمانہ مین جبکہ دین اسلام اور شرع اسلام جزیرہ نماے عرب مین نہین جاری ہوئی تھی مشرکین عرب مین یہ دستور تھا کہ اپنی ازواج کو مادر یا خواہر کے لفظ سے پکار کر طلاق دیدیتے تھے اور وہ بیچاریان بے والی و وارث ہوجاتی تھین۔ بقول ساتیر اصاحب مورخ فرانسیسی کے اس قسم کا طلاق جو زوجہ کو مادر و خواہر سے بیہودہ مشابہت دیکر دیا جاتا تھا پیغمبر اسلام صلعم کی بعثت کے زمانہ مین بہت کثرت سے رائج تھا اور اس سے قبائل عرب کے اخلاق ایسے خراب ہوگئے تھے کہ کسی رسم قبیح سے آیسے خراب نہوے تھے سواے نکاح المقت کے جسمین بیٹا اپنے باپ کی وفات کے بعد اُسکی ازواج کو اپنے تصرف مین لاتا تھا۔

شارع اسلام نے زوجہ کو ایسی مضر تشبیہات دینا یا اسکو دشنام دینا حرام مطلق کردیا

اور جو شوہر اپنی زوجہ کی نسبت ایسے الفاظ استعمال کرتا تھا اُسکو کفارہ دینا پڑتا تھا۔ زوجہ کو دشنام دینے کا معمولی کفارہ ایک غلام کو آزاد کرنا یا مساکین کو کھانا کھلانا یا دو مہینہ کے روزے رکھنا تھا۔

اگر کوئی شوہر اپنی زوجہ کو اپنی ماں یا بہن سے یا اپنے محرمات شرعیہ مین سے کسی عورت سے مشابہت دے تو کفارہ دینا اسکو اُسوقت واجب ہوتا ہے جبکہ اُسنے زوجہ کی توہین کے لیے مشابہت دی ہو۔ چنانچہ ہدایہ مین لکھا ہے کہ[1] اگر شوہر کہے کہ زوجہ کو ایسی مشابہت دینے سے اسکی تعظیم مقصود تھی توہین مقصود نہ تھی تو کچھ کفارہ دینا واجب ہوگا۔

ظہار یعنی زوجہ کی نسبت الفاظ نا ملائم استعمال کرنے کا رسم قبیح مشرکین عرب کے عادات واخلاق مین داخل ہوکر بہت مضبوط اور مستحکم ہوگیا تھا۔ پس اس رسم قبیح سے جو نتائج بد پیدا ہوتے تھے اُنکو باطل کرنے اور باقتضاے زمانہ اُسکے متروک ہوجانے کی غرض سے شارع اسلام نے چند قواعد مقرر کردیے ہین جو فقہ کی کتابون مین لکھے ہین مگر فی زماننا اُن قواعد کی کوئی ضرورت عملی نہین باقی رہی ہے۔ اُن قواعد سے ہم لوگون کو صرف اتنا فائدہ ہے کہ اُنسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی عورت کو اُسکا شوہر الفاظ نا ملائم کہا کرتا ہو اور دشنام دیا کرتا ہو تو کن شرائط سے وہ فقط اسی وجہ سے طلاق کی مستحق ہوجاتی ہے۔

زوجہ کی نسبت ایسے ناشائستہ الفاظ استعمال کرنا جیسے بیان کیے گئے اخلاق عامہ کی تخریب اور رشتۂ زوجیت کی توہین کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ پس جس عورت کی نسبت اُسکا شوہر اس قسم کا کوئی فحش کلمہ کہے اہل سنت کے مذہب مین اُسکو اختیار ہے کہ قاضی کا حکم لیکر طلاق لے لے الا اینکہ شوہر اس معصیت کا وہ کفارہ شرعی دے جو سابق مین بیان کیا گیا۔

شیعون کے نزدیک قاضی کو یہ اختیار نہین ہے کہ جس زوجہ کو اُسکے شوہر نے ظہار دیا ہو یعنی اُسکو اپنی محرمات شرعیہ مین سے کسی عورت کے ساتھ مشابہت دی ہو اُسکو بعلت ظہار طلاق

---

[1] ترجمۂ انگریزی ہدایہ صفحہ ۳۰۶ – ۱۲ منہ

دیدے۔ چنانچہ شرایع الاسلام[1] مین لکھا ہے کہ وہ اگر شوہر زوجہ کو ظہار دے تو زوجہ کو اختیار ہے کہ اُسکو برداشت کرے اِس صورت مین اور کوئی شخص اُسکے اِس فعل پر اعتراض نہین کرسکتا یا اِس مقدمہ کو حاکم شرع پاس لیجاے۔ جب وہ حاکم شرع سے نالش کرے تو شوہر کو اختیار دیا جاے کہ دو باتون مین سے ایک بات کرے۔ یا کفارہ دے یا زوجہ کو طلاق دے اور تین مہینہ کی مہلت اُسکو دیجاے کہ اِس عرصہ مین اِنہین سے ایک بات قبول کرلے۔ لیکن اگر شوہر اِنہین سے کوئی بات بھی نہ کرے اور تین مہینہ کی میعاد معینہ گذر جاے تو حاکم شرع کو یہ اختیار نہین ہے کہ زوجہ کو طلاق دینے پر شوہر کو مجبور کرے یا اپنے حکم سے اُسکو طلاق دیدے۔

ایلا۔ یعنی زوجہ سے مقاربت نہ کرنے کی قسم

ظہار کی طرح ایلا کا رسم بھی مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ سکنۂ عرب مین جاری تھا اور اب یہ رسم بھی بالکل متروک ہوگیا ہے۔ مگر چونکہ اِس مسئلہ کا ذکر فقہ کی کتابون مین ہے لہذا اس کتاب مین کچھ مختصر کیفیت اِسکی بیان کیجاتی ہے۔

شرع اسلام جاری ہونے کے پیشتر یہ رسم تھا کہ جب شوہر زوجہ سے مقاربت نہ کرنے کی قسم کھا جاتا تھا اور کچھ عرصہ تک اِس قسم کو نباہتا تھا تو وہ قسم طلاق بائن کا حکم رکھتی تھی اور زوجہ کو اس مقدمہ مین کچھ اختیار نہ تھا۔ یعنی رسم و رواج کے روسے اُسکو یہ اختیار نہ تھا کہ یہ اعتراض کرے کہ شوہر اُسکو اِس طور سے طلاق دینے کا اختیار نہین رکھتا تھا۔

شارع اسلام صلعم نے اِس رسم کو زوجہ کی توہین کا باعث قرار دے کر بھی مذمت اِسکی فرمائی ہے

[1] شرایع الاسلام صفحہ ۵۳۳۔ یہ سب احکام غیر مفید صرف واقعات تاریخی رہگئے ہین اور اِسلئے شارع اسلام کے زمانہ کے رسوم و عادات کی کیفیت خوب معلوم ہوتی ہے۔ اس زمانہ مین لفظ ظہار سے اہل اسلام بھی اُسیطرح لاعلم ہین جسطرح اور لوگ ہین مگر فقہ کی کتابون مین احکام ظہار درج ہونے سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مسلمان اپنی بیبیان کو ہمیشہ گالیان دیا کرتے ہین۔ ۱۲ منہ

جیسا ظہار میں ہے ویسا ہی ایلا میں بھی شوہر پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے اگر زوجہ سے مقاربت نہ کرنے کی قسم کھانے کے بعد اُس قسم کی میعاد کے اندر اُس سے مقاربت کر بیٹھے۔ ایلا کی میعاد چار مہینہ ہے۔ اِس سے کم میعاد کی قسم شرعاً مؤثر نہیں ہے۔ اگر چار مہینہ تک ایلا کا ایفا کیا جاوے تو حنفیہ کے نزدیک یہ قیاس کیا جائیگا کہ شوہر زوجہ سے ہمبستری کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا ہے لہذا ایسا ایلا طلاق بائن کا حکم رکھیگا۔ اور اِس میعاد کے گذر جانے کے بعد شوہر کے حقوق زوجیت زوجہ پر نہ باقی رہینگے اور اگر شوہر اُس سے دوبارا ہمبستری کرنا چاہیگا تو زوجہ قاضی کا حکم لیکر طلاق دے لیگی اور قاضی طلاق کا حکم دیدیگا۔

شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ جب ایلا چار مہینہ تک باقی رکھا جاوے تو طلاق رجعی کا حکم رکھتا ہے۔ یعنی شوہر و زوجہ دونون کو اختیار رہے کہ جب چاہین ہمبستری کرین۔ اور شیعون کے نزدیک حاکم شرع کو وہ اختیار نہین حاصل ہے جو حنفیہ کے نزدیک قاضی کو حاصل ہے۔ یعنی حاکم شرع کو یہ اختیار نہین ہے کہ شوہر سے زبردستی طلاق دلوا دے یا محکمۂ قضا کے حکم سے طلاق دیدے مگر جب شوہر تمرد کرے اور نہ حقوق زوجیت کا اعادہ یعنی مباشرت کرے نہ طلاق دینا منظور کرے اور اسطرح سے زوجہ کے سخت حق تلفی اور نقصان رسانی کرے تو حاکم شرع اُسکو قید کر کے اُسپر تنگی کر سکتا ہے یہانتک کہ وہ زوجہ پاس پھر جائے یا اُسکو طلاق دیدے۔

لعان

شرع محمدی مین جب شوہر زنا کی تہمت لگاوے تو ثبوت زنا صرف چار گواہون کی گواہی سے ہو سکتا ہے جنھون نے اپنی آنکھ سے وہ فعل ہوتے دیکھا ہو۔ مگر یہ جرم ایسا ہے کہ بہت کم صورتین ایسی ہوتی ہین جنمین شہادت صریحی اور بچشم خود دیدہ بہم پہونچ سکتی ہین۔ لعان کی کارروائی شرع مین اُس وقت کے لیے مقرر کی گئی ہے جبکہ شوہر زوجہ کے ارتکاب زنا کا یقین کلی رکھتا ہو مگر اُسکا ثبوت اُن گواہون کی گواہی سے نہ دے سکے جنھون نے اُس فعل کو بچشم خود دیکھا ہو

یا فقط شوہر ہی اُس فعل سے واقف ہو پس لعان اِس مصلحت سے مقرر کیا گیا ہے کہ صدہا صورتون مین
زنا ایسا پوشیدہ ہوتا ہے کہ سوائے شوہر کے اور کسی کو خبر نہین ہونے پاتی اور اگر شوہر کی داد رسی
نکیجائے تو بہت برے نتائج پیدا ہون - مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ لعان مقرر کرنے مین شارع نے
فقط شوہر کے حقوق کا لحاظ نہین رکھا ہے بلکہ زوجہ کے حقوق کی بھی رعایت کی ہے -

شرع محمدی کا یہ حکم ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے کو بدنام کرے یا تہمت لگائے تو تہمت لگانے والا
حد القذف کا مستوجب ہے - مگر جب کوئی شوہر اپنی زوجہ کو بدنام کرے اور اُسکو زنا کی تہمت
لگائے تو اکثر صورتون مین اُس الزام کی حد شرعی یعنی سزا سے بچ جاتا ہے - پس اس غرض سے
کہ تہمت لگانے والے کو تہمت بیجا لگانے کی کچھ تعذیر دیجائے اور اس غرض سے بھی کہ زوجہ دفع العار
کر سکے یعنی تہمت زنا کا انکار بالاعلان اور بہ پابندی احکام شرع کرکے اپنی صفائی کر لے اور
اپنی بدنامی کو رفع کرے شارع اسلام نے یہ حکم فرمایا ہے کہ جب زنا کی تہمت کسی عورت پر لگائی جائے
تو متہم اور متہم یعنی تہمت لگانے والا اور جسکو تہمت لگائی ہے وہ قاضی پاس جا کر ایک دوسرے پر
اُس طرح لعنت کرے جیسا حکم شرع ہے -

سائیر اصاحب نے سچ فرمایا ہے کہ جن ملکون مین شرع محمدی جاری نہین ہے اُنمین لعان کی
کارروائی متروک ہوگئی ہے - مگر باوجودیکہ لعان متروک ہوتا جاتا ہے تاہم جب شوہر و زوجہ
لعان کی نالش دائر کرتے ہین تو الجیرس کے قاضی ابتک لعان دیتے ہین -

قاعدۂ لعان

شرائع الاسلام اور فتاوائے عالمگیری دونون کتابون مین ایسی عبارتین لکھی ہین جنسے ثابت
ہوتا ہے کہ لعان علماء فریقین کے نزدیک فعل مکروہ ہے - چنانچہ شرائع الاسلام مین لکھا ہے
"شوہر کو جائز نہین ہے کہ صرف زنا کا گمان کرکے زوجہ کو زنا کی تہمت لگائے"

اور فتاوائے عالمگیری مین لکھا ہے کہ "جب مدعی اور مدعا علیہا قاضی کے سامنے حاضر ہون
تو قاضی کو چاہیئے کہ اُنکو تنبیہ کرے کہ لعان سے باز آئین - لیکن جب مدعی تہمت لگانے مین اصرار

کرے اور مدعا علیہا اسکی تردید کرنے پر مصر ہو تب قاضی صیغۂ لعان پڑھوائے جسمین ایک دوسرے کو کہتا ہے کہ خدا تجھپر لعنت کرے۔

شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ لعان صرف اُسوقت ہو سکتا ہے جبکہ شوہر سوا ے اپنی شہادت کے اور کوئی گواہ زوجہ کے ارتکاب زنا کا نہ رکھتا ہو۔ مگر سنیون کے نزدیک یہ ہے کہ جب شوہر اور گواہ بھی رکھتا ہو تب بھی لعان کی کارروائی کر سکتا ہے۔

لعان کی نالش شوہر دو غرضون سے کر سکتا ہے۔ یا اس غرض سے کہ زوجہ پر زنا کا جرم ثابت کر دے۔ یا اِس غرض سے کہ جو لڑکا اُس سے پیدا ہوا ہو اُسکی ولدیت کا انکار کرے شق ثانی کا مفاد بھی یہی ہے کہ زوجہ پر شوہر سے بے وفائی کی تہمت عائد ہوتی ہے۔

جن شرائط کی پابندی ان دو صورتون مین واجب ہے چونکہ اُنمین تھوڑا سا فرق ہے لہذا علٰحدہ علٰحدہ بیان کیجاتی ہین۔ مثلاً شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ شوہر و زوجہ مین اگر لعان اِسطرح سے ہو سکتا ہے کہ شوہر زوجہ پر زنا کا دعوے کرے اور زوجہ اُسکا انکار کرے مگر ملاعنہ صرف اُسوقت ہو سکتا ہے جبکہ شوہر یہ بیان کرے کہ مین نے زوجہ کو زنا کرتے بچشم خود دیکھا ہے مگر اور کوئی ثبوت میرے[۱] پاس نہین ہے۔ شرائع الاسلام مین لکھا ہے کہ وہ[۲] اِس سے یہ لازم آتا ہے کہ اگر کوئی اندھا آدمی اپنی زوجہ پر زنا کا دعوے کرے تو لعان نہین ہو سکتا گو وہ اولاد کی ولدیت کا انکار لعان[۳] سے کر سکتا ہے[۱۱]

سب فرقون کا اسپر اتفاق ہے کہ جو شخص لعان کی نالش دائر کرے اُسکو بالغ و عاقل ہونا چاہیئے۔ اور سنیون کے نزدیک اُسکا مسلمان ہونا بھی شرط ہے۔

کتب شیعہ مین یہ کہین صاف نہین لکھا ہے کہ شوہر کا مسلمان ہونا ایک شرط ضروری

سلہ فتاوا ے عالمگیری صفحہ ۶۶۸۔ فتاوا ے قاضی خان صفحہ ۱۵۴۔ فصول عمادیہ۔ شرائع الاسلام صفحہ ۳۴۹ و ۳۴۸۔ منہ سلہ جامع الشتات۔ ارشاد علامہ۔ شرائع الاسلام صفحہ ۳۴۶ و ۳۴۷۔ منہ سلہ شرائع الاسلام صفحہ ۳۴۷۔ ۱۲ منہ

جواز لعان کی ہے۔ مگر جو مسائل جامع الشتات مین لکھے ہین اُنسے اِس بات مین شک ہوتا ہے کہ آیا شوہر ذمی لعان کرسکتا ہے۔ کتب شیعہ کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ نے یا وشلو غیر مسلم رعیت کو لعان کی نالش کرنے کا اختیار دیا گیا ہے بشرطیکہ وہ زندیق یا دہریہ مشہور نہ ہو۔

فتاواے عالمگیری مین لکھا ہے کہ "صرف وہ لوگ جو عدالت مین گواہی دینے کی قابلیت شرعیہ رکھتے ہون لعان کرسکتے ہین پس لعان اُس صورت مین نہین ہوسکتا جبکہ شوہر اور زوجہ دونون یا اُنمین سے ایک تہمت لگانے کی سزاے مخصوص پاچکا ہو یا اُنمین سے ایک غلام یا لونڈی ہو یا کافر ہو یا گونگا ہو یا نابالغ ہو یا مجنون ہو[1]"۔ مگر اندھے اور بہرے کے لعان کرنا ممنوع نہین ہے۔

حنفیہ کے نزدیک یہ بھی ضرور ہے کہ زوجہ مسلمہ اور عفیفہ ہو جب وہ فاسقہ ہو یا شوہر اور زوجہ مین صرف براے نام نکاح ہو تو زوجہ لعان کا دعوے نہین کرسکتی۔

شافعیہ اور مالکیہ نے اس باب مین شیعہ سے اتفاق کیا ہے کہ گونگا آدمی لعان کرسکتا ہے چنانچہ شرایع الاسلام مین لکھا ہے کہ "گونگے آدمی کا لعان شرعاً جائز ہے جبکہ اُسکا مطلب اشارون سے سمجھ مین آسکے"۔

حنفیہ اور شیعہ کا اسمین اتفاق ہے کہ زوجہ عادلہ ہونی چاہیئے تب لعان شرعاً ہوسکتی ہے مگر شیعہ نے حنفیہ سے بھی ترقی کرکے یہ لکھا ہے کہ زوجہ کو بالغہ و عاقلہ ہونا چاہیئے اور اندھی اور بہری نہونا چاہیئے۔ اور اسمین وہ حنفیہ سے متفق ہین کہ زوجہ کو مسلمہ ہونا چاہیئے[2]۔ حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی اُس زوجہ کو زنا سے متہم کرے جو ذمیہ دغیر مسلمہ یا کنیز ہو تو اُسکو لعان کرنا شرعاً جائز نہین ہے۔ مگر شیعون کا قول یہ ہے کہ وہ لعان مرد آئندہ

---

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۷۰۴ جلد ۱۔ ہدایہ صفحہ ۳۱۵۔ شرایع الاسلام صفحہ ۳۰۸۔ کتاب الانوار ۱۲ منہ

[2] ظاہراً اس مسئلہ مین معتزلہ اور اخباریون نے اصولیون سے اختلاف کیا ہے۔ اُنکا قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ جواز لعان زوجہ کے مسلمہ ہونے پر نہین موقوف ہے۔ ۱۲ منہ

اور کنیز میں ہو سکتا ہے یعنی اگر وہ مرد اس کنیز کو زنا کی تہمت لگائے تو مستوجب لعان ہوگا [1]

آخر الذکر مسئلہ میں شافعیہ اور مالکیہ نے شیعہ سے اتفاق کیا ہے اور حق لعان کو
عمل میں لانے میں حر اور عبد کا امتیاز نہیں کیا ہے۔ اور انکے نزدیک ذمیہ اور مسلمان میں
دونوں برابر ہیں۔ مگر انہوں نے شیعہ اور حنفیہ سے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ صرف
زوجہ کے ملعون ہونے کو مانع لعان نہ سمجھنا چاہیئے اور نہ اسکا مانع سمجھنا چاہیئے کہ شوہر
جو دعوے زنا کا اسپر دائر کرے اسکو از روے شرع ثابت کر دے۔

شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ جب زوجہ غیر مسلمہ پر زنا کی تہمت لگائی جائے
تو اگر وہ نصرانیہ ہو تو گرجا میں جا کر قسم کھا سکتی ہے اور اگر یہودیہ ہو تو معبد یہود میں
جا کر کھا سکتی ہے۔

شیعوں کے نزدیک یہ ہے کہ جب شوہر شہادت پیش کر سکتا ہو مگر عمداً نہ پیش کرے
تو لعان نہیں کر سکتا۔ اگر شوہر دعوے کرے کہ میں نے اپنی آنکھ سے زوجہ کو زنا کرتے دیکھا ہے
مگر اس قول کی تصدیق کے لیے گواہ نہ رکھتا ہو تو اس سے اور زوجہ سے علیحدہ علیحدہ
قسم لینا چاہیئے۔ اگر شوہر قسم کھانے سے انکار کرے تو زنا کی تہمت لگانے کی سزا پائیگا
اگر زوجہ قسم کھانے سے انکار کرے تو قاضی اپنی مہر و دستخط سے حکم صادر کرے فسخ نکاح کر دے
دوسرا ایک شرط لعان کی یہ ہے کہ زوجہ لعان طلب کرے اور اگر شوہر قسم کھانے سے انکار
کرے تو قاضی کو اختیار ہے کہ اسکو قید کرے یہانتک کہ وہ قسم کھانے پر راضی ہو جائے
یا دعوے زنا سے باز آئے۔ اگر دعوے زنا سے باز آئے تو زنا کی تہمت لگانے کی سزا کا
مستوجب ہوگا۔ اسی طرح سے اگر وہ عورت ضد کرے اور ہرگز قسم نہ کھائے تو قاضی کو اختیار ہے
کہ اسکو قید رکھے یہانتک کہ وہ قسم کھائے یا اپنے جرم کا اقرار کرے [1]۔ مگر ان احکام
لعان کو الجیریا کے حنفی قاضی نافذ نہیں کرتے اور انہیں کے فیصلوں سے ہمکو اصل اصول

[1] جامع الشتات۔ شرائع الاسلام صفحہ ۳۴۸ — ۱۲ منہ۔

شرع حنفی کے معلوم ہو سکتے ہین۔ ایک مقدمہ مین جسکا فیصلہ شہر بان کے قاضی نے ۱۷ ستمبر ۱۸۶۲ء کو کیا تھا لعان کی نالش شوہر نے کی تھی۔

لعان کے نتائج شرعی

جب زوجہ اور شوہر دونون نے حسب طریقۂ شرعیہ قسم کھائی ہو یا تہمت زنا زوجہ پر بخوبی ثابت کر دی گئی ہو تو قاضی کو ایک حکمنامہ ان دونون کی طلاق کا لکھنا چاہیے اور اُس حکمنامہ کے موافق شوہر کو چاہیے کہ زوجہ کو طلاق دے۔ اگر شوہر ایسا کرنے سے انکار کرے تو قاضی خود طلاق دیدے۔ مگر جب تک قاضی طلاق کا حکم نہ دے اُسوقت تک نکاح مع اپنے تمام حقوق کے باقی رہیگا۔

سب فرقون کا اتفاق ہے کہ لعان صرف قاضی یا حاکم شرع کے سامنے شرعاً ہو سکتا ہے اور جبتک قاضی فسخ عقد کا حکم نہ دے اُسوقت تک نکاح باقی رہیگا۔

کتب شیعہ مین سے شرائع الاسلام کی ایک عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر شوہر و زوجہ کسی شخص کو حکم یعنی پنچ مقرر کرین تو اُسکا فیصلہ بھی شرعاً ویسا ہی واجب التعمیل ہوگا جیسا حاکم شرع کا حکم۔

جامع الشتات مین جو مسائل لکھے ہین اُنسے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لعان کی نالش حاکم شرع یا مجتہد العصر کے محکمہ مین دائر ہونی چاہیے۔

شافعیہ اور مالکیہ اور شیعہ کے نزدیک یہ ہے کہ جب شوہر و زوجہ مین قاضی یا حاکم شرع کے حکم سے ملاعنہ ہو جاوے تو وہ ایک دوسرے پر حرام مؤبد ہو جاتے ہین یعنی باہم دوبارہ عقد نہین کر سکتے۔ مگر حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر شوہر تہمت زنا سے باز آئے اور دعوے زنا کرنے کی سزا پاجاے یا اگر بعد وقوع لعان معلوم ہو کہ شوہر یا زوجہ مین لعان کے وقت

۱؎ ساٹیر صاحب کی کتاب صفحہ ۳۲۲ — ۲؎ ص سے ۳؎ شرائع الاسلام صفحہ ۳۴۹ — ۱۲ — ۴؎ ص ہدایہ صفحہ ۳۴۹ — ڈی اے ہسن صاحب کی کتاب صفحہ ۱۱۲ — شرائع الاسلام صفحہ ۳۴۹ و ۳۵۱ — کتاب الانوار — فتاوائے عالمگیری صفحہ ۴۰۳ جلد ۱

کوئی ایسا نقص شرعی تھا جس سے لعان باطل ہوجاتا ہے یا اگر انمین سے کوئی مرتد ہوجاے اور بعد اُسکے پھر اسلام قبول کرلے تو اِن سب صورتون مین وہ باہم دوبارہ عقد کرسکتے ہین۔

اولاد کی ولدیت کا انکار کرنے کے لیے جو لعان کیا جاے اُسمین بھی وہی رسوم شرعی ادا کرنا لازم ہے جنکی پابندی اُس لعان مین کیجاتی ہے جسمین زوجہ پر زنا کی تہمت لگائی جاے صرف اتنا فرق ہے کہ پہلی صورت مین اور صیغہ پڑھا جاتا ہے اور دوسری صورت مین اور صیغہ پڑھا جاتا ہے

یہ بھی بیان کردینا چاہیے کہ جب زوجہ پر زنا کی تہمت لگاکر فسخ نکاح کرنا منظور ہو تو لعان کے سب شروط کی تعمیل کرنا کچھ ضرور نہین ہے جس مقدمہ کا ذکر سابق مین کیا گیا کہ شہر بآن کے قاضی نے اُسکا فیصلہ کیا تھا اُسمین شوہر نے قاضی کے سامنے حاضر ہوکر زوجہ پر زنا کا دعوے کیا اور زوجہ نے اپنے جرم کا اقرار کرلیا۔ قاضی نے فسخ نکاح کا حکم لکھکر زوجہ کو حکم دیا کہ جو مہر تونے شوہر سے پایا ہے اُسکو واپس کردے۔

اسی طرح سے جب کسی عورت پر جھوٹا دعوے زنا کا دائر کیا جاے اور شوہر اُس دعوے کو ثابت نہ کرسکے تو وہ عورت عدالت سے طلاق مانگ سکتی ہے۔ ساٹیر اصاحب نے جو دو نظیرین لعان کی لکھی ہین وہ ناطق اور قطعی ہین۔ ایک مقدمہ مین یحییٰ ابن محمد نے اپنی زوجہ پر زنا کا دعوے کیا۔ زوجہ نے دعوے زنا کا انکار کرکے شوہر سے قاضی کے سامنے کہا کہ شہادت پیش کرکے اپنے دعوے کو ثابت کر۔ جب شوہر شہادت نہ پیش کرسکا تو قاضی نے زوجہ کی درخواست سے فسخ نکاح کا حکم دیدیا۔

دوسرے مقدمہ مین جسکا فیصلہ الجیریا کی عدالت نے ۱۳ فروری سنہ ۱۸۶۱ع کو کیا تھا شوہر نے فسخ نکاح کا دعوے اس بنا پر کیا کہ زوجہ قبل نکاح مرتکب فعل شنیع ہوئی تھی۔ زوجہ نے اُسکے دعوے کا انکار کرکے طلاق طلب کیا۔ شوہر اپنے دعوے کے اثبات

لہ اگر نکاح شوہر کی استدعا سے منسوخ کیا جاتا تو وہ مہر کا مستوجب نہوتا ۔۱۲ منہ

سے قاصر رہا لہذا قاضی نے زوجہ کی طلاق کا حکم دیدیا۔

طلاق العنّین یعنی نامرد شوہر کا طلاق

جو حق شرع محمدیؐ میں زوجہ کو دیا گیا ہے کہ اگر شوہر نامرد ہو تو نکاح کو منسوخ کرا لے وہ تمام اعتبارات سے اُس حق کے مشابہ ہے جو قانون انگلستان میں عورت کو بخشا گیا ہے خصوصًا شیعون کے مذہب میں اور انگلستان کے قانون میں اس باب خاص میں ایسی مشابہت تامہ ہے کہ شائقین علم فقہ کی توجہ و التفات کے قابل ہے۔

زوجہ شوہر کے نامرد ہونے کی وجہ سے طلاق کی مستحق اُسوقت ہے جبکہ نکاح کے پیشتر یہ نہ جانتی ہو کہ یہ شخص نامرد ہے۔ اگر یہ جانکر اُسنے شوہر کو قبول کر لیا ہو کہ یہ شخص نامرد ہے یعنی زفاف یا وطی کی قوت نہین رکھتا ہے تو زوجہ طلاق کا حق نہین رکھتی ہے۔

اگر زفاف کے بعد شوہر نامرد ہو گیا ہو تو زوجہ طلاق نہین مانگ سکتی۔

اہل سنت کے نزدیک زوجہ بہر صورت طلاق کی مستحق ہے خواہ شوہر صرف اُسی پر قادر نہو اور عورتون پر قدرت رکھتا ہو خواہ عنّین محض ہو یعنی کسی عورت پر مطلقًا قادر نہو۔ مگر شیعون کے نزدیک اگر شوہر اور عورتون سے جماع پر قادر ہو اور صرف زوجہ پر قادر نہو تو زوجہ طلاق نہین مانگ سکتی۔

زوجہ پر فرض ہے کہ جسوقت شوہر کا نامرد ہونا معلوم ہو اُسی وقت فورًا اپنے حق طلاق کو عمل مین لائے۔ اگر اس حق کو عمل میں لانے مین تاخیر کریگی تو شرعًا یہ قیاس کیا جائیگا کہ اس حق سے دست بردار ہو گئی۔ مگر اس قیاس کی تردید یا ابطال ہو سکتا ہے۔ یعنی یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ زوجہ ایسے حال میں مبتلا تھی کہ نکاح کے بعد فورًا طلاق کا دعوے نہ پیش کر سکتی تھی مثلًا نکاح کے وقت سے شوہر کہین چلا گیا ہو اُسکے پاس نہ رہا ہو یا وہ کوئی ذریعہ دعوے طلاق دائر کرنے کا نہ رکھتی ہو یا اور کوئی سبب ہو۔

شوہر کے نامرد ہونے کی وجہ سے جو دعوے طلاق ہو اُسکو ہمیشہ قاضی یا حاکم شرع کے

محکمہ مین دائر کرنا چاہیئے - جو طلاق صرف مجتہدین کے فتوے سے دیدیا جاوے وہ بالکل
باطل اور ناجائز ہے - چنانچہ جامع الشتات مین لکھا ہے کہ شوہر کے نامرد ہونے کی وجہ سے
طلاق کا دعوے دائر کرنا شرعًا جائز نہین ہے مگر حاکم شرع کے محکمہ مین -

جب کوئی عورت اپنے شوہر پر نامرد ہونے کا دعوے کرتی ہے تو قاضی اُسکی تحقیقات
کرتا ہے اور فریقین کا اظہار لیتا ہے - اگر وہ عورت باکرہ ہے تو بزرگ عورتون کی ایک جیوری
قرار دیجاتی ہے اور وہ دیکھتی ہے کہ آیا یہ باکرہ ہے یا نہین ہے - اگر اُسکا بیان سچ پایا جاتا ہے
تو وہ بحکم التوائی تاریخ سے برس روز تک مقدمہ ملتوی رکھا جاتا ہے - اگر اس عرصہ مین
شوہر ثابت کرے تو بعد انقضا اُس میعاد کے جو قاضی نے مقرر کی ہے زوجہ کی خوشی فاسخ کیجاتی ہے
ملک اگر شوہر تکمیل فرائض زوجیت سے قاصر ہے یعنی زوجہ کا زفاف نہ کرسکے تو وہ مستحق
طلاق کی ہوتی ہے -

سنیون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر خلوت صحیحہ ہو چکی ہو تو زوجہ پورے مہر کی مستحق ہوگی -
اگر خلوت صحیحہ نہوئی ہو تو حنفیہ کے نزدیک وہ نصف مہر پائیگی - مگر شیعہ اور شافعیہ کے
نزدیک دونون صورتون مین وہ نصف مہر پائیگی خواہ خلوت صحیحہ ہوئی ہو خواہ نہوئی ہو -

اگر خود وہ عورت مرد پاس رہنے کے قابل نہو تو طلاق کی مستحق نہوگی - اگر وہ باکرہ نہو اور
شوہر قسم کھاوے کہ اس سے مباشرت کرچکا ہون تو بھی وہ طلاق کی مستحق نہوگی

سنی اور شیعہ اسمین عمومًا متفق ہین کہ قاضی کے محکمہ مین نامردی کی نالش دائر کرنے لیے
کیا کارروائی کرنی چاہیئے - جامع الشتات مین لکھا ہے کہ ایسی صورت مین مجتہد العصر کا حکم
ضرور ہے - جو شیعہ ملکون مین قاضی کا قائم مقام ہوتا ہے مگر یہ عرض کرنا ضرور ہے کہ
شرایع الاسلام مین اسکے خلاف لکھا ہے - یعنی اس کتاب مین یہ لکھا ہے - کہ وہ یہ سچ ہے کہ
نامردی ثابت کرنے کے لیے حاکم شرع کو چاہیئے کہ ایک مدت مقرر کردے کہ اُس مدت مین
شوہر اپنی مردی کی آزمائش کرے اور اُس میعاد کے منقضی ہونے کے بعد زوجہ خود اپنے

نکاح کو منسوخ کر سکتی ہے اگر اس عرصہ مین ہمبستری نہوئی ہوگی۔ مگر جامع الشتات مین جو فتوے لکھا ہے وہ زیادہ تر عقل سلیم کے موافق ہے اور ممالک شیعہ مین اُسی پر عمل درآمد ہے۔ فقط

چودھوان باب

نابالغی کی حالت۔ آزادی ذات۔

آزادی مال۔ ایکٹ ۹ ۱۸۷۵ع۔

نابالغون کے صوانع قانونی کچھ شرع محمدی سے مخصوص نہین ہین۔ بلکہ اور قوانین مین بھی نابالغون کی ذات کی آزادی سن بلوغ کو پہونچنے پر موقوف ہے اور اُسی وقت اُنکو یہ بھی قابلیت حاصل ہو جاتی ہے کہ اپنی جائداد کو جو چاہین کرین۔ مگر شرع محمدی کی رُو سے ذات کی آزادی سے خواہ مخواہ مال یا جائداد کی آزادی نہین لازم آتی۔

حقیقت حال یہ ہے کہ شرع محمدی مین دو مختلف زمانے بلوغ کے رکھے گئے ہین۔ ایک وہ زمانہ ہے جسمین نابالغ کی ذات اُسکے باپ کے قید اختیار سے آزاد ہو جاتی ہے۔ اور ایک وہ زمانہ ہے جسمین وہ اپنی جائداد کا انتظام خود اختیار کرتا ہے۔

اِن دونون زمانون کو سن بلوغ اور سن رُشد کہتے ہین۔

حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک پندرھوان سال ختم ہونے پر بلوغ فرض کر لیا جاتا ہے۔

مگر مالکیہ کے نزدیک اٹھارھوان سال تمام ہونے پر بلوغ فرض کیا جاتا ہے۔

حنفیہ اور شیعہ کے نزدیک بلوغ اور رُشد ساتھ ہوتا ہے لہذا جب بعد بلوغ نابالغون کو ذاتی آزادی حاصل ہوتی ہے اُسی وقت انکا مال بھی اُنکے اولیا کی قید اختیار سے آزاد ہو جاتا ہے اور اُسی وقت وہ اپنی جائداد کو لے لینے کے مستحق ہو جاتے ہین۔

مگر ایسی صورتین بھی ہین جسمین لڑکے اور لڑکیان بالغ ہو جاتی ہین مگر رشید نہین ہوتین کہ اپنی جائداد کا انتظام خود کرین۔ ایسی صورتون مین شرع شریف نے بلوغ کے دو زمانہ مین

لہ شرائع الاسلام صفحہ ۲۰۶ ۔ ۱۲ منہ

تفرقہ کر دیا ہے یعنے نابالغ کی ذات سے حق الجبر کو اٹھا لیا ہے مگر خود اُسکے فائدہ کے لیے اُسکی جائداد کا انتظام اُسکے اولیار شرعی کے سپرد رکھا ہے۔

اگر کوئی نابالغ سن بلوغ کو پہونچکر رشید ہو تو اٹھارھوان سال تمام ہونے پر رشید سمجھا جائیگا الّا اسکے کہ کوئی شہادت قطعی اسکے خلاف پیش کیجائے۔

بلوغ کے ان دونون زمانون کا اصول ایکٹ ۹ ۱۸۷۵ء یعنی ایکٹ نابالغان مین قائم رکھا گیا ہے۔ اس ایکٹ کی دفعہ ۲ ضمن (الف) مین لکھا ہے کہ "ایکٹ ہذا کا کوئی مضمون کسی شخص کی کارروائی کرنے کی قابلیت مین مقدمات ذیل مؤثر نہوگا۔ یعنی ۔ مناکحت ۔ مہر ۔ طلاق ۔ اور تبنّی"

اور دفعہ ۳ مین لکھا ہے کہ "بہ پابندی امور مذکورۂ بالا ہر ایسا نابالغ جو کسی عدالت کی زیر نگرانی خواہ ایکٹ ۱۸۵۸ء خواہ ایکٹ کورٹ آف وارڈس کے بموجب ہو اٹھارہوان سال ختم ہونے پر بالغ سمجھا جائیگا خواہ مرد ہو خواہ عورت ۔ اس سے پیشتر بالغ نہ سمجھا جائیگا ۔ مگر ہر ایسا نابالغ جسکی ذات یا جائداد کا ولی عدالت نے مقرر کر دیا ہو یا آئندہ مقرر کرے اور ہر وہ نابالغ جو زیر اختیار کورٹ آف وارڈس ہو اکیسوان سال ختم ہونے پر بالغ سمجھا جائیگا خواہ مرد ہو خواہ عورت اس سے پیشتر نہ سمجھا جائیگا"

اس سے ظاہر ہے کہ جہانتک اِس ایکٹ کا اصول متعلق ہے وہانتک یہ شرع محمدیہ کے مشابہ ہے جسمین دو مختلف زمانے بلوغ کے قرار دیئے گئے ہین۔ ایک زمانہ نابالغ کی ذات کے آزاد ہونے کا اور ایک زمانہ اُسکے مال کے آزاد ہونے کا ایکٹ مذکور مین رشد کا زمانہ یعنے جب نابالغ کی جائداد کا انتظام خود اُس سے متعلق کر دینا چاہیئے مختلف نہین رکھا گیا ہے بلکہ ہر نابالغ جسکا ولی کسی عدالت سے نہ مقرر کر دیا ہو یا جو کورٹ آف وارڈس کے زیر اختیار نہ ہو اُسکا سن رشد یا سن بلوغ اٹھارہ سال کا مقرر کر دیا گیا ہے۔

بلکہ جس نابالغ کا ولی کسی عدالت نے مقرر کردیا ہو اُسکے باب مین اس ایکٹ نے شرع محمدی
سے بھی ترقی کرکے یہ قرار دیا ہے کہ اُسکی جائداد نہین واگذار ہو سکتی تاوقتیکہ وہ اکیسوان
سال تمام نہ کرلے۔

جہانتک نابالغون کی ذات کی آزادی متعلق ہے وہانتک اس ایکٹ نے شرع محمدی مین
کچھ تصرف نہین کیا ہے۔ بلکہ اسنے خاص کر مسلمانون کو مستثنیٰ کرکے لکھدیا ہے کہ منا کحت اور
مہر اور طلاق کی قابلیت رکھتے ہین۔ پس اس ایکٹ نے جو نابالغی کا سن بڑھا دیا ہے اُس سے
حق الجبر کی مدت نہین زیادہ ہوگئی ہے۔

باپ کا حق الجبر نابالغ اولاد کا نکاح کردینے کا باوجود اس ایکٹ کے بھی پندرھوان سال
ختم ہونے کے بعد یعنی بلوغ شرعی کے بعد نہین عمل مین آسکتا۔

اسی طرح سے اگر نابالغ حنفی مذہب یا شیعہ ہو تو بلا اجازت ولی بھی اپنا نکاح کرسکتا ہے
اور اگر اُسکی طرف سے کسی نے اُسکا نکاح کردیا ہو تو اُسکا جواز اُسکی صریحی رضامندی پر
موقوف ہوگا۔

جب نابالغ کا عقد باپ اور دادا کے سوائے اور کسی ولی نے کردیا ہو تو اسمین شک
معلوم ہوتا ہے کہ آیا وہ پندرھوین برس کے بعد خیار البلوغ کو عمل لاسکتا ہے یا یہ کہ یہ حق
اٹھارھوان سال ختم ہونے کے بعد عمل مین لایا جائیگا۔ ایکٹ مذکور کی عبارت سے تو یہی معلوم
ہوتا ہے کہ چونکہ اسمین شرع محمدی کے احکام درباب قابلیت نکاح و مہر و طلاق بعینہٖ قائم
رکھے گئے ہین لہذا جب کسی نابالغ کا نکاح اس طور سے کرلیا گیا ہو تو بعد بلوغ اُسکو حق خیار البلوغ
عمل مین لانا جائز ہے۔ اگر وہ حق اُسوقت نہ عمل مین لایا جاوے تو یہ گمان کرنا مشکل ہے کہ وہ
حق جاتا رہیگا یا اُسکا عمل مین نہ لایا جانا اقبال یا رضامندی پر محمول کیا جائیگا۔ چونکہ ایکٹ
مذکور مین لکھا ہے کہ بعض صورتون مین نابالغی اٹھارہ برس کے سن تک تصور کرنی چاہیئے اور
بعض صورتون مین اکیس برس کی عمر تک اور چونکہ اسمین یہ کہین نہین لکھا ہے کہ جو حق کسی خاص

قانون کے رو سے حاصل ہوا ہو اگر وہ اُس قانون کے منشار کے موافق فوراً نہ عمل مین لایا جاے تو زائل ہو جائیگا لہذا یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ کوئی عدالت اُس نابالغ کو جسکا عقد اُسکے باپ اور دادا کے سوا سے اور کسی ولی نے کر دیا ہو حق خیار البلوغ کو اُس عقد کے فسخ کرنے کے لیے عمل مین لانے سے مانع نہوگی گو اُس حق کا دعوےٰ یا انفاذ اُس سن بلوغ کے پورا ہونے کے بعد بھی نہ ہوا ہو جو ایکٹ مذکور مین مقرر کر دیا ہے۔

شرع محمدی مین ہر شخص کو بعد بلوغ یہ اختیار اور یہ قابلیت بخشی گئی ہے کہ ہر قسم کے تصرفات شرعیہ یا معاملات جائز کو جو اُسکی حیثیت یا اُسکی جائداد سے متعلق ہون کر سکتا ہے اسمین کچھ مرد یا عورت کی تخصیص نہین ہے۔ ایکٹ مذکورہ بالا مین جائداد کی نسبت کوئی معاملہ کرنے کی قابلیت کو اُس سن تک ملتوی رکھا ہے جو کونسل واضع آئین و قوانین نے مقرر کر دیا ہے۔ مگر چونکہ اس ایکٹ مین اُن معاملات کو مستثنیٰ کیا ہے جو لوگون کی حالت یا حیثیت سے متعلق ہین لہذا اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص سن بلوغ کو پہنچ کر نکاح کرے اور کچھ مہر مقرر کر دے تو ایسا مہر جائز ہوگا کیونکہ وہ ایک نتیجہ ضروری یا لازم ذاتی معاہدہ نکاح کا ہے۔ اسی طرح سے چونکہ اس ایکٹ مین طلاق [illegible] شرع محمدی بعینہ قائم رکھا گیا ہے لہذا اگر کوئی مسلمان شوہر شرع محمدی کے رو سے [illegible] ایکٹ کے بموجب نابالغ ہو اور اختیار طلاق کو عمل مین لا کر زوجہ کو طلاق دیدے [illegible] جب اُسے مہر ہوگا گو اس ایکٹ کے بموجب وہ ہر ایسی ذمہ داری سے بری رہیگا [illegible] کرانے سے یا اُس معاہدہ کو شکست کرنے سے نہ پیدا ہوئی ہو جو اُسکی [illegible] حالت سے متعلق ہے۔ یہ بعض دقتین ہین جنکے پیدا ہونے کا گمان ایکٹ بلوغ کے [illegible] سے ہوتا ہے جسکا ذکر سابق مین کیا گیا۔

علاوہ انکے اور دقتین بھی اس ایکٹ سے پیدا ہوتے ہین جنکا ذکر مجملاً کیا جاتا ہے۔ یہ یاد رہے [illegible] ایکٹ اُن سب اشخاص سے متعلق ہے جو برٹش انڈیا مین سکونت دائمی یا مستقل بود و باش رکھتے ہین۔ مگر ایسی صورتین بھی وقوع مین آتی ہین جنمین کوئی مسلمان باشندہ عرب یا عجم

یا افغانستان یا ٹرکی برٹش انڈیا مین بود و باش اختیار کرلیتا ہے مگر اپنے وطن اصلی کو نہین
ترک کرتا۔ ایسی صورتون مین یہ دریافت کرنا تقریباً ناممکن ہے کہ آیا ایسا شخص قصداً ہمیشہ برٹش انڈیا
مین سکونت دائمی اختیار کرنے کا رکھتا ہے یا نہین۔ اسکی سب سے عمدہ مثال کلکتہ کے اہل عجم ہین
جنمین سے اکثر شہر کلکتہ یا اُسکے نواح مین کئی پشت سے سکونت پذیر ہین اور وہین کام کرتے ہین
اور وہین رہتے ہین اور وہین شادی بیاہ کرتے ہین مگر اُنمین سے کسی کا قصد یہ نہین معلوم ہوتا کہ
کبھی نہ کبھی اپنے وطن اصلی کو مراجعت نہ کریگا۔ یہ امر کسی قدر مشکوک ہے کہ ان لوگون کا
بلوغ کیونکر اور کس قانون کے بموجب قرار دیا جائیگا۔ اسوقت تک انمین کوئی ایسا مقدمہ
نہین ہوا ہے جسمین عدالتون نے اس بات کا فیصلہ قطعی کردیا ہو کہ آیا انکو برٹش انڈیا کا
باشندہ سمجھنا چاہیئے یا نہین۔ یا غالباً جب ایسا کوئی مقدمہ عدالت مین پیش ہوگا
تو عدالت ان لوگون کو برٹش انڈیا کا باشندہ قرار دیگی یا نہ دیگی۔

چونکہ مالکیہ کے نزدیک بلوغ کا گمان صرف اٹھارھوان سال ختم ہونے کے بعد
ہوسکتا ہے لہذا اُنکے اقوال مین اور ایکٹ مذکور کے احکام مین یا اُن نتائج مین جو اُن
احکام سے پیدا ہون تناقض ہونے کا کمتر گمان ہے مثلاً اگر مالکی مذہب نابالغ کا کوئی
ولی کسی عدالت نے نہ مقرر کیا ہو یا وہ کسی کورٹ آف وارڈس کے زیر اختیار نہو تو اس
ایکٹ کے بموجب جو نقص قانونی آئین ہے اور جو نقص شرعی آئین مذہب مالکی کے رو سے ہے
وہ دونون ایک ہی وقت مین رفع ہوجائینگے اور وہ نابالغ اپنی ذات کی آزادی کے ساتھ
اپنی جائداد کا اختیار اور انتظام بھی حاصل کرلیگا۔ اگر وہ کورٹ آف وارڈس کے زیر
اختیار ہے تو اُسکی جائداد کا واگذار ہونا تین برس تک اَور معطل رہیگا۔

مگر برخلاف اِسکے شیعہ مذہب یا حنفی مذہب نابالغ ایک صورت مین تین
سال تک اور دوسری صورت مین چھہ سال تک بعد بلوغ شرعی بھی اپنی جائداد پہ
اختیار نہ پائیگا۔ فقط

پندرھوان باب

ولایت یا حراست۔ اُسکی غایت و غرض شرع محمدی مین کیا ہے

باپ ولی اصلی ہے۔ اولیا وصیتی۔ ایکٹ ۴۰ ھ ۱۸۵۸ ع۔

ولایت یا حراست مین امور ذیل داخل ہین۔ (۱) نا بالغ کی ذات کی ہدایت اور حفاظت بہ اُسوقت ہوگا جبکہ حضانت اور ولایت دونون چیزین ایک ہی شخص مین جمع ہون۔ (۲) نا بالغ کی ذات کی نگرانی جبکہ حضانت دوسرے شخص سے متعلق ہو۔ (۳) نا بالغ کی جائداد کا انتظام اور حفاظت

دین اسلام جاری ہونے سے پیشتر یہ دستور تھا کہ نا بالغون کے مال و اسباب کا تحفظ و انتظام ولیون سے متعلق کیا جاتا تھا جو اُنکے اہل خاندان مین سے مقرر کیے جاتے تھے۔ مگر چونکہ کسی حاکم کے حکم سے اختیار ولایت اکثر نہ عمل مین لایا جاتا تھا لہذا نا بالغون کے مال مین خیانت اور تغلب و تصرف اس شدت سے ہوتا تھا کہ شارع اسلام کو بہت سخت احکام نا بالغون کی حفاظت کے جاری کرنے پڑے۔

قرآن مجید مین اُن بدعتون اور بے ایمانیون کی مذمت جا بجا ہے جو پیغمبر اسلام کی بعثت کے زمانہ مین ساری عرب مین ہوتی تھین۔ اور احکام قرآنی پر مسلمانون کا قانون ولایت مبنی ہے آیات ذیل مین کچھ احکام ولایت بیان کیے ہین جنسے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ چھٹھی اور ساتوین صدی عیسوی مین اخلاق عامہ کی کیا کیفیت عرب مین تھی۔

وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۔ یعنی اور دو تم یتیمون کو اُنکا مال اور نہ بدلو اچھی چیز کو بُری چیز سے اور نہ کھاؤ اُنکی جائداد کو اپنی جائداد کے ساتھ تحقیق کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے

(سورۃ النسار آیت ۲)

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ اللَّهِ

كَثِيرًا ۔ وَأَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۔ یعنی بسبب ظلم اُن لوگون کے جو یہود ہین ہمنے حرام کردیا اُنپر حلال چیزون کو جو حلال کی گئی تھین اُنکے واسطے اور بسبب اُنکے بہکنے کے خدا کی راہ سے بہت ۔ اور بسبب اُنکے لینے کے سود درحالیکہ اُنکو سود لینا منع کیا گیا ہے اور بسبب اُنکے کھا جانے کے لوگون کی جائداد ناحق اور وعدہ کیا ہے ہمنے کافرون کو اُنمین سے دردناک سزا کا ۔ (سورۃ النسار آیت ۱۵۸ و ۱۵۹ ۔)

قرآن مجید مین ولیون کو ممانعت ہے کہ نابالغون کی جائداد کو ضایع و برباد نہ کرین ۔[1] اور معلمون کو حکم ہے کہ ایک معقول و معتدل حق المحنت لین مگر اُس سے زیادہ نہ لین ۔ جیسا اِس آیت سے ظاہر ہے ۔ وَابْتَلُوا الْيَتَامٰى حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيبًا ۔ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۔ (سورۃ النسار آیات ۵ و ۶ و ۷)

یعنی اور حفاظت کرو یتیمون کی یہانتک کہ جب وہ شادی کی عمر کو پہونچین پس اگر تم اُنکو ذی شعور دیکھو تو دیدو اُنکو اُنکی جایدادین اور نہ کھاؤ اُنکو فضول خرچی اور خیانت کے ساتھ اور جو شخص مالدار ہو ہر آینہ اُس سے بالکل پرہیز کرے اور جو شخص نادار ہو ہر آینہ مقدار واجبی آمین سے لے پس جب تم اُنکو اُنکی جائدادین حوالہ کرو تو گواہون کے سامنے حوالہ کرو اور کافی ہے خدا حساب لینے والا ۔ اور وہ لوگ جو کھاتے ہین مال یتیمون کا ناحق نہین کھاتے اپنے شکمون مین مگر آگ کو اور قریب ہے کہ پہونچینگے آتش دوزخ مین ۔

پہلی آیت مین اولیا پر نابالغ کی جائداد کا حساب دینا بھی فرض کردیا ہے ۔

---

[1] جیسا آیت مذکورہ بالا سے ظاہر ہے ۔ ۱۲ منہ

قاضی کو بھی حکم ہے کہ نابالغون کی جایداد کا انتظام جو اُنکے ولی کرین اسکی بہت سخت اور چست نگرانی کرتا رہے۔

چونکہ اصول ولایت نصوص قرآنی پر مبنی ہین لہذا اِس مسئلہ مین سُنّی اور شیعہ مین اختلاف کی بہت کم گنجایش ہے۔

اولیا تین قسم کے ہوتے ہین۔ اصلی۔ وصیتی۔ مقرری۔ ولی اوّل اور ولی اصلی باپ ہے اور حنفیہ کے مذہب مین جب باپ مرجاے تو ولایت اُسکے ولی سے متعلق ہو جاتی ہے اور جب باپ مرجاے اور کسی کو اپنا وصی نہ مقرر کر جاے تو اسکی نابالغ اولاد کی ولایت اسکے دادا سے متعلق ہوگی اور جب دادا بھی مرجاے تو اُسکی ولایت دادا کے وصی سے متعلق ہوگی۔ شیعون کے نزدیک یہ ہے کہ اگر دادا زندہ ہو تو وہ بترجیح باپ کے وصی کے ولایت کا مستحق ہے۔ جب ولی اصلی اور ولی وصیتی دونون نہ موجود ہون یعنی باپ اور اُسکا وصی اور دادا اور اُسکا وصی نہ موجود ہو تو نابالغ کے مال کی حفاظت و انتظام کے لیے کوئی ولی یا امین مقرر کرنا قاضی سے باین حیثیت کہ وہ سلطان یا حاکم وقت کا قائم مقام ہے شرعًا متعلق ہو جاتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جو نابالغون کی ولایت تامہ رکھتا ہو یا جیسا ایکٹ ۴۰ ۱۸۵۸ء مین لکھا ہے کہ ”نابالغون کی جایداد کی سپردگی کا خواہان ہو اور لیاقت بھی رکھتا ہو“۔ پدر متوفی کے اقرباے ذکور مین پایا جاے تو قاضی کو چاہیے کہ ایسے شخص کو بترجیح شخص غیر اُنکا ولی مقرر کرے مگر سواے باپ اور دادا کے کوئی عزیز نابالغ کی جایداد مین دست اندازی کرنے کا شرعًا مجاز نہین ہے تا وقتیکہ قاضی نے اُسکو ولی نہ مقرر کیا ہو[۱]۔

باپ کو سب اوقات مین اختیار کلی حاصل ہے کہ اپنے نابالغ اولاد کی ولایت اور اُنکے حقوق کی حفاظت کا انتظام جو مناسب سمجھے وصیت نامہ مین لکھدے۔

---

[۱] فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۲۳-۱۲ منہ

مگر باپ کو وصی یا ولی وصیتی مقرر کرنا صرف اسوقت جائز ہے جبکہ وہ صحت نفس اور ثبات عقل رکھتا ہو یعنی اُسکے ہوش و حواس بخوبی درست ہون۔ پس اگر وصی یا ولی وصیتی مقرر کرنے کے وقت اُسکی عقل مین فتور ہو یا فاسد العقل ہونے کی وجہ سے مدت سے کاروبار کرنے کے قابل نہ رہا ہو تو ایسا تقرر شرعًا ناجائز ہوگا[1]۔

اسی طرح سے باپ کو چاہیئے کہ وصی یا ولی اِس شخص کو مقرر کرے جو بالغ و عاقل ہو۔ اگر جس شخص کو باپ نے اپنی اولاد کا ولی مقرر کیا ہے وہ نابالغ یا مجنون ہو تو ایسا تقرر شرعًا باطل ہے اور جتنی کارروائیاں اُس نابالغ وصی نے بموجب اس اختیار کے جو اُسکو موصی نے دیا ہے قبل اسکے کی ہون کہ قاضی اُسکو برخواست کرے وہ سب شرعًا باطل اور غیر مؤثر ہونگی[2]۔ اگر تقرر کے بعد ولی فاسد العقل یا مجنون ہو جاوے تو جو ولایت اُسکو نابالغ کے باپ نے بخشی تھی وہ باطل ہو جائیگی اور ولی مقرر کرنے کا حق قاضی کو حاصل ہو جائیگا۔

اس مسئلہ مین بڑا اختلاف ہے کہ اگر کوئی نابالغ ولی مقرر کیا گیا ہو اور قاضی کے حکم سے برخواست نہ کیا گیا ہو تو آیا بعد بلوغ اسکو حقوق ولایت عمل مین لانا جائز ہے یا نہین۔ امام اعظم ابو حنیفہ نے اِس مسئلہ کا جواب بصیغہ نفی دیا ہے یعنے ناجائز قرار دیا ہے مگر امام ابو یوسف اور امام محمد وغیرہ نے اسکے خلاف فتوے دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اگر ولی نابالغ قبل بلوغ موقوف نہ کر دیا گیا ہو تو جو اختیار اُسکو موصی نے دیا ہے وہ بعد بلوغ اُسکو دوبارا حاصل ہو جاتا ہے۔ یہی فتوے ہندوستان کے حنفی مذہب لوگون مین[3] معمول بہ ہے

حربی[4] (یعنی وہ شخص جو اُس ملک کا باشندہ ہو جسمین اور موصی کے ملک مین جنگ ہو) کسی حال مین مسلمان لڑکون کا یا سلطنت اسلامیہ کے غیر مسلم رعایا کے لڑکون کا ولی نہین ہو سکتا۔

---

[1] شہر لسن کے قاضی کا فیصلہ مصدرہ ۳۰ دسمبر ۱۸۷۷ع سائیر امیا صاحب کی کتاب صفحہ ۲۶۰ مین ملاحظہ ہو [2] منہ [3] فتاوا عالمگیری صفحہ ۲۱۲ [2] منہ [3] فتاوا عالمگیری صفحہ ۲۱۴ [2] منہ [4] بیلی صاحب نے اس لفظ کا ترجمہ اجنبی یا غیر شخص کیا ہے

مگر جو ذمّی یا غیر مسلم اُسی بادشاہ کی رعیت ہو جسکی رعیت موصی ہے اُسکا حکم شرع مین آخر ہے۔

حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی ذمّی ولی مقرر کیا گیا ہو تو وہ اُن اختیارات کو شرعًا اُسوقت تک عمل مین لاسکتا ہے جبتک کہ قاضی اُسکو برخواست کرے۔ اُسکو برخواست کرنے کا اختیار قاضی کو ہے اور نابالغون کے حقوق کے لحاظ سے قاضی کو یہی مناسب ہے کہ اُسکو برخواست کردے۔ جتنی کارروائیان اُسنے بحیثیت ولی کی ہون وہ سب اُسوقت تک جائز رہینگی جبتک کہ قاضی اُسکو برخواست کرے۔

مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ ہے کہ ذمّی نابالغ کی جائداد کا ولی مقرر ہوسکتا ہے اُنکی ذات کا ولی نہین مقرر ہوسکتا۔

شیعون کے نزدیک یہ مسئلہ نہایت دقیق اور مشکوک ہے۔

جامع الشتات مین لکھا ہے کہ امور ولایت مین ذمّی اور حربی برابر ہین شاید اسمین یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ اِس سے نابالغ کی ذات کی ولایت مراد ہے۔

مگر سب فرقون کا اِسمین اتفاق ہے کہ جب مان ولی وصیتی ہو تو گو غیر مسلمہ ہو تو بھی حقوق ولایت کو نابالغون کی ذات اور جائداد دونون پر عمل مین لاسکتی ہے۔ شیعون نے حق الجبر کو اس سے مستثنی کیا ہے

موصی کو اپنے غلام یا لونڈی کو اپنی نابالغ اولاد کا ولی مقرر کرنا جائز ہے۔ لکن اگر وہ غلام یا لونڈی جو ولی مقرر کی گئی ہے اور کسی شخص کی ہو۔ یا اگر موصی کی اولاد مین سے بعض بالغ ہون تو پہلی صورت مین تقرر ناجائز ہے اور دوسری صورت مین ناجائز ہوسکتا ہے اور قاضی اُسکو باطل کرسکتا ہے۔

سُنّی اور شیعہ دونون کے نزدیک فاسق کو ولی مقرر کرنا جس سے نابالغ کے حقوق کے ضایع ہونے کا اندیشہ ہو ناجائز ہے اور قاضی اُسکی ولایت کو منسوخ کرسکتا ہے۔

حالانکہ اس لفظ کے معنی باشندہ دار الحرب بمقابلہ دار الاسلام ہین ۱۲ مسئلہ ذمّی اور حسن صاحب کی کتاب صفحہ ۱۲۴ – ۱۲ منہ سلّمہ
فتاواے عالمگیری صفحہ ۱۴۲ – فصول عمادیہ – کنز الدقائق ۱۲ – ہدایہ – جامع الشتات – فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۱۲ – ۱۲ منہ –

فاسق ہے وہ شخص مراد ہے جو اوباش یا بدمعاش مشہور ہو۔ مگر تمنی کارروائیان ایسے شخص نے قبل اسکے کی ہون کہ اسکی ولایت کو قاضی نے منسوخ کیا ہو وہ سب جائز ہونگی بشرطیکہ بظاہر فریبی کارروائیان نہونگی۔ بہ پابندی شرائط مذکورۂ بالا باپ کو اختیار ہے کہ مرد یا عورت یگانہ و بیگانہ جسکو مناسب سمجھے اپنے نابالغ اولاد کا ولی مقرر کرے۔ اُسکے انتخاب پر کچھ اعتراض نہین ہوسکتا۔ البتہ یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ جسکو اُسنے ولی مقرر کیا ہے وہ نابالغون کی ضرر رسانی کرتا ہے۔

جب قاضی نے کسی شخص کو نابالغون کی جایداد کا امین یا منصرم مقرر کیا ہو اور بعد ازان یہ معلوم ہو کہ اُنکے باپ نے اپنے وصیت نامہ مین اور کسی شخص کو انکا ولی مقرر کیا ہے تو جس شخص کو قاضی نے ولی مقرر کیا ہے وہ برخواست کیا جائیگا اور جسکو باپ نے ولی مقرر کیا ہے وہ بحال کیا جائیگا۔

کسی کو زبانی وصی مقرر کرنا شرعاً جائز ہے بشرطیکہ شہادت کافی اسکے ثبوت میں موجود ہو۔

مان ولی اصلی نہین ہے۔ وہ اپنی نابالغ اولاد کی ذات کی ولایت کی مستحق ہے مگر انکی جایداد کی ولایت کی مستحق نہین ہے۔ اگر وہ اُنکی جایداد مین بغیر اجازت قاضی یا باپ کے دخل دے تو اُسکی کارروائیان ایک فضولی آدمی کی کارروائیان سمجھی جائینگی۔

اگر اُن کارروائیون سے نابالغ کا فائدہ مقصود ہو تو بحال رکھی جائین اگر انکا ضرر مقصود ہو تو منسوخ کیجائین۔

مان مسلمہ ہو خواہ غیر مسلمہ باپ کی وصی شرعاً مقرر ہوسکتی ہے۔ اور جب اُسکی وصی مقرر ہوئی ہو تو تمام حقوق و اختیارات ولایت جو اولیا و وصیون کو شرع مین دیے گئے ہین عمل مین لاسکتی ہے۔

سلہ الجبیر کی عدالت کا فیصلہ مصدرہ ۲۹ جنوری ۱۸۷۲ء سائیلر صاحب کی کتاب مین ملاحظہ ہو۔ و اگر قاضی یہ جانتا ہو کہ متوفی کسیکو وصی مقرر کرچکا ہے اور کسی اور شخص کو اُسکا وصی مقرر کردے تو جسکو متوفی نے وصی مقرر کیا ہے وہی اُسکا وصی شرعاً ہوگا اور جسکو قاضی نے

ولی وصیتی ہر معاملہ مین جو نابالغون کی عافیت یا اُنکی جائداد کے انتظام و حفاظت سے متعلق ہو اُنکے باپ کا قائم مقام ہے۔ بعض صورتون مین علی الخصوص اُس صورت مین جبکہ وصی کا تقرر فی نفسہ تعمیم پر دال ہو۔ باپ کا یا دادا کا وصی اُس امانت کو اپنے وصی کے سپرد کر سکتا ہے۔[1] مگر الجیرس کے قاضیون نے یہ فتوے دیا ہے کہ ایسی سپردگی کا جواز قاضی کی منظوری پر موقوف ہے۔

مان یہ حق نہین رکھتی ہے کہ کسی کو اپنی نابالغ اولاد کا ولی مقرر کرے۔ اولاد حلال کی جائداد کا امین مقرر کرنا قاضی کا کام ہے۔ مگر جب مان عموماً باپ کے وصی کا کام کرتی ہو تو اُسکو اپنے وصیت نامہ مین اپنی اولاد کو اپنے وصی کے سپرد کر دینا جائز ہے۔

جب مان نے کسی کو اپنے نابالغ اولاد کی حفاظت کے لیے اپنا وصی مقرر کیا ہو اور اپنی جائداد منقولہ و غیر منقولہ بھی اُسی کو سپرد کر دی ہو تو ایسے وصی کو یہ اختیار نہین ہے کہ جو جائداد اُن نابالغون نے اپنے باپ کے ترکہ مین پائی ہے اُسکو فروخت کر ڈالے خواہ وہ جائداد منقولہ ہو خواہ غیر منقولہ خواہ مقروض ہو خواہ قرضہ سے سبکدوش ہو۔ البتہ ایسا وصی نابالغون کی فائدہ کے لیے اس جائداد منقولہ مین دست اندازی کر سکتا ہے جو اُنکو مان کے ترکہ مین ملی ہے مگر جائداد غیر منقولہ مین دست اندازی نہین کر سکتا۔[2] اگر مان کی جائداد مقروض ہو اور اسقدر قرضہ ہو کہ ساری جائداد اُسمین مستغرق ہو تو ایسے وصی کو ایسی جائداد کے بیچ ڈالنے کا اختیار ہے مگر اور کسی صورت مین اُسکے بیچنے کا اختیار نہین رکھتا ہے۔[3]

جب عدالت نے کسی کو ولی مقرر کر دیا ہو یا کوئی شخص ولی وصیتی ہو تو مان اپنے نابالغ اولاد کی جائداد کے انتظام مین دست اندازی نہین کر سکتی۔ مگر اُسکو ہر وقت اختیار ہے کہ اپنی اولاد کے

وصی کیا ہے وہ نہو گا ۱۲ فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۱۳-۱۲ منہ

[1] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۲۳- جامع الشتات ۱۲ منہ

[2] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۲۳- مین لکھا ہے کہ ایسا ولی کوئی چیز اُس جائداد سے نہین خرید سکتا سوائے کھانے اور کپڑے کے ۱۲ منہ

[3] فتاوائے عالمگیری صفحہ ۲۲۳-۱۲ منہ

حقوق کی حفاظت کے لیے نالش دائر کرے۔ یعنی جب ولی اصلی نابالغ اولاد کی جائداد میں کوئی کارروائی فریب سے کر رہا ہو یا اُنکی جائداد کو ضایع و برباد کیے دیتا ہو یا اُسمین خیانت کرتا ہو تو نابالغ اسکی مستحق ہے کہ قاضی سے مدد لیکر اُس ولی کو موقوف کرے یا اُسکو ایسی کارروائی سے مانع ہو۔

شرع محمدی مین ولی اصلی اور ولی وصیتی اور ولی مقرری تینون کے اختیارات اور فرائض نہایت تصریح اور بڑی احتیاط سے بیان کر دیے گئے ہین۔

ولی کو اجازت ہے کہ نابالغ کی جائداد منقولہ کو معاوضہ کافی لیکر فروخت کر ڈالے اور جو قیمت اُسکی ملے اُسکو نابالغ کے فائدہ کے لیے کسی مفید معاملہ (تجارت وغیرہ) مین لگا دے چنانچہ ہدایہ مین لکھا ہے کہ "ولی نابالغ کی طرف سے جائداد منقولہ کو اُسکے مساوی کے معاوضہ مین خرید و فروخت کر سکتا ہے یا ایسی قیمت پر خرید و فروخت کر سکتا ہے جس سے کچھ خفیف سا نقصان ہو مگر ایسی قیمت پر خرید و فروخت نہین کر سکتا کہ بہت سا اور بدیہی نقصان ہو اسواسطے کہ ولی نابالغ کے فائدہ کے لیے مقرر کیا جاتا ہے پس اُسکو چاہیے کہ جہانتک ممکن ہو نابالغ کا نقصان نہو نے دے مگر تجارت مین اکثر نقصان خفیف ہو جاتا ہے اور ناگزیر ہے لہذا ولی ایسا نقصان گوارا کرنے کا مجاز ہے ورنہ خرید و فروخت کا باب مسدود ہو جائیگا"[1]

جامع الشتات اور فصول عمادیہ مین بھی اسی کے مانند اقوال لکھے ہین۔

جب معاوضہ کے غیر کافی ہونے سے بادی النظر مین فریب معلوم ہو یا جب معاوضہ ایسا قلیل ہو کہ نابالغ کا نقصان عظیم لازم آئے یا جب قلت معاوضہ ولی کی غفلت و سہلنکاری کا نتیجہ ہو تو قاضی اُس معاملہ کو جو نابالغ کی طرف سے اُسکے ولی نے کر لیا ہے ناجائز قرار دے کر ولی کو اُسکے نتائج کا ذمہ دار کریگا۔ مگر قاضی کو اپنی عقل سے یہ خیال کرنا چاہیے کہ آیا یہ معاوضہ کافی ہے یا نہین ہے یا آیا کسی خاص معاملہ کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اِسمین نابالغ کا نقصان یا

[1] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۳ ۵ ۵ - ۱۲ منہ

حق تلفی ہوئی ہے یا نہین ہوئی ہے۔ اگر وہ معاملہ نیک نیتی سے اور کماحقہ توجہ اور احتیاط کے ساتھ کیا گیا ہو تو ولی ایسے نتائج کا ذمہ دار نہ سمجھا جائیگا جو اُسکی توجہ اور اُسکی عاقبت اندیشی کے خلاف اتفاقی اُس معاملہ سے پیدا ہو جائین۔

ولی کو شرعاً اجازت ہے کہ نابالغ کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت کے لیے روپیہ قرض لے گو اُسکو نابالغ کی جائداد رہن رکھنی پڑے۔ سب قرضے جو نیک نیتی اور جائز طور سے اِس غرض سے لیے گئے ہون نابالغ کی جائداد سے ادا کرنی چاہئیین اور نابالغ کو چاہیئے کہ بعد بلوغ اُنکو ادا کرے۔

ولی کو نابالغ کی طرف سے تجارت کرنا جائز ہے مگر جب تجارت کرے تو اِسکا خیال رکھے کہ کوئی معاملہ خلاف عقل و دوراندیشی نہ کر بیٹھے یا ایسے معاملات نہ کرے جنکی نسبت اُسکو یہ یقین ہو جائے کہ پُر خطر ہین یا اُنمین جوکھم ہے۔

ولی کو واجب ہے کہ اپنا حساب نابالغ کے حساب سے علیحدہ رکھے جبکہ دونون کا سرمایہ ایک ہی تجارت یا ایک ہی کام مین شریک ہو۔

ولی وصیتی کو یا جسکو قاضی نے امین مقرر کیا ہو اُسکو یہ جائز نہین ہے کہ نابالغ کے مال کو خود اپنے پاس بابت کسی قرضہ کے جو اُسکو واجب الادا ہو رہن رکھے نہ کسی ایسے شخص پاس رہن رکھ سکتا ہے جسپر وہ اختیار رکھتا ہو یا جسپر حکومت پدری رکھتا ہو اسواسطے کہ ولی صرف ایک کارندہ یا مختار ہے لہٰذا معاملات مین دوہری حیثیت نہین رکھ سکتا۔

ہدایہ مین لکھا ہے کہ باپ اپنی نابالغ اولاد کی جائداد منقولہ بعوض اُس قرضہ کے جو اُسکی اولاد کے ذمہ واجب الادا ہو اپنے پاس رہن رکھ سکتا ہے یا اُسکو دوسرے شخص کے پاس اپنے ذاتی قرضہ کے عوض مین رہن رکھ سکتا ہے مگر اُس مال کی قیمت کا دین دار اولاد کا باپ ہوگا بعض فقہا نے صاحب ہدایہ سے اِس مسئلہ مین اختلاف کیا ہے۔ اُنکا قول یہ ہے

[1] فصول عمادیہ ۱۲ منہ [2] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۱۰۲ — ۱۲ منہ [3] ترجمہ انگریزی ہدایہ صفحہ ۲۱۵ — ۱۲ منہ

کہ باپ امر ولایت مین وہی حیثیت رکھتا ہے جیسی اور کوئی ولی رکھتا ہے۔ یعنی باپ کو یا اور کسی ولی کو یہ نہین جائز ہے کہ اپنا ذاتی قرضہ نابالغ کی جائداد سے ادا کرے یا اُسکو اپنے ذاتی قرضہ کے لیے رہن رکھے۔

امام ابو یوسف اور دیگر علماء اہل سنت نے اس قول کی صحت مین کلام کیا ہے اور فرمایا ہے کہ باپ کو یہ نہین جائز ہے کہ اپنی ذاتی جائداد کو اپنی اولاد کی جائداد کے ساتھ خلط ملط کر دے یا اولاد کی جائداد کو اُس قرضہ کے عوض مین رہن رکھے جو دونون کے ذمہ واجب الادا ہو کیونکہ اس سے ابتری کا گمان ہے[1]۔

یہ اصول فقط جائداد منقولہ سے متعلق ہین۔ نابالغ کی جائداد غیر منقولہ کی نسبت ولیون کے اختیارات شرعاً اس سے بھی زیادہ محدود و محصور ہین۔

(الف) ولی نابالغ کی جائداد غیر منقولہ کسی حال مین اپنے ہاتھ یا اپنے متعلقین مین سے کسی کے ہاتھ نہین فروخت کر سکتا۔

(ب) وہ اُس جائداد کو غیر شخص کے ہاتھ دوچند قیمت پر فروخت کر سکتا ہے یا اُسوقت فروخت کر سکتا ہے جبکہ نابالغ کا فائدہ بالبداہتہ متصور ہو۔

(ج) وہ اُس جائداد کو اُس ہنگام مین بھی فروخت کر سکتا ہے جبکہ موصی کی وصیت مین کچھ شرائط ایسے ہون جنکی تعمیل بے اس جائداد کو فروخت کیے نہ ہو سکتی ہو۔

(د) وہ اُسوقت بھی اُسکو فروخت کر سکتا ہے جبکہ موصی کا قرضہ ادا کرنا ہو اور بے اُس جائداد کو فروخت کیے اور کسی طور سے وہ قرضہ نہ ادا ہو سکے۔

(ہ) وہ اُسوقت بھی اُسکو فروخت کر سکتا ہے جبکہ اُس جائداد غیر منقولہ کی آمدنی اُسکے مصارف انتظام کو یا خراج (مالگذاری آراضی) ادا کرنے کو کافی نہو۔

(و) اُسوقت بھی اُسکو فروخت کر سکتا ہے جبکہ اُسکے خراب و برباد ہو جانے کا سخت اندیشہ ہو

[1] فصول عمادیہ۔ رد المختار صفحہ ۶۴۸۔ جامع الشتات۔ ہدایہ کتاب ۵۸ باب ۲۔ ۱۲ منہ

(ز) اسوقت بھی اسکو فروخت کرسکتا ہے جبکہ نابالغ اور کوئی جائداد نہ رکھتا ہو اور اُسکے نفقہ یا گذارہ کے لیے اُس جائداد غیر منقولہ کو فروخت کرنا نہایت ضرور ہو۔

(ح) اُسوقت بھی اسکو فروخت کرسکتا ہے جبکہ وہ جائداد کسی سود خورہ مہاجن کے پاس ہو اور ولی کو یہ اندیشہ ہو کہ اس جائداد کے ملنے کی کچھ امید نہین ہے[1]۔

اگر نابالغ کی جائداد غیر منقولہ کافی قیمت پر نیک نیتی سے فروخت کیجاے اور اس غرض سے بیچی جاے کہ حاصل بیع کسی ایسے کام مین جسمین نقصان کا خوف نہو اور نفع کثیر کی امید ہو لگایا جائیگا تو قول راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُسکو فروخت کرنا شرعًا جائز ہے[2]۔

قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ ولی وصیتی کے اختیارات انھین حدود سے محدود ہین اور اُسی قدر وسیع ہین جیسے موصی کے اختیارات ہین[3]۔

ولی کے اختیارات کے باب مین شیعہ اور سُنّی مین عمومًا اتفاق ہے۔ اس مقام پر چند اصولِ عامہ کتاب مبسوط سے بیان کرنا فائدہ سے خالی نہین ہے۔

(۱) ولی وصیتی کو چاہیئے کہ بالغ و عاقل اور مسلمان اور عادل یعنی نیک کردار ہو۔

(۲) نابالغ خود اپنا ولی نہین مقرر ہوسکتا مگر دوسرے کے ساتھ اپنا ولی مقرر ہوسکتا ہے۔ جب وہ دوسرے شخص کی شرکت سے اپنا ولی مقرر ہو تو صرف بعد بلوغ کام کرسکتا ہے۔

(۳) صورت مذکورۂ بالا مین ولی بالغ ولی نابالغ کے زمانہ بلوغ تک اکیلا کام کرسکتا ہے۔

(۴) عورت وصی یا ولی وصیتی نابالغون کی مقرر ہوسکتی ہے۔

(۵) ذمّی مسلمان لڑکون کا ولی نہین مقرر ہوسکتا۔

(۶) ولی وصیتی اپنے اختیارات ولایت اپنے ولی کو تفویض نہین کرسکتا تاوقتیکہ موصی نے اُسکو ایسا کرنے کی اجازت صریحی نہ دی ہو

---

[1] فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۲۲۔ فصول عمادیہ۔ جامع الشتات۔ کتاب الانوار۔ درالمختار صفحہ ۹۴۶۔ ۱۲ منہ

[2] فصول عمادیہ۔ درالمختار۔ جامع الشتات ۱۲ منہ [3] فتاواے عالمگیری صفحہ ۲۲۴۔ ۱۲ منہ۔

(۷) اگر دادا زندہ ہو تو باپ اپنے نابالغ اولاد کی ولایت غیر شخص کو نہین دے سکتا الا اینکہ دادا اپنے بیٹے کی اولاد سے عداوت رکھتا ہو یا اُنکی ضرر رسانی چاہتا ہو۔

شرع محمدی مین جو احکام ولیون کے تقرر اور اُنکے اختیارات و فرائض سے متعلق ہین اُنکو ایکٹ ۴۰ ۱۸۵۸ع کی منشاء کے موافق دیکھنا چاہیئے۔

اِس ایکٹ کی دفعہ ۲ مین لکھا ہے کہ ''باستثناء اُن مالکان اراضی کے جو گورنمنٹ کو مالگذاری دیتے ہین اور جو کورٹ آف وارڈس کی زیر حراست ہون یا آئندہ اُسکے زیر حراست رکھی جاوین سب نابالغون کی ذات اور جائداد کی حفاظت (سواے اُن نابالغون کے جو ملکہ معظمہ کی رعایا اہل یورپ سے ہون) عدالت دیوانی کے اختیار مین رہیگی''۔

پھر دفعہ ۳ مین لکھا ہے کہ ''جس شخص کو از روے وصیت نامہ یا بموجب کسی دستاویز کے یا بوجہ قرابت قریبہ یا اور کسی وجہ سے نابالغ کی جائداد کی ولایت کا دعوے ہو اُسکو چاہیئے کہ عدالت دیوانی سے سارٹیفکٹ انتظام کی استدعا کرے اور کوئی ایسا شخص اُس جائداد پر نالش کرنے یا اُسکی نالش کی جوابدہی کرنے کا مستحق نہین ہے جسکی ولایت وحفاظت کا دعوے وہ رکھتا ہو تاوقتیکہ وہ ایسا سارٹیفکٹ نہ حاصل کرلے''۔

اِس دفعہ سے مان کا یہ حق نہین زائل ہو گیا ہے کہ اپنی نابالغ اولاد کی ولی بنکر نالش کرکے اُسکو اُنکی جائداد کے تباہ و برباد کردینے سے مانع ہو۔

دفعہ ۱۹ مین خاص کر یہ لکھا ہے کہ ''نابالغ کے عزیز یا رفیق کو جائز ہے کہ اُسکی نابالغی کے زمانہ مین جبوقت چاہے حساب فہمی کی نالش اُس شخص پر دائر کرے جو اس ایکٹ کے منشاء کے موافق اُسکا منتظم مقرر ہوا ہو یا اُس شخص پر جسکو اس ایکٹ کے بموجب سارٹیفکٹ انتظام دیا جائیگا یا کسی ایسے شخص یا ایسے منتظم پر اُسوقت جبکہ وہ اپنے عہدہ سے برخواست ہوچکا ہو یا در صورت اُسکے مرجانے کے اُسکی ذات کے قائم مقام پر نسبت کسی جائداد کے جو اُسوقت اُسکے زیر حراست یا زیر انتظام ہو یا پیشتر رہی ہو یا بالنسبت کسی رقوم یا اور جائداد

جو اُسنے اُس جائداد کی بابت پائی ہو گا۔

دفعہ ۷ مین ولی مقرر کرنے کی شرائط یہ لکھے ہین کہ وہ اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص جو نابالغ کی جائداد کی ولایت و حراست کا دعوے رکھتا ہے از روے وصیت نامہ یا بموجب اور کسی دستاویز کے اُسکا مستحق ہے اور اُسکو اپنی حراست مین رکھنے پر راضی بھی ہے تو عدالت ایسے شخص کو سارٹیفکٹ انتظام عطا کریگی۔ اگر کوئی شخص اس طور سے مستحق نہو یا اگر ایسا شخص اُس جائداد کو اپنی حراست مین رکھنا چاہتا ہو اور کوئی ایسا عزیز قریب نابالغ کا موجود ہو جو اُسکی جائداد کی حراست کی قابلیت اور خواہش رکھتا ہو تو عدالت ایسے عزیز کو سارٹیفکٹ انتظام دے سکتی ہے۔ عدالت کو یہ بھی جائز ہے کہ اگر مناسب سمجھے (بشرطیکہ نابالغ کے باپ نے کسی کو اُسکا ولی نہ مقرر کر دیا ہو) تو شخص موصوف کو یا ایسے عزیز کو یا نابالغ کے اور کسی عزیز یا دوست کو اُسکی ذات کا ولی مقرر کر دے گا۔

جب کوئی شخص جو از روے وصیت نامہ یا اور کسی دستاویز کے بموجب مدعی ولایت ہو اپنا حق ولایت ایسا ثابت کر دے کہ عدالت کو اطمینان ہو جاوے اور جب کوئی عزیز قریب نابالغ کی جائداد کی حراست کی قابلیت اور خواہش نہ رکھتا ہو تو عدالت اسکی مجاز ہے کہ سرکاری امین کو یا اور کسی شخص کو ایسی جائداد کی حراست کے لیے مقرر کر دے۔ اور جب عدالت کسی کو نابالغ کی جائداد کا ولی مقرر کرے تو اُسپر یہ بھی فرض ہے کہ وہ کسی کو اُسکی ذات اور اُسکے گذارہ کا ولی مقرر کرے گا۔

دفعہ ۸ مین اُن ولیون کے اختیارات جو اس طور سے مقرر کیے گئے ہون یا جنکو سارٹیفکٹ انتظام دیا گیا ہو یہ لکھے ہین کہ وہ ہر شخص جسکو اس ایکٹ کی منشا کے موافق سارٹیفکٹ دیا گیا ہو نابالغ کی جائداد کے انتظام مین اُنھین اختیارات کو عمل مین لا سکتا ہے جنکو خود مالک جائداد عمل مین لاتا اگر نابالغ نہوتا اور تمام واجبی حقوق اور قرضون اور ذمہ داریون کو جو ملک نابالغ کی جائداد کو یا اُسپر واجب الادا ہون ادا اور وصول کر سکتا ہے۔ مگر ایسے کسی

شخص کو کسی جائداد غیر منقولہ کے بیع کرنے یا رہن رکھنے کا یا پانچ سال سے زیادہ میعادی پٹہ دینے کا اختیار بغیر اسکے نہوگا کہ پیشتر عدالت دیوانی کا حکم حاصل کرلے ۔"

مقدمہ[1] عباسی بیگم بنام راج روپ کور جسٹس اینسلی صاحب اور جسٹس میکڈانلڈ صاحب نے یہ تجویز کیا تھا کہ وہ ولی ناجائز جسنے اِس ایکٹ کے بموجب سارٹیفکٹ نہ پایا ہو اس ولی جائز سے زیادہ اختیارات نہین رکھتا ہے جو اس ایکٹ کے رو سے مقرر کیا گیا ہو ۔ مگر اسکے بعد ایک مقدمہ ہوا جسمین ہائی کورٹ کلکتہ کے اجلاس کامل نے اِسکے خلاف رائے قائم کرکے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب ولی (خواہ مرد ہو خواہ عورت) سارٹیفکٹ پاچکا ہو تب اُسکا اختیار دفعہ ۱۸ ایکٹ ۴۰ سنہ ۱۸۵۸ع کی منشا کے موافق محدود ہو جاتا ہے ۔ پس جب کسی ولی نے خواہ ولی اصلی خواہ ولی وصیتی سارٹیفکٹ نہ حاصل کیا ہو تو اُسکا فیصلہ شرع محمدی کے اصول کے موافق کیا جائیگا ۔ اور شرع محمدی مین نابالغ کے حقوق کے حفاظت کی خوب فکر کردیگئی ہے جیسا سابق مین بیان کیا گیا ۔ لہذا اِسمین شک نہین ہے کہ جو ولایت کے جھگڑے مسلمانون مین پیدا ہونگے اُنکا تصفیہ کرنے مین ہندوستان کی عدالتین اُن منصفانہ اصول شرعیہ کی پابندی کرینگے جو صوبہ الجیرس کے قاضیون اور عدالتون نے اختیار کیے ہین ۔

[1] انڈین لا رپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۴ ۔ صفحہ ۳۳ ۔ ۱۲ منہ

تمت